لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سِیرۃُ الرَّسُول ﷺ

جلد سوئم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سِیرۃُ الرَّسُول ﷺ

جلد سوم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین

مولانا محمد معراج الاسلام

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	سیرۃُ الرّسول ﷺ (جلد سوم)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	مولانا محمد معراج الاسلام
معاونین تدوین	:	علی اکبر قادری، محمد رمضان قادری، محمد علی قادری
زیر اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ نمبر 1	:	جولائی 1995ء (1,000)
اِشاعتِ نمبر 2	:	جولائی 1996ء (1,000)
اِشاعتِ نمبر 3 تا 12	:	اکتوبر 1997ء تا جون 2009ء (12,800)
اِشاعتِ نمبر 13	:	اگست 2011ء (1,200)
اِشاعتِ نمبر 14	:	جنوری 2014ء (1,200)
اِشاعتِ نمبر 15	:	مئی 2017ء
تعداد	:	1,100
قیمت	:	-/400 روپے

ISBN-978-969-32-0764-4

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور خطبات و لیکچرز کی کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

فہرست

حصہ اول

معصوم لڑکپن سے بے مثال عہد شباب تک

○

باب۔ ۱ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبد المطلب کی کفالت میں۔

باب۔ ۲ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب کی کفالت میں۔

باب۔ ۳ پہلا بیرون ملک سفراور بحیرہ راہب سے ملاقات۔

باب۔ ۴ باقاعدہ عملی زندگی کا آغاز اور کسب معاش۔

باب۔ ۵ شہر مکہ کی معزّز شخصیت اور سرگرم سماجی کارکن۔

باب۔ ۶ شام کی طرف تجارتی سفراور ازدواجی زندگی کا آغاز۔

باب۔ ۷ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اور مقام۔

○

باب-۱

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں

حضرت عبد المطلب' عرب کی نامور جہاندیدہ اور بزرگ ترین شخصیت تھے۔ قدرت نے حسنِ باطن کے ساتھ حسنِ ظاہر بھی بڑی فیاضی سے عطا فرمایا تھا۔ بڑے جامہ زیب' صبا رفتار اور سرو قامت انسان تھے۔ دیکھنے والا مبہوت ہو جاتا اور مردانہ حسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ عام تاثر یہ تھا کہ چودھویں کے چاند کی طرح ان کا چہرہ درخشاں' پرکشش اور جاذب نظر ہے اور وہ اپنے زمانے کے بڑے ہی وجیہہ اور باوقار انسان ہیں جن میں بزرگی اور زیبائی کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ قدرت نے انہیں سب ظاہری اور باطنی فضائل اس لئے فراوانی سے عطا فرمائے تھے کیونکہ ان کے حصہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے جدّ امجد (دادا) ہونے کا شرف آچکا تھا سو یہ سب کرامتیں بالواسطہ فضائل محمدی ﷺ ہی کا ایک باب تھیں۔

جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچیں اور حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت محمد ﷺ اب بالکل یتیم ہو گئے ہیں اس کے بعد بطور خاص حضور ﷺ ہی اپنے دادا کی توجہ اور محبت کا مرکز بن گئے اور ان کی اپنی اولاد ثانوی حیثیت اختیار کر گئی۔ وہ حضور ﷺ کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھتے اگر آپ ﷺ تھوڑی دیر کے لئے کہیں جاتے تو ان کی بے قراری اور پریشانی کی انتہاء نہ رہتی۔

محبت کے ساتھ حضور ﷺ کے بابرکت ہونے کا انہیں پورا احساس و اعتماد بھی تھا جب کوئی کام نہ ہوتا تو وہ حضور ﷺ کے سپرد کر دیتے یا آپ کو اس میں شریک کر لیتے وہ کام فوراً پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے اونٹ گم ہو گئے تلاش میں اپنے

بیٹوں کو بھیجا مگر وہ ناکام رہے انہوں نے پھر اپنے سابقہ تجربات کے باعث حضور ﷺ کو مامور کیا۔ آپ تشریف لے گئے مگر واپسی میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سب کچھ بھول گئے اور صرف آپ ﷺ کی واپسی کی دعائیں مانگنے لگے۔ جب زیادہ دیر ہوئی تو آپ کی تشویش اور بڑھ گئی طواف کی حالت میں رو رو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے۔

رد الی راکبی محمدا
یارب ردہ واصطنع عندی یدا
(دلائل النبوۃ للبیہقی، ۲ : ۲۱)
(الخصائص الکبریٰ، ۱ : ۸۱)

اے اللہ! میرے شہسوار اور جگر پارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوٹا دے۔ اے رب کریم! انہیں بھیج دے اپنے ناچیز بندے پر احسان کر

وہ مسلسل دعا گریہ زاری اور طواف میں مصروف رہے یہاں تک کہ اطلاع ملی حضور ﷺ اونٹ تلاش کر کے لے آئے ہیں۔

برکت و سعادت کے انہی مظاہر نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا گرویدہ بنا دیا تھا جب بھی کھانا کھانے لگتے تو کہتے میرے بیٹے کو لاؤ آپ کو لایا جاتا تب کھانا تناول کرتے حضور ﷺ کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

ابن ہشام روایت کرتے ہیں:

کان یوضع لعبد المطلب فراش فی ظل الکعبۃ وکان لایجلس علیہ احد من بنیہ إجلالاً لہ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتي حتی یجلس علیہ فیذھب اعمامہ یوخرونہ فیقول جدہ: دعوا ابنی فو اللہ ان لہ لشانا ثم یجلسہ معہ علی الفراش ویمسح ظھرہ بیدہ ویسرہ ما یراہ یصنع

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام : ۱۶۸)

"حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی سیادت و عظمت کا یہ عالم تھا کہ کعبہ کے زیر سایہ

آپ کے لئے مسند بچھائی جاتی تھی آپ کا کوئی بیٹا عزت واحترام کی خاطر اس پر نہیں بیٹھتا تھا حضور ﷺ تشریف لاتے تو اس مسند پر جلوہ افروز ہو جاتے آپ کے چچا پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتے تو عبدالمطلب فرماتے میرے بیٹے کو رہنے دو اسے مسند سے نہ ہٹاؤ خدا کی قسم! میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔ پھر آپ ﷺ کو اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے رہتے اور آپ ﷺ جو عمل فرماتے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔'

پادری کی پیشین گوئی

ایک پادری حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گہرا دوست تھا وقتاً فوقتاً آپ سے ملاقات کے لئے آتا رہتا تھا ایک دن وہ معمول کے مطابق آیا حطیم کے قریب آپ کی مخصوص مسند کے پاس بیٹھا اپنی معلومات بیان کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے گفتگو کے دوران کہا:۔

"تورات میں ایک ایسے نبی کا ذکر ہے جس کی تمام صفات بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہو گا۔ اب اس نبی کا زمانہ ظہور بالکل قریب ہے۔"

اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے اور مسند پر بیٹھ گئے وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا آپ ﷺ کی آنکھوں میں تیرنے والے سرخ ڈوروں کا جائزہ لیا پشت مبارک اور قدموں کو دیکھا اور وہ بے ساختہ چلا اٹھا۔ اے عبدالمطلب! یہی وہ نبی ہے بتاؤ تمہارا کیا لگتا ہے؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا! میرا بیٹا ہے۔ پادری بولا! یہ نہیں ہو سکتا اس کو یتیم ہونا چاہیے تھا۔ عبدالمطلب نے بتایا! ایسا ہی ہے اس بچے کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں میرا پوتا ہے۔ پادری نے کہا' اس کی حفاظت کرو۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کیا! سن رہے ہو اپنے بھتیجے کا خیال رکھا کرو تاکہ کوئی دشمن گزند نہ پہنچا سکے۔

(دلائل النبوۃ' ابو نعیم' ۱۲۲/۱)

آپ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی متنبہ کیا اور فرمایا:۔

یابرکۃ! لاتغفلی عن ابنی فان اھل الکتاب یزعمون ان ابنی نبی ھذہ الامۃ	اے برکہ! میرے بیٹے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہو اکر کیونکہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ میرا بیٹا ہی اس امت کا نبی ہے۔

(الوفا ۱ : ۱۲۰)

سیف بن ذی یزن کی پیشین گوئی

امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

جب سیف بن ذی یزن حمیری نے حبشہ کو فتح کر لیا اور یہ فتح آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد حاصل ہوئی تھی تو عرب کے وفود اور معززین قوم اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ہی میں ایک وفد قریش کا بھی تھا۔ اس وفد میں آنحضرت ﷺ کے دادا عبد المطلب بن ہاشم' امیہ بن عبد شمس' اسد بن العزی اور عبد اللہ بن جدعان شامل تھے۔ یہ لوگ قصر غمدان پہنچے جہاں وہ موجود تھا اور حاضری کی اجازت چاہی۔ سیف نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ وفد کی طرف سے عبد المطلب نے اسے مبارکباد پیش کی اور اس سے گفتگو کی۔ گفتگو کے بعد سیف نے عبد المطلب کو اپنے پاس بلایا پھر سب مہمان خانہ میں پہنچا دیئے گئے۔ یہ اس کے یہاں ایک ماہ تک مقیم رہے۔ اس عرصہ میں نہ تو ان لوگوں کی دوبارہ سیف سے ملاقات ہو سکی اور نہ ہی انہیں دربار سے واپسی کی اجازت ملی۔ پھر اسے یکا یک ان کا خیال آیا اور اس نے ان لوگوں میں سے صرف عبد المطلب کو بلوایا اور انہیں تخلیہ میں اپنے پاس بٹھا کر آپ سے گفتگو کی۔

اے عبد المطلب! مجھے جو کچھ معلومات ہیں انہیں میں بطور امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا۔ لیکن میں نے آپ ہی کو اس کا اہل سمجھا۔ کیونکہ آپ ہی اس کا مرکز ہیں۔ اس لئے آپ کو اس امر کی اطلاع دیتا ہوں مگر یہ بات آپ کے سینہ میں محفوظ اور راز رہنی چاہئے جب تک خود

حق تعالیٰ ہی اس کے افشاء کا حکم نہ دے دے۔ بہر حال وہ اپنے ایک اہم امر کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔

میں اس مخفی علم اور پوشیدہ کتاب میں جسے ہم نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے ایک عظیم الشان خبر اور بہت بڑی بلندی و مرتبہ کا ظہور پاتا ہوں جس میں تمام بنی نوع انسان کو حیات میں عظمت و شرف اور موت کے بعد فضیلت و برتری حاصل ہو گی اور آپ کی قوم کو عام طور سے اور آپ کو خاص طور سے یہ شرف حاصل ہو گا۔

حضرت عبد المطلب نے فرمایا۔ اے شاہ! جیسا آپ نے کہا وہ بھلائی' وہ راز اور وہ خوشخبری کیا ہے فرمائیے۔

ابن ذی یزن نے کہا تہامہ میں ایسا بچہ ہو گا کہ اس کے شانوں کے درمیان ابھرتے ہوئے گوشت کی مہر ہو گی تو اسے قیامت تک تمام عالم کی سرداری حاصل رہے گی۔

حضرت عبد المطلب نے فرمایا۔ آپ سے ہر ملامت و برائی دور رہے۔ بلا شبہ آپ نے وہ خبر سنائی ہے جو کسی دوسرے نے نہیں سنائی اگر شاہی عظمت و جلال مانع نہ ہوتا تو میں اس کی تفصیل معلوم کرنے کی خواہش کرتا تاکہ اس سے میری مسرت دوبالا ہو جاتی۔

ابن ذی یزن نے کہا اس بچے کی ولادت کا یہی زمانہ ہے اور ممکن ہے وہ پیدا ہو چکا ہو اس کے والدین وفات پا جائیں گے اور اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہمیں یہ بات متعدد مرتبہ معلوم ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ اسے علانیہ مبعوث فرمائے گا اور ہم میں سے اس کے معاون و مددگار بنائے گا۔ جن کے ذریعے اس کے دوستوں کو عزت سے نوازے گا اور دشمنوں کو ذلت و رسوائی سے ہمکنار کرے گا۔ وہ روئے زمین کے بہترین علاقوں کو فتح کرے گا۔ لوگ اس کے اعوان و انصار کی مثال دیا کریں گے۔ وہ تمام ادیان کو باطل قرار دے دے گا۔ بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ خدائے رحمان کی عبادت کرے گا۔ اس کا قول محکم' قطعی اور فیصلہ کن ہو گا۔ اس کا حکم سر تا سر مبنی بر احتیاط و انصاف ہو گا۔ وہ بھلائیوں کا حکم دے گا اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہو

گا۔ برائیوں سے منع کرے گا اور خود بھی رکے گا۔

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا آپ کی عمر دراز ہو اور آپ کی عزت مزید بلند ہو۔ کیا آپ بعض امور کی مزید وضاحت فرما کر مجھے مسرت کا موقع عنایت فرمائیں گے؟

ابن ذی یزن نے کہا۔ طنابوں والے خیموں' ان کے نشانات اور کھمبوں کی قسم! اے عبدالمطلب! آپ ہی اس نومولود ہستی کے دادا ہیں۔ اے عبدالمطلب! سجدہ سے سر اٹھایئے۔ آپ کا دل ٹھنڈا اور آپ کی بات سربلند رہے۔ میں نے آپ سے جو کچھ بیان کیا ہے آپ اس کے متعلق کیا معلومات رکھتے ہیں.

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا۔ اے بادشاہ! میرا ایک بیٹا تھا جس سے میں بے حد محبت کرتا اور اس پر بہت مہربانی و شفقت کرتا تھا۔ میں نے اپنی قوم کی سب سے زیادہ معزز خاتون سے اس کی شادی کر دی تھی۔ جس کا نام آمنہ بنت وہب بن عبد مناف تھا۔ اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کا ٹکڑا مہر کی طرح ہے اور وہ تمام علامتیں موجود ہیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب اس کی پرورش میں اور اس کے چچا کرتے ہیں۔

ابن ذی یزن نے کہا جو کچھ میں نے بتایا ہے وہی سب آپ بیان کر رہے ہیں۔ اب آپ اپنے اس فرزند کی حفاظت کیجئے۔ خاص کر یہودیوں سے اسے بچائے رکھئے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اس کے سخت دشمن ہیں لیکن حق تعالیٰ انہیں ہرگز اس پر غالب نہ آنے دے گا۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اسے آپ اپنی اس جماعت سے پوشیدہ رکھیں جو آپ کے ساتھ ہے۔ مجھے ان پر اطمینان نہیں ہے۔ ممکن ہے ان میں ایسے حاسد پیدا ہو جائیں جو آپ کی امارت اور سرداری کی مخالفت کرنے لگیں اور آپ کی راہ میں مشکلات کھڑی کر دیں اور کانٹے بو دیں۔ پھر وہ اور ان کی اولاد آپ کی مخالفت میں جو کرنا چاہیں کر گزریں۔ اگر میں یہ نہ جانتا کہ مجھے اس فرزند کی بعثت سے قبل ہی موت آ جائے گی تو میں اپنے گھوڑے پر سوار اور پاپیادہ چل کر ان کے دار ہجرت یثرب پہنچ

جاتا۔ کیونکہ میں اپنی رہنما کتاب اور قدیم علم میں یہ خبر پاتا ہوں کہ یثرب ان کی ہجرت گاہ اور ان کی نصرت و مدد کا مقام ہے۔ اگر میں انہیں آفتوں سے نہ بچانا چاہتا اور مجھے ان پر مصائب و شدائد کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ان کے بچپن ہی میں ان امور کا اعلان کر دیتا اور عربوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کرتا۔ لیکن آپ کے ساتھیوں کے خوف سے ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ اس لئے اس مہم کو آپ کے سپرد کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ پھر ابن ذی یزن نے حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کو دس غلام، دس حبشی باندیاں، پانچ رطل چاندی، دس لمبی چادریں، عنبر کا ایک ڈبہ عطیہ کے طور پر دیئے جائیں اور عبدالمطلب کو ہر چیز دس گنا دینے کا حکم دیا اور آپ سے کہا کہ جب یہ سال گزر جائے تو مجھے اس بچے کے حالات پر مطلع کرنا۔ مگر ایک سال پورا نہ ہوا تھا کہ ابن ذی یزن کا انتقال ہو گیا حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "اے گروہ قریش ا بادشاہ کی کثیر داد کی وجہ سے تم مجھ پر رشک نہ کرو کہ یہ تو فنا اور ختم ہونے والی چیز ہے لیکن میرے اور میرے بعد کی نسلوں کے لئے وہ امور قابل رشک ہیں جن کا ذکر خیر شاہ نے مجھ سے کیا ہے اور جو ہمارے لئے باعث صد عز و افتخار ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کون سی باتیں ہیں۔ فرمایا کچھ عرصہ بعد تم سب پر ان کا از خود اظہار ہو جائے گا"

(دلائل النبوۃ لابی نعیم:۵۶ تا ۶۰، دلائل النبوۃ للبیہقی، ۲: ۹ تا ۱۴)

شیخ محمد رضا مصری لکھتے ہیں:

"تاریخ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ سیف بن ذی یزن نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا اور آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے انہیں آنحضرت ﷺ کے ظہور نبوت اور آپ کے اوصاف پر مطلع کیا تھا۔ ملک یمن حبشہ کی حکومت کے تحت تھا مگر اہل یمن اس حکومت کو ناپسند کرتے تھے۔ جب سیف بن ذی یزن نے اپنے آبائی ملک کو واپس لینا چاہا تو پہلے انہوں نے روم کی شہنشاہیت سے مدد طلب کی مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی پھر شاہ ایران سے مدد کی درخواست کی۔ اس نے اپنی فوج سے ان کی مدد کی۔ چنانچہ انہوں نے حبشہ سے جنگ کر کے اس پر فتح حاصل کی۔"

اس جنگ میں حبشہ کا فرمانروا مسروق مارا گیا۔ یہ واقعہ تقریباً ۵۷۵ کا ہے اسی سال حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔ پس تاریخی شواہد کی بنا پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عرب وفود سیف بن ذی یزن کو مبارک باد پیش کرنے کیسے گئے تھے؟ مزید برآں قبائل عرب اور سیف بن ذی یزن میں قرابت اور ہمسائیگی کے تعلقات بھی تھے۔ نیز ان کے تجارتی فوائد و مصالح بھی مشترک تھے' کیونکہ عرب قبائل تجارتی اغراض سے موسم سرما میں یمن اور گرما میں شام کا سفر کیا کرتے تھے بوجوہ صدر ایسے موقع پر اہل عرب کا انہیں مبارک باد دینا ان کا ایک اخلاقی فریضہ تھا۔

مسٹر ویل (Wel) نے مذکورہ قصہ کی صحت پر تاریخی زاویہ نگاہ سے اعتراض وارد کیا ہے اور مسٹر پریسفال (M.C.de Perceval) نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس اعتراض کی تردید کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے پہلی مرتبہ ۵۷۵ء میں حبشہ کی شکست ثابت کی ہے۔ اگرچہ اہل حبشہ پورے طور پر یمن سے ۵۹۷ء تک بے دخل ہو سکے تھے۔

مسٹر مویر (Muir) عرب وفود اور ان کے ہمراہ عبدالمطلب کے (جو اس وقت مکہ کے حاکم تھے) سیف بن ذی یزن کی خدمت میں حاضر ہونے کی پوری طرح تکذیب تو نہیں کر سکا البتہ وہ اتنا ضرور کہہ گزرا کہ نبی منتظر کے ظہور کی خبروں کے متعلق اس واقعہ میں کثرت مبالغہ کو دخل ہے۔ اسی بنا پر وہ شک میں مبتلا ہو گیا علاوہ ازیں سیرت نبوی ﷺ کے واقعات کی چھان بین کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے ظہور نبوت سے متعلق کثیر واقعات اور خبروں میں کوئی ایک اور نیا واقعہ نہیں ہے کیونکہ سیف نے جو خبر عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو دی تھی وہی بحیرا نے حضرت ابو طالب کو دی تھی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی (دوسرے عیسائی راہبوں سے) یہی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ پھر یہودی علماء برملا اس کی تشہیر کرتے تھے۔

(محمد رسول اللہ ﷺ' محمد رضا مصری: ۳۵'۳۶ (عربی) مطبوعہ دار الفکر)

ناز و نعم' لاڈ پیار اور شفقت و محبت کی اس مانوس فضا میں دو سال بیت گئے اور

حضور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال ہو گئی۔

اس وقت حضرت عبد المطلب کی عمر ایک سو دس سال ہو چکی تھی زندگی کا کوئی بھروسہ نہ تھا کسی وقت بھی موت کا بلاوا آ سکتا تھا انہیں سب سے زیادہ حضور ﷺ کی فکر تھی ان کے لئے قدم قدم پر خطرہ تھا۔ دشمن گھات لگائے بیٹھا تھا کہ اسے موقع ملے اور وہ اپنے مکروہ عزائم پورے کرے اس لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو صحیح معنوں میں ان کی ہمدرد و غمگسار اور دل و جان سے فدا ہو اور ہر حالت میں ان کی حفاظت کر سکے۔

حضرت ابو طالب حضرت عبد اللہ کے سگے بھائی اور حضور کے سگے چچا تھے حضرت عبد المطلب کو اس مقصد کے لئے حضرت ابو طالب سے زیادہ موزوں کوئی شخص نظر نہ آیا انہوں نے سوچا ابو طالب ہی اپنے بھائی کی اس نشانی کی پوری جگر سوزی اور جرات و ہمت کے ساتھ حفاظت کر سکتا ہے اور اس تعلق کو نبھا سکتا ہے چنانچہ حضرت ابو طالب کو بلایا اور وصیت کی صورت میں کچھ اشعار ارشاد فرمائے جن کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

"میرے مرنے کے بعد اپنے بھتیجے کو تنہائی کا احساس نہ ہونے دینا اپنی اولاد سے بڑھ کر شفقت دینا ہر آڑے وقت میں ان کے لئے سینہ سپر ہو جانا اور ہر میدان میں ان کی مدد کرنا۔"

(دلائل النبوۃ، للبیہقی، ۲: ۲۲)

یہ وصیت کر کے وہ مطمئن ہو گئے جیسے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو آخر ایک سو دس سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی وفات واقعہ فیل کے آٹھ (۸) سال بعد ۵۷۸ء میں ہوئی وہ اہل مکہ کے معروف قبرستان واقع حجون میں دفن کئے گئے جو مکہ معظمہ کی بلند سمت میں ایک پہاڑی پر واقع ہے آپ کی قبر اپنے دادا قصی کے پہلو میں بنائی گئی اب یہ حصہ جنت المعلیٰ کے ایک علیحدہ خطہ میں واقع ہے جہاں حضور ﷺ کے تمام اجداد کے مزارات ہیں۔

○

باب۔ ۲

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب کی کفالت میں

حضرت ابو طالب پورے قبیلے میں مالی لحاظ سے بہت کمزور تھے۔ کثرت اولاد کے باعث تنگدستی نے کچھ زیادہ ہی پریشان کیا ہوا تھا۔ حضور ﷺ اس گھر میں تشریف لائے تو سیدہ حلیمہ کے گھر کی طرح برکتوں اور نعمتوں نے اس گھر میں بھی ڈیرے ڈال دیئے جنہیں حضرت ابو طالب نے پہلے ہی روز محسوس کر لیا اور جان گئے کہ سعادت و برکت ان کے ہمرکاب ہے جہاں جاتے ہیں خوشیاں اور نعمتیں ساتھ لاتے ہیں۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ سیدہ حلیمہ کے گھر تشریف لے گئے تھے تو وہاں بھی بظاہر سیدہ حلیمہ حضور ﷺ کو پال رہی تھی مگر حقیقت میں حضور ﷺ انہیں اور ان کے پورے خاندان کو پال رہے تھے آپ ﷺ کے طفیل انہیں اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔

حضرت ابو طالب کے گھر عجائبات کا ظہور

حضرت ابو طالب کے گھر میں بھی اسی شان و کیفیت کا اعادہ ہوا حضور ﷺ نے حضرت ابو طالب کے پورے خانوادے کو پالنا شروع کر دیا۔ ابن سعد، ابن عساکر اور حافظ ابو نعیم وغیرہ نے مختلف طرق سے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کان اذا اکل عیال ابی طالب جمیعا او فرادی لم یشبعوا واذا اکل معھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبعوا فکان اذا اراد ان یغدیھم او یعشیھم قال کما انتم حتی یحضر ابنی فیاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاکل معھم فیفضلون من طعامھم

(الوفا باحوال المصطفی، ۱ : ۱۳۱)

جب حضرت ابو طالب کے گھر والے انفرادی یا اجتماعی صورت میں حضور ﷺ کے بغیر کھانا کھاتے تو ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا تھا اور جب حضور ﷺ ان کے ساتھ مل کر کھاتے تو وہ سب سیر شکم ہو جاتے اس لئے صبح و شام جب بھی کھانے کا وقت ہوتا تو ابو طالب انہیں روک دیتے اور کہتے پہلے میرے بیٹے کو آنے دو! پس حضور ﷺ تشریف لاتے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے تو کھانا بچ جاتا۔

کھانے کے دوران حضرت ابو طالب کے بچے بعض اوقات استغناء کا مظاہرہ نہ کر پاتے۔ جو حضرت ابو طالب کو بہت گراں گذرتا انہیں اس سے روکتے اور حضور کی متانت و سنجیدگی کی طرف ان کی توجہ دلاتے اور آپ کی شان استغناء اور شائستگی کا حوالہ دیتے مگر جب بچوں کو اس بات کا احساس نہ ہوا تو انہوں نے حضور ﷺ کو علیحدہ کھانا دینا شروع کر دیا تاکہ بچوں کی غیر شائستگی کی وجہ سے آپ کی طبیعت مبارکہ بوجھل نہ ہو اور طبع مبارک پر ان کی عادات گراں نہ گذریں۔

(سبل الھدیٰ والرشاد ۲: ۱۸۴)

ویسے بھی کاررسالتمآب ﷺ کی توجہ کھانے کی طرف زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں صبح اٹھ کر آپ زمزم کے کنویں پر تشریف لے جاتے اور چند گھونٹ پانی نوش فرما لیتے پھر جب ہم کھانے کے لئے بلاتے تو فرماتے مجھے خواہش نہیں پیٹ بھرا ہوا ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ۱: ۸۳)

حضرت ابو طالب کے بچے صبح کو بیدار ہوتے تو ان کی طبیعت عام بچوں کی طرح نیند کے اثر سے متاثر ہوتی مگر آپ ﷺ اٹھتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے چشمان مبارک میں سرمہ لگا ہوا ہے اور بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۲۰)

یہ غیر معمولی صورت حال کچھ سوچنے پر مجبور کر دینے کے لئے کافی تھی کیونکہ یہ ایک دن کی بات نہیں تھی ہر روز کا مشاہدہ تھا۔ ان ہی مشاہدات اور حضور ﷺ کی

عادات وبرکات نے حضرت ابو طالب کو حضور ﷺ کا گرویدہ بنا دیا تھا وہ ہر وقت حضور ﷺ کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنے ساتھ ہی سلانے کی کوشش کرتے۔ آپ بے ستر ہونا پسند نہیں فرماتے تھے ایک روز سوتے وقت چچا سے فرمایا:

یاعماہ! اصرف بوجھك عنی	اے چچا! اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیں
حتی اخلع ثیابی اذ لاینبغی	تاکہ میں کپڑے اتار کر بدل لوں
لاحد ان ینظر الی جسدی	کیونکہ کسی کے لئے مناسب نہیں ہے
(محمد رسول اللہ : ۳۸)	کہ میرے جسم کو دیکھے۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضور ﷺ چچا کے ساتھ رات کو سوتے مگر جب ان کی آنکھ کھلتی تو وہ محسوس کرتے جیسے آپ ﷺ بستر میں نہیں ہیں وہ ادھر ادھر ہاتھ مارتے مگر حضور ﷺ کا بالکل پتہ نہ چلتا آخر حالت پریشانی میں اٹھ بیٹھتے اور آپ ﷺ کو آواز دیتے آپ ﷺ جواب دیتے چچا میں یہیں ہوں تب انہیں اطمینان ہوتا۔

اس معاشرے کے لئے ذکر الٰہی عجیب بات تھی۔حضور ﷺ کھانا تناول فرماتے وقت "بسم اللہ الاحد" پڑھتے اور جب فارغ ہوتے تو **الحمد للہ** کہتے یہ سب باتیں اور منفرد عادتیں حضرت ابو طالب کے لئے انوکھی تھیں۔ انہوں نے ایک دن اپنے بھائی عباس سے ان کا تذکرہ کیا تو وہ بھی دنگ رہ گئے۔

(محمد رسول اللہ ' محمد رضا: ۳۸' ۳۹)

شدید قحط میں باران رحمت

کتب سیر میں اسی دور کا ایک مشہور واقعہ ' جسے ابن عساکر نے جلھمہ بن عرفطہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ ایک بار مکہ آئے ' قریش مکہ شدید قحط میں مبتلا تھے اور بارش کی بوند تک کو ترس گئے تھے۔ کسی نے کہا "لات وعزی" سے التماس کریں کوئی کہتا "مناۃ" سے مدد طلب کی جائے۔ اتنے میں ایک پختہ عمر وجیہہ اور خوبرو شخص آیا۔ اس نے لاۃ وعزی کی باتیں سن کر اظہار تعجب کیا اور مشورہ دیا کہ اس

فضول بحث و تکرار میں وقت ضائع کرنے کی بجائے تم ابراہیم و اسماعیل کی اولاد کے پاس جاؤ وہ کریم خانوادہ تمہارے درمیان موجود ہے۔ لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور سیدھے حضرت ابو طالب کے پاس آئے۔ سب ان سے ملتمسانہ گویا ہوئے۔

یا ابا طالب اقحط الوادی
واحدب العیال فھلم فاستسق لنا
(الخصائص الکبری ، ۱ : ۸۶)

اے ابو طالب قحط سالی نے وادی مکہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ بال بچے جاں بلب ہیں تشریف لائیں اور بارش کے لئے دعا فرمائیں۔

حضرت ابو طالب ان سب کو لے کر روانہ ہوئے' ان کے ساتھ ایک نو عمر لڑکا بھی تھا' جن کے بارے میں راوی کہتے ہیں' **کانہ شمس دجنۃ تجلت علیہ سحابۃ قتماء** "اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے خورشید جہاں تاب ابھی بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلا ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ آسمان پر بادلوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا مبارک ہاتھوں کا اٹھنا تھا کہ بادل جھوم کر آئے اور ایک جگہ اکٹھے ہو گئے' پھر چند لمحوں میں موسلا دھار بارش یوں برسی کہ مکہ کی وادی میں جل تھل ہو گیا' سارے ٹیلے اور میدان بارش میں نہا گئے' نتیجتاً کچھ ہی عرصہ بعد سبزا اگ آیا اور درخت سرسبز ہو گئے۔

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابو طالب نے بعد ازاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چند نعتیہ اشعار کہے جن میں سے یہ دو شعر بہت مشہور ہوئے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی و عصمۃ للا رامل
یلوذ بہ الھلاک من آل ھاشم فھم عندہ فی نعمۃ و فواضل
(سبل الھدیٰ والرشاد' ۲: ۱۵۸)

"سفید رنگت والے (خوبصورت) جن کے چہرہ اقدس کا واسطہ دے کر باران رحمت طلب

کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بے سہارا بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔ بنی ہاشم کے ناچار ہلاکت سے بچنے کے لئے ان کے دامن کرم میں پناہ لیتے ہیں، انہیں اس بارگاہ بیکس پناہ میں ہر قسم کی نعمت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔"

خشک زمین سے میٹھے پانی کا چشمہ

بعض محدثین نے اسی عہد طفلی کا ایک اور محیر العقول واقعہ بیان کیا ہے۔ ابن سعد، خطیب تبریزی، ابن عساکر اور امام ابن جوزی وغیرہ نے اپنی مستند کتب میں یہ روایت یوں بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہمرکاب کہیں جا رہے تھے۔ چلتے چلتے کسی لق و دق صحرا میں حضرت ابو طالب کو پیاس لگ گئی، دور دور تک آبادی کا نشان نظر نہیں آتا تھا، جہاں سے پانی طلب کیا جا سکتا۔ پیاس کی یہ شدت رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی حتی کہ حضرت ابو طالب سے نہ رہا گیا اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اب مجھ سے آگے نہیں چلا جاتا، سخت پیاس سے جان پر بن آئی ہے۔ مہربان چچا کی یہ حالت دیکھ کر حضور ﷺ کے قلب مبارک کی گہرائیوں سے دعا نکلی اور آپ ﷺ نے خشک سنگلاخ زمین پر اپنی ایڑی مبارک زور سے ماری، زمین سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بہہ نکلا آپ ﷺ نے فرمایا چچا جان اب جی بھر کر پی لیں، انہوں نے پانی پیا تو جان میں جان آئی اور سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

(الطبقات الکبریٰ۔ ۱/۱۵۳۔ الوفا لابن جوزی۔ ۱/۱۳۱)

اس روایت سے کسی کو تعجب و حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ اگر حضرت ہاجرہ کے لخت جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لئے مکہ کی سنگلاخ زمین سے ایڑھیوں کے رگڑنے پر پانی کا چشمہ "زم زم" جاری ہو سکتا ہے تو اللہ کے حبیب سرور انبیاء علیہ السلام کے پائے مبارک کی ضرب سے تو ہزاروں زم زم رواں ہو سکتے ہیں۔

باب۔ ۳

بیرونِ ملک پہلا تجارتی سفر اور بحیرہ راہب کا انکشاف

حضور ﷺ کو حضرت ابو طالب کے ساتھ رہتے ہوئے تقریباً چار سال گذر گئے اور آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال ہو گئی۔

دستور عرب کے مطابق حضرت ابو طالب نے تجارت کے لئے رخت سفر باندھا تو اس سال آپ بھی تیار ہو گئے اور ساتھ جانے کے لئے اصرار کیا حضرت ابو طالب کو کسی حالت میں بھی آپ کی دل شکنی گوارا نہ تھی ویسے بھی اب آپ ﷺ نوجوان تھے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر سکتے تھے اس لئے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ آپ ﷺ قافلہ کے ہمراہ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ملک سے باہر آپ ﷺ کا پہلا سفر تھا جو نوعمری میں تجارت کی غرض سے ہوا اس سے یقیناً آپ ﷺ کے تجربات و مشاہدات میں اضافہ ہوا۔

جب یہ قافلہ ملک شام کے ضلع حوران کے قصبہ "بصریٰ" کے مقام پر پہنچا تو وہاں فروکش ہو گیا یہ تجارتی قافلوں کا سابقہ معمول بھی تھا وہ جب بھی اس راہ سے گذرتے تو اس جگہ قیام کرتے تھے۔

قریب ہی ایک گرجا تھا جس میں ایک صالح راہب کی رہائش تھی ان کا نام "سرجیوس" یا "جرجیوس" تھا مگر لوگ ان کے علمی تبحر تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے انہیں "بحیریٰ" کہتے تھے۔ اس کا معنی ہے مقبول بارگاہ الٰہی، برگزیدہ اور متبحر عالم ان کے علم و آگہی کی وجہ سے طالبان حق کا ان کے پاس جمگھٹا لگا رہتا تھا اور وہ ان کو تعلیمات حق سے آگاہ کرتے رہتے تھے اپنے وقت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ان کے شاگرد رہ چکے تھے اور حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی محبت و ملاقات کا جوش و جذبہ انہوں نے اسی دبستان حکمت و معرفت سے حاصل کیا تھا اور نبوت کی

نشانیاں ان سے ہی معلوم کی تھیں۔

قافلہ عرب پہلے بھی یہاں پڑاؤ ڈالتا تھا مگر کبھی کسی نے نہیں پوچھا تھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ لیکن اس دفعہ تو کایا ہی پلٹ دی گئی۔ بحیرہ راہب نے محبتیں نچھاور کر دیں اور شفقتیں انڈیل دیں۔ خود چل کر آئے اور انہیں دعوت دی کہ گرجا میں آئیں اور ان کی ضیافت قبول کریں۔ دعوت اتنے خلوص اور چاہت سے دی گئی تھی کہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی انہوں نے قبول کر لی۔

اہل قافلہ نے سوچا محمد ﷺ نوعمر ہیں انہیں یہیں سامان کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور اکابر کھانے کے لئے چلے جاتے ہیں ایک بچے کا جانا اتنا ضروری بھی نہیں اس نے بڑے لوگوں کو دعوت دی ہے۔

راہب نے گرجا کے باہر کھلی فضا میں کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا سب لوگ وہاں پہنچ گئے مگر راہب کی متجسس نگاہیں کسی اور ہی کو تلاش کرتی رہیں جو انہیں نظر نہ آئے دولہا بارات میں نہیں تھا جس کے لئے یہ بزم محبت سجائی گئی تھی آخر اس نے پوچھ ہی لیا "پیچھے کوئی رہ تو نہیں گیا؟"

انہوں نے جواب دیا "ایک نوعمر بچہ رہ گیا ہے باقی سب آ گئے ہیں۔"

اس نے دل میں کہا نادانو! تم کیا جانو وہ بچہ کیا ہے؟ تمہاری آبرو بھی اسی کے نام سے ہے وگرنہ تمہیں کون جانتا ہے؟ انہیں کہا گیا کہ "کسی کو پیچھے نہ رہنے دو سب کا آنا ضروری ہے۔"

ایک شخص نے کہا: "دوستو! محمد ﷺ کا دعوت میں موجود نہ ہونا واقعی ہی مناسب نہیں اور ویسے بھی یہ مروت و آداب عرب کے منافی ہے سو آپ ﷺ کے چچا حارث اٹھے اور حضور ﷺ کو ساتھ لے آئے۔

کسی نے پوچھا: آپ یہ ضیافت کیوں دے رہے ہیں جب کہ اس سے پہلے کبھی آپ نے پوچھا تک نہیں تھا؟

راہب نے انہیں بتایا: میں یہ ضیافت اسی "بچے" کے اعزاز میں دے رہا

ہوں جسے تم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا تم نہیں جانتے میں نے یہاں بیٹھے بیٹھے کیسے ایمان افروز مناظر دیکھے ہیں۔ تم یہاں وادی میں اتر رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ گھنا بادل ان پر سایہ کر رہا ہے اور جدھر جاتے ہیں وہ بھی ادھر ہی منتقل ہو جاتا ہے درخت ان کے آگے جھک رہے ہیں جیسے ہر چیز ان کی قدم بوسی کر رہی ہو۔

اب وہ تشریف لا رہے ہیں تم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لو۔

اہل قافلہ نے دیکھا کہ بادل ان کے ساتھ چل رہا ہے اور جب وہ وہاں پہنچ گئے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو درخت نے اپنی ساری شاخیں سمیٹیں اور ان پر چھتری بنا دی۔

اب دیکھنے والوں کو احساس ہوا کہ وہ تو اس نظر ہی سے محروم تھے جو ان مناظر خاص کا مشاہدہ کر سکتی ہے وہ اپنی ہی دنیا میں منہمک تھے اور دائیں بائیں سے بے نیازی کی حالت میں سفر کر رہے تھے۔

راہب نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور بتایا اس بچے کو معمولی انسان نہ سمجھو۔

هذا سيد العالمين هذا رسول رب العالمين يبعث الله رحمة للعالمين	یہ تمام جہانوں کے سردار و آقا ہیں یہ رب العالمین کے رسول خاص ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔
(الجامع للترمذي ، ۲ باب بدء النبوة)	

پھر اس نے حضور ﷺ کے مبارک کندھوں پر مہر نبوت کی زیارت کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ ڈوروں کو محبت و عقیدت سے دیکھا حضور ﷺ سے آپ کے معمولات دریافت کئے۔ سب کچھ گذشتہ کتابوں میں بیان کردہ علامات کے مطابق پایا۔

اس نے حضرت ابو طالب سے کہا! آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟

ابو طالب نے جواب دیا: میرا بیٹا ہے۔ اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا!

ہماری معلومات کے مطابق انہیں یتیم ہونا چاہیے۔

حضرت ابو طالب نے بتایا: یہ یتیم ہی ہیں میں ان کا چچا ہوں۔

راہب نے حضرت ابو طالب سے کہا۔

میں آپ کو نہایت تاکید سے وصیت کرتا ہوں کہ بچے کو لے کر فوراً واپس چلے جائیں اس کی علامات نبوت اتنی نمایاں ہیں کہ یہود انہیں فورا پہچان لیں گے اور قتل کرنے کی کوشش کریں گے اس لئے سفر میں آپ انہیں ساتھ نہ رکھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اسی وقت سات یہودی گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور راہب سے کہا:

ہماری معلومات کے مطابق یہ نبی آخر الزمان ﷺ کے سفر شام کا زمانہ ہے اور وہ ادھر آئے ہوئے ہیں ہم نے مختلف جماعتیں ترتیب دی ہیں جو شام کی طرف آنے والے تمام راستوں کی طرف نکل گئی ہیں ہم نے یہ راہ منتخب کی تھی تاکہ آپ کی زیارت بھی ہو جائے۔

راہب نے خطرات کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر ان سے پوچھا۔ یہ بتاؤ! خدا نے جو بات مقدر کر دی ہے کیا تم اس کو بدل سکتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں یہ تو ہمارے بس میں نہیں۔ راہب نے انہیں سمجھایا جب خدا نے انہیں نبی بنا دیا ہے تو وہ ان کی حفاظت بھی کرے گا تم لاکھ کوشش کے باوجود بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی انہوں نے راہب کی بیعت کی اور چلے گئے۔

راہب نے حضرت ابو طالب سے کہا: آپ نے دیکھا معاملہ کہاں تک پہنچا ہوا ہے آپ فوراً محمد ﷺ کو واپس بھیجیں۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے ان کی نصیحت پر عمل کیا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام '۱۸۰' الروض الانف '۱۱۸' شرح الزرقانی '۱: ۱۹۴)

حاکم اور ترمذی وغیرہ کی روایت میں یہ بیان ہے کہ آپ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ واپس گئے جبکہ علمائے حدیث نے اس بات کو راوی کا وہم کہہ کر خلاف واقعہ قرار دیا ہے' کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر حضور ﷺ سے دو سال کم تھی جبکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اس وقت کوئی ذکر نہیں تھا' لہٰذا مصاحبت کا

سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

بحیرہ راہب سے ملاقات کے متعلق علامہ شبلی کے اعتراض کی حقیقت

بعض لوگوں نے اس مشہور واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے' اور وجہ یہ ظاہر کی ہے چونکہ غیر مسلم محققین اور خاص طور پر بعض مستشرقین نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر بہت سی لغو باتیں لکھی ہیں' جن سے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی توہین ہوتی ہے۔ اس واقعہ کی حقانیت کے منکرین میں سرفہرست معاصر سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی ہیں۔ ان کے بقول ولیم میور (William Muir)' ڈریپر (Draper)' مارگیولوس (Margolioth) وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں' اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور اس کے بتائے ہوئے نکات پر حضور ﷺ نے اسلامی عقائد کی بنیاد رکھی۔ بجائے اس کے کہ ان بددیانت مستشرقین کا مدلل جواب دیا جاتا' علامہ شبلی نے اس واقعہ کو ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ بلکہ اظہار تعجب کیا کہ "اس روایت سے جس قدر عام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے" آگے چل کر صاف کہہ دیا "حقیقت یہ ہے کہ روایت ناقابل اعتبار ہے"

(سیرت النبی' ۱/۱۸۰' ۱۸۱)

علامہ شبلی مرحوم نے اپنے اس دعوٰی کی تصدیق میں جو دلائل پیش کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

حدیث کی سند کمزور ہے اور متن خلاف واقعہ ہے۔

جہاں تک صحت حدیث پر اعتراض کا تعلق ہے تو یہ واقعہ معمولی تغیر کے ساتھ کتب حدیث و سیر میں اتنی کثرت سے بیان کیا گیا ہے اور اس کے اتنے شواہد موجود ہیں کہ اہل علم اس کی حقانیت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مثلاً

۱۔ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(جامع ترمذی' ج ۲۔ باب بداء النبوۃ)

۲۔ امام حاکم نیشاپوری نے المستدرک میں روایت کرنے کے بعد کہا" **هذا صحيح على شرط الشيخين**" مراد یہ کہ روایت بخاری و مسلم کی شروط کے مطابق صحیح ہے۔
(المستدرک للحاکم، ۲: ۶۱۰)

۳۔ علاوہ ازیں امام بزار نے اپنی مسند میں
(زاد المعاد، ۱: ۱۷)

۴۔ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں تھوڑی تفصیل سے بیان کر کے کہا **فاما القصة عند اهل المغازی مشهورة**"
(دلائل النبوۃ للبیہقی، ۲: ۲۶)

۵۔ امام ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصفہانی، ۱۳۱)

۶۔ اسی طرح متاخرین میں حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ میں امام ترمذی کی سند کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا اور کہا ہے کہ یہ امام بخاری کے راوی ہیں۔
(الاصابہ: ۱، ۱۸۸)

۷۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ میں اس واقعہ کی صحت کی تصدیق کرتے ہوئے متعدد شواہد نقل کئے ہیں۔
(الخصائص الکبری، ۱: ۸۳)

۸۔ امام جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں فقط ابو بکر رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر اس روایت میں راوی کا وہم ہے۔
(مرقاۃ: ۵، ۴۷۲)

جہاں تک متن سے متعلق دوسرے اعتراض کا تعلق ہے تو اس میں صرف حدیث کا آخری حصہ جس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور ﷺ کی واپسی کا ذکر ہے جمہور کے ہاں یہ راوی کی غلطی اور وہم ہے اس ایک کلمہ کے ذکر ہو جانے کی وجہ سے تمام حدیث ضعیف نہیں ہو سکتی۔ امام ابن حجر عسقلانی نے راوی کے اس وہم کی بڑی معقول وجہ یہ بتائی ہے کہ حضور ﷺ کے سفر شام کے

متعلق بعض روایات ہیں جن میں سیدنا صدیق اکبرؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے مثلاً ابن مندہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف روایت بیان کرتے ہوئے یوں کہا۔

ان ابابكر صحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو ابن ثمانية عشرة سنة والنبي صلی اللہ علیہ وسلم ابن عشرين سنة وهم يريدون الشام في تجارة

(سبل الهدى والرشاد، ٤ : ١٩٣)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ہمراہ شام سفر تجارت کے لئے گئے، اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال اور آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۰ سال تھی۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے تو یہ سفر اس سفر کے بعد ہوا جس میں آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تجارتی قافلے میں گئے تھے۔

علامہ ذہبی نے مستدرک کے حاشیے میں اس حدیث کو اگر ضعیف کہا ہے تو صرف اس آخری جزو کی وجہ سے، اور اس کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں کہ اس ایک کلمہ کی وجہ سے پوری حدیث ناقابل اعتبار نہیں ہوتی۔ امام ذہبی نے مستدرک کی بہت سی ایسی احادیث کو موضوع کہہ دیا ہے جو فی الواقع صحیح احادیث ہیں۔ یہ ان کی اپنی تحقیق ہے ان کے ہاں صحت کا معیار خاصا سخت ہے اور اہل علم نے ان کے اس رویے پر گرفت بھی کی ہے۔ لیکن زیر نظر موضوع میں مدعائے کلام بحیرہ راہب سے ملاقات کا واقعہ ہے نہ کہ واپسی کا سفر۔ اس لئے نہ یہ واقعہ خلاف حقیقت ہے اور نہ اس سے اسلام یا پیغمبر اسلام کی اہانت کا شائبہ ہوتا ہے۔

علامہ شبلی مرحوم نے نہ جانے کیوں ضعف حدیث کے ثبوت میں اتنے تکلف سے کام لیا ہے۔ اس تکلف کو ایک علمی رائے یا تحقیقی نقطہ نظر سمجھ کر درگزر بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ یہاں علمی اسلوب سے تھوڑا سا ہٹ گئے اور حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی کو اپنا فریق سمجھتے ہوئے بیک جنبش قلم "رواۃ پرست" کہہ کر ان کی حدیث

فہمی کی مسلمہ حیثیت کو چیلنج کر دیا۔ ہمارے نزدیک امام ابن حجر کی مستند علمی شخصیت اور خاص طور پر فن جرح و تعدیل میں ان کی لاثانی امتیازی حیثیت کے سامنے علامہ شبلی کی یہ تنقید کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اصحاب علم و تحقیق کے ہاں ایسا اسلوب قطعاً روا نہیں۔ ایک محقق کسی محدث یا امام کی رائے کو دوسرے پر ترجیح تو دے سکتا ہے' لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اتنے بڑے اور مسلم محدث کی تحقیق کو روندتے ہوئے اپنی رائے کو حرف آخر سمجھ لیا جائے۔

غیر مسلم مورخین کی وسوسہ اندازی کا جواب

بعض غیر مسلم مورخین نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کو توڑ مروڑ کر بہت بھونڈے انداز سے پیش کیا ہے اور دعوی کیا ہے کہ اس کی جزئیات بڑی مضحکہ خیز ہیں دراصل انہیں بادلوں کا سایہ کرنا درختوں کا شاخیں سمیٹنا مضحکہ خیز لگتا ہے حالانکہ یہ معجزات' اعزازات اور کرامات ہیں جو اولیاء و انبیاء کو عطا ہوتے ہیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں کلام کیا اندھوں کو بینائی عطا کی بیماروں کو شفا بخشی مردوں کو زندہ کیا مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑ گیا یہ سب معجزات ہیں آج تک عیسائی اور یورپی محققین نے ان کو مضحکہ خیز نہیں کہا پھر اس واقعہ میں پیش آنے والے واقعات پتہ نہیں ان کے نزدیک کس طرح مضحکہ خیز ہو گئے۔

سر ولیم میور (William Muir) نے "The Life Of Muhammad" میں اس واقعہ پر جس انداز سے تنقید کی ہے اس سے متعصب مورخ کے چہرے پر پڑے ہوئے دعوائے حقیقت پسندی کے تمام نقاب الٹ گئے ہیں اور اس کے تعصب و عناد کے مکروہ چہرے کو اصلی خدوخال کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے۔ ممکن ہے تاریخ کے دیگر ادوار و حصص کے حوالے سے ان کا اپنے بارے میں دعوی صداقت پر مبنی ہو۔ مگر "شان محمدی ﷺ" کے باب میں ان کا رویہ یکسر مختلف ہے اور ان کے محمود و ایاز سب ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں۔ جس واقعہ سے حضور ﷺ کی بے مثل شان اور نبوت و رسالت کی صداقت آشکارا ہوتی ہے وہاں نمک مرچ لگا کر یا تو

جزئیات کا حلیہ بگاڑ دیتے ہیں یا تعصب و عناد کے نشتر سے اسے بالکل مسخ کر دیتے ہیں یا بیک جنبش قلم اس کا انکار کر دیتے ہیں حالانکہ یہ ایمان افروز واقعہ صحیح سند سے ثابت ہے اور اپنی جزئیات سمیت معجزہ ہونے کا مظہر ہے اس کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے مضحکہ خیز قرار دیا جا سکے مگر افسوس! وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے تو قائل ہیں لیکن جس معجزہ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمت و جلالت نمایاں ہوتی ہو اس سے انہیں انکار ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

دیگر مستشرقین نے بھی اسلامی تعلیمات کو عیسائیت کا چربہ ظاہر کرنے کے لئے اس واقعہ کو ایک انوکھے آب و رنگ سے پیش کیا ہے جس سے ان کی غیر جانبداری کی ساری قلعی کھل جاتی ہے اور ایک راست فکر انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا تعصب میں انسان اتنا حد سے بھی گزر سکتا ہے کہ ایک بے حقیقت شے کو خواہ مخواہ حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کرے، رائی کا پربت بنا دے اور پھر اصرار کرے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی درست ہے۔

سر ولیم میور (William Muir) مارگیولوس (Margolioth) اور ڈریپر (Draper) وغیرہ کا کہنا ہے۔

محمد ﷺ جب بحیرا راہب سے ملے تو انہوں نے انقلاب اسلامی کے سارے اسرار و رموز ان سے سیکھے۔ فلسفہ ادیان و حکمت ربانی کی تعلیم ان سے حاصل کی اور پھر اپنے دین کی بنیاد انہی تعلیمات پر رکھی۔ اس لئے انہوں نے "اسلامی تعلیمات" کی صورت میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ بحیرا راہب کی تعلیمات کا نچوڑ اور عیسائیت کا چربہ ہے۔

ان مہذب دانشوروں کے اس دعویٰ پر عقل حیران ہے کہ ایسی بات کہتے ہوئے وہ اپنی دانش کو کہاں چھوڑ آئے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے بحیرا کے پاس چند لمحے قیام کیا اس نے علامات نبوت دیکھیں تو نصیحت کی کہ انہیں واپس لے جاؤ۔ اتنے عرصہ

میں وہ کون سی سربستہ تعلیمات تھیں جو بحیرا نے القاء کیں اور حضور ﷺ نے وصول کیں۔

تمام مستشرقین اس حقیقت سے تو یقیناً آگاہ ہوں گے کہ ۱۲ سال کا بچہ اتنے تھوڑے قیام میں قیامت تک کے لئے ہمہ گیر دین کی بنیادیں ایک راہب سے فراہم نہیں کرسکتا مگر اس پر عظمت واقعہ سے نبی اکرم ﷺ کی فضیلت اور عشق وادب کا جو نقش قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا تھا اس کو شکوک و شبہات کا شکار کرنے کے لئے ان کے نزدیک یہ سارا نامعقول ڈھونگ رچانا ضروری تھا۔ مستشرقین سے عام قاری نے تو جو متاثر ہونا تھا سو ہونا تھا لیکن ستم ظریفی کی انتہا اس بات پر ہو جاتی ہے کہ علامہ شبلی جیسے نامور محقق نے تواتر کی حد تک مشہور اس واقعہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ قارئین جہاں سے اس گھناؤنے منصوبے کی سنگینی کا اندازہ کرسکتے ہیں جو فکری میدان میں اسلامی تحقیق کے نام سے متعصب یہودیوں اور عیسائی مستشرقین کے سپرد کیا گیا۔ اس پس منظر میں ہم اپنی کتاب مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ کا ایک اقتباس اس جگہ درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ سامراجی طاقتوں کی سازش سے شعوری آگہی کا سبق تازہ ہو سکے۔

"دور حاضر کے سیرت نگاروں میں سے بعض نے سیرت نبوی ﷺ کے اکثر معجزانہ پہلوؤں کا یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ یہ روایات درجہ دوم کی کتب حدیث اور کتب سیرت و فضائل میں آئی ہیں بخاری و مسلم جیسے ائمہ حدیث نے ان کی تخریج نہیں کی۔ لہٰذا یہ روایات صحت و ثقاہت کے بلند معیار پر پوری نہیں اترتیں قطع نظر اس کے کہ ان روایات کی تخریج، تصحیح اور تحسین کرنے والے ائمہ حدیث کا فن حدیث میں خود کتنا بلند مقام ہے۔ خود اصول حدیث اور فن رجال کے علماء نے احادیث احکام اور احادیث فضائل کے ردو قبول کے لئے کیا فنی پیمانے اور اصول وضع کئے ہیں اور کس درجہ کے محدثین نے اپنی کتب میں ان روایات پر اعتماد کیا ہے۔ اس تنقیدی نقطہ نگاہ کا فکری پس منظر یہ ہے۔ فضائل نبوت ﷺ اور معجزات محمدی ﷺ پر جرح و طعن اور رد و انکار کا مسئلہ صرف روایات کے قبول اور عدم قبول کا مسئلہ نہیں بلکہ زاویہ نگاہ کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ فنی نہیں فکری ہے اور تحقیقاتی نہیں نظریاتی ہے۔"

بحیرہ راہب سے ملاقات کے عظمت و جلالت مصطفوی ﷺ سے بھرپور واقعہ کا انکار اگر محض فنی و تحقیقاتی ہوتا تو ولیم میور (William Muir) سے لے کر علامہ شبلی نعمانی تک کوئی بھی اس کا انکار نہ کر سکتا کیونکہ اس واقعہ پر فنی و تحقیقاتی بحث جو سابقہ صفحات پر گزر چکی ہے وہ ناقابل انکار ثقاہت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس امر کے پیش نظر یہ بات باور کرنے میں کوئی شک نہیں رہتا کہ مستشرقین نے اپنی قند آمیز تحقیقات میں فکری زہر ہلاہل دینے کا کام مسلسل کیا اور بدقسمتی سے بعض مسلم مفکرین کے ہاتھوں بھی نادانستہ یہی کام سرانجام پانے لگا۔ واضح رہے کہ یہ کوشش ایمان کے خلاف ایک خطرناک سازش ہے جس کے ذریعے امت مسلمہ کا رشتہ محبت و غلامی دینی لٹریچر اور تعلیمات اسلامی کے ذریعے اپنے محبوب و مکرم نبی ﷺ سے کمزور کرنے اور بالآخر کاٹنے کا مقصد پورا کیا جا رہا ہے۔ یہ سازش بنیادی طور پر مغربی سامراج نے مسلمانوں کے اندر اعتقادی فتنے اور دینی تفرق پیدا کرنے کے لئے تیار کی تھی اور یہی سامراجی طاقتوں کا ہدف تھا جس کا شکار لاشعوری طور پر کئی مسلمان علماء و مفکرین ہو گئے ہیں۔ سو یہ وہی دینی فکر ہے جس کا خمیر سرزمین حجاز میں نہیں۔ سرزمین مغرب میں تیار ہوا تھا۔

یہ واقعہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم بحث کر آئے ہیں اس سے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان نبوت اور صداقت رسالت غیروں کی زبان سے آشکارا ہوتی ہے تو کسی حاسد و منکر کے کہنے پر ہم اس کا انکار کیوں کریں؟ کیوں نہ اس سے اپنے ایمان کی تابندگی اور روح کی تازگی کا سامان کریں!

O

باب ۔۴

باقاعدہ عملی زندگی کا آغاز اور کسب معاش

حضور ﷺ نے ایک محنتی خوددار اور جفاکش انسان کی طرح حیات مبارکہ کے آغاز میں ہی اپنے کفیل چچا حضرت ابو طالب کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ ان کی مالی حالت ویسے بھی زیادہ اچھی نہیں تھی اس لئے حضور ﷺ نے بوجھ بننے کی بجائے ان کی بھرپور مدد فرمائی۔ ایک تو آپ ﷺ نے بکریاں چرانے کا شغل اپنایا جس کا آغاز بچپن میں سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے ہو چکا تھا۔

دوسرا ذریعہ جو اس وقت اہل مکہ میں مروج تھا اور بیشتر لوگوں کی معیشت اس سے وابستہ تھی، وہ پیشہ تجارت تھا۔ اہل قریش ہر سال موسم کی مناسبت سے یمن یا شام کی منڈیوں میں جاتے اور وہاں سے اشیائے ضرورت خرید کر لاتے۔ قرآن سورہ قریش میں اہل مکہ کے اسی ذریعہ معاش کا ذکر بطور احسان و انعام کرتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے آغاز شباب میں ہی اپنے چچا کے ہمراہ تجارتی قافلوں کے ساتھ جانا شروع کر دیا۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ یہاں ہم حضور ﷺ کے پہلے ذریعہ معاش یعنی گلہ بانی کو مختصراً زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔

حضور ﷺ گلہ بانی کے منصب پر

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا تاکہ کتاب الٰہی کی تعلیم بھی دیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو پسندیدہ افعال ہیں وہ بندوں کو کر کے بھی دکھا دیں تاکہ وہ سند بن جائے اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان افعال میں عزت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں۔

چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے گھر کے کام کاج کئے نعلین پاک سیئے،

کپڑوں کو پیوند لگائے' جھاڑو دیا تاکہ کوئی کام کرتے ہوئے بھی امتی کو عار محسوس نہ ہو۔ وہ تصور کرلے کہ میرے نبی ﷺ نے یہ کام کیا ہے اور یہ ان کی سنت ہے پھر یہ باعث ننگ و عار کیسے ہو سکتا ہے؟

انہی کاموں میں سے گلہ بانی بھی ہے جسے آپ نے بچپن سے لے کر جوانی کی عمر تک وقتاً فوقتاً جاری رکھا اور سنت قائم کردی کہ محنت سے روزی کمانا عزت ہے اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے بڑی بے تکلفی سے اس کا اعتراف و اظہار بھی فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمر الظهران نجنى الكباث فقال عليكم بالاسود منه فانه ايطب فقيل اكنت ترعى الغنم؟ قال نعم وهل من نبى الا رعا بها

(صحیح البخاری، کتاب الاجارات، باب الکباث ۲ : ۸۲۰)

"ہم مقام مر الظہران حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے ہم نے پیلو کے پھل چننے شروع کردیئے آپ نے فرمایا کالے کالے چنو! یہ پکے ہوئے ہوتے ہیں یہ تجربے کی بات سن کر ہم لوگ دنگ رہ گئے اور پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔"

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما بعث الله نبيا الا رعى الغنم فقال اصحابه: وانت فقال نعم كنت ارعاها على قراريط اهل مكة (صحیح البخاری ۱ : ۳۰۱)

اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی: اور آپ نے؟ فرمایا: ہاں قراریط پر اہل مکہ کی بکریاں ہم بھی چرایا کرتے تھے۔

لفظ قراریط سے مراد؟

قراریط کیا چیز ہے؟ اس کے بارے میں محدثین کرام کی دو آرا ہیں۔

(۱) ایک گروہ کا خیال ہے یہ لفظ "قراط" کی جمع ہے اور یہ دینار کے بیسویں حصے کو کہتے ہیں اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ آپ اجرت لے کر بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اگر یہ بات درست ہو تو بھی منصب نبوت کے منافی نہیں محنت کر کے اجرت لینا خود داری کی نشانی ہے اس میں شان کو بٹہ لگانے والی کوئی معیوب بات نہیں اسے مقام نبوت کے منافی سمجھنا نادانی ہے۔

قرآن پاک میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب شعیب علیہ السلام کے ہاں ملازمت اختیار فرمائی تھی اور اجرت یہ ٹھہری تھی کہ وہ کھانا دیں گے اور آٹھ یا دس سال بعد آپ کی شادی کر دیں گے۔

قَالَ اِنِّی اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ.

(القصص . ۲۸ : ۲۷)

شعیب علیہ السلام نے کہا: میں چاہتا ہوں اپنی ایک بیٹی کی شادی آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں اگر دس سال پورے کر دیں تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔

حضرت عقبہ بن منذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ان موسی اجر نفسه ثمانی سنین او عشرا علی عفة فرجه وطعام بطنه

(سنن ابن ماجه : ۱۷۸)

"بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بذات خود ملازمت اختیار کر لی تھی اس شرط پر کہ مدت گذرنے کے بعد ان کی شادی ہو جائے گی اور کھانا پینا چلتا

رہے گا۔

قرآن و حدیث کے ان واضح ارشادات سے مترشح ہوتا ہے کہ محنت و مزدوری معیوب نہیں اور نہ ہی اس سے منصب نبوت پر کوئی حرف آتا ہے۔

(۲) دوسرے گروہ کا خیال ہے "قراریط" سے دینار کا بیسواں حصہ مراد لینا غلط ہے' کیونکہ عرب کی سرزمین پر اس نام کا کوئی سکہ رائج نہیں تھا البتہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں ایک غیر معروف جگہ کا نام "قراریط" ضرور ہے اور یہاں وہی مراد ہے۔ یہ جگہ موضع اجیاد کے قریب ہی تھی چنانچہ نبی اکرم ﷺ کبھی قراریط میں' اور کبھی اجیاد میں' بکریاں چرایا کرتے تھے حدیث پاک میں اجیاد کا ذکر صراحتاً موجود ہے۔

ابو اسحاق کہتے ہیں ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

بعث موسی علیہ السلام وھو راعی غنم وبعث داؤد علیہ السلام وھو راعی غنم وبعثت وانا ارعی غنم اھلی باجیاد

(الطبقات الکبری ، ۱ : ۱۲۶)

موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے اور ہم مبعوث ہوئے اور ہم بھی مقام اجیاد میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اس حدیث پاک میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(۱) ایک تو اجیاد کا ذکر ہے جو قراریط کے قریب ہی تھا اور حضور ﷺ ان دونوں جگہوں پر بکریاں چرایا کرتے تھے۔ علامہ بدر الدین عینی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے ان کے ہاں اس موقف کی علمی دلیل یہ ہے۔

ان کلمة علی في اصل وضعها للاستعلاء والاستعلاء حقيقة لايكون الا علی القراريط الذي هو اسم موضع وعلی القراريط من النقد يكون بطريق المجاز فلايصار الی المجاز الا عند تعذر الحقيقة ولا تعذر هنا

(عمدة القاری ، ۱۲ : ۸۰)

حدیث پاک میں لفظ "علیٰ قراریط" آیا ہے اور لفظ علیٰ اصل وضع کے اعتبار سے استعلاء کے لئے آتا ہے اور استعلاء کا معنی بصورت حقیقت اسی وقت متعین ہو سکتا ہے جب اس سے جگہ مراد لیں اور اگر اس سے "سکہ" مراد لیں تو یہ مجازی معنی بن جاتا ہے اور مجازی معنی اس وقت مراد لیتے ہیں جب حقیقت متعذر ہو اور یہاں کوئی تعذر نہیں ہے۔

(۲) دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

ہم گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور جو شخص اپنے گھر کا کام کاج کرے اور اپنے بزرگوں کا ہاتھ بٹائے وہ کوئی اجرت نہیں لیتا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب حضور نبی اکرم ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہاں قیام فرماتے اور آپ نے ان کی مالی کمزوری کے پیش نظر یہ کام اپنے ذمہ لے لیا تھا تاکہ چچا کا معاشی بوجھ ہلکا ہو اس میں عیب یا عار والی کوئی بات نہیں۔

مگر کیا کیجئے اس بدبخت تعصب و عناد کا جو خاصے دانش و بینش والے آدمی کو بھی اعتدال کی پٹڑی سے اتار دیتا ہے اور وہ جان بوجھ کر حقائق مسخ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

فرانس کے ایک مورخ کے ساتھ یہی حادثہ پیش آیا ہے وہ بڑی ڈھٹائی سے آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ابو طالب "محمد" کو قابل عزت نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کو چرانے کے لئے بکریاں دے دی تھیں۔"

اس بیچارے کو اتنا بھی احساس نہیں کہ جس دور کی یہ بات ہے اس وقت حضور ﷺ جوانی کی عمر میں قدم رکھ چکے تھے اور اس وقت اولاد کو اپنے کمزور والدین کی امداد و اعانت کا احساس ہوتا ہے اور وہ ان کا بوجھ ہلکا کرنے اور ہاتھ بٹانے کے لئے میدان میں آجاتی ہے اس عمر میں انہیں ذلیل سمجھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ انسان خود ان کی توجہ، دستگیری اور مدد کا محتاج ہوتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بکریاں چرانے میں کارفرما حکمت

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے آخر قدرت نے نبوت جیسے منصب رفیع کے لئے بکریاں چرانے کے عمل کو کیوں منتخب فرمایا؟ محنت و مشقت کا کوئی اور کام بھی سونپا جا سکتا تھا۔ اس کام میں کیا حکمت تھی کہ برگزیدہ اور صاحب وقت کے ہاتھ میں چھڑی تھما دی کہ بکریوں کو ہانکتا رہے۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے جس کی اکثر علماء و عرفاء نے نشاندہی کی ہے۔

بکریوں کی ایک خاص عادت ہے وہ مجتمع رہ کر چرنا پسند نہیں کرتیں اطراف وجوانب میں پھیل جاتی اور دور دور نکل جاتی ہیں نگہبان کے لئے انہیں یکجا رکھنا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی ایک کے پیچھے بھاگتا ہے اور کبھی دوسری کے پیچھے۔ اتنے میں تیسری کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے۔ وہ اسے گھیر کر لاتا ہے تو چوتھی بھاگ جاتی ہے۔ غرض چرواہے کو ہر وقت ان کے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے اور کڑی نظر رکھنا پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ اس بھولی مخلوق کی حفاظت کا سلسلہ بھی اس کے پیش نظر ہوتا ہے، کوئی بکری نہیں جانتی کہ ریوڑ سے بچھڑنے کی صورت میں کوئی چور اسے اٹھا کر لے جا سکتا ہے، کوئی بھیڑیا چیر پھاڑ سکتا ہے۔

یہ ساری فکر چرواہے کو ہوتی ہے وہ چوکس رہتا ہے کہ کسی طرف سے دشمن نہ نکل آئے۔ وہ ہر آفت اور موذی دشمن سے انہیں بچا کر رکھنا چاہتا ہے۔

چونکہ یہ ایک جان جوکھم کام ہے۔ اس قسم کی مسلسل تگ ودو اور دوڑ دھوپ سے چرواہے میں صبر واستقامت اور تحمل و بردباری اور محبت و شفقت کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ان بھولی بکریوں پر ناراض ہونے کی بجائے ان کی حفاظت کا عادی ہو جاتا ہے اسی لئے نبی علیہ السلام کو سب سے پہلے یہ کام سونپا جاتا ہے تاکہ وہ انسانوں کی مختلف طبائع سے پریشان ہونے کے بجائے صبر و تحمل سے ان کی ہر زیادتی سہنے کا عادی ہو جائے اور انہیں رشد وہدایت سے بدکتا دیکھ کر ناراض ہونے کی بجائے انہیں پیار ومحبت سے سمجھائے نفس وشیطان کے مکر سے بچائے اور صراط مستقیم کی طرف لائے

اور ہر کام حکمت عملی اور تدبر سے کرے۔ ان سے رنجیدہ ہو کر انہیں دھتکار نہ دے بلکہ دامن کرم بچھائے رکھے تاکہ وہ جب چاہیں اس کے خنک سائے تلے آجائیں۔

منصب نبوت کی عظمت و رفعت کے پیش نظر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو گلہ بانی کا کام سونپا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ امت کو بتا دیں انسان خواہ کتنا بڑا ہو اسے متواضع ہی رہنا چاہئے اسی میں اس کی بڑائی اور شان ہے۔

(فتح الباری لابن حجر عسقلانی، ۴۔ ۴۴۱)

محنت کی عظمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ

رزق حلال کے لئے تگ و دو اور اہل و عیال کی بہتر پرورش کے لئے محنت و مشقت عبادت ہے۔ ایک مزدور اور محنت کش جتنی محنت کرتا ہے وہ محنت کی اجرت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب حاصل کر لیتا ہے اور عنایات و انصاف کا مورد ٹھہرتا ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من امسی کالا من عمل یدیه امسی مغفورا له (طبرانی)	جو شخص محنت مزدوری کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(۲) حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

ما اکل احد منکم طعاما احب الی اللہ عز وجل من عمل یدیه (مسند احمد بن حنبل، ٤ : ١٣١)	کسی شخص نے کوئی ایسا کھانا نہیں کھایا جو اس کی ہاتھوں کی محنت سے زیادہ خیر و برکت والا ہو۔

(۳) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قیل یارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور (مسند احمد بن حنبل، ٤ : ١٤١)	آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے اچھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ آدمی اپنے ہاتھ

سے کام کرے اور دھوکہ فریب سے
پاک بیع کرے۔

گویا جان مار کر محنت کرنا اور مزدوری کے دوران تھک کر چور ہو جانا کوئی عیب یا باعث شرم بات نہیں کہ انسان منہ چھپاتا پھرے اور احساس کمتری کا شکار ہو جائے بلکہ یہ ایک فخر کی بات ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا مقبول بن جاتا ہے اور اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں گویا اس کی جسمانی خستگی اور ذہنی تھکاوٹ اس کے لئے نوید مغفرت اور پروانہ مقبولیت بن جاتی ہے اور وہ کارکنان قضاء و قدر کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے۔

محنت دلیل عظمت اور قومی افتخار کا نشان ہے۔ یہ عادت نوجوانوں کی جانفشانی مہم جوئی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری پر دلالت کرتی ہے اور اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا حصہ ہے جو قابل فخر بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔ جس پر اسلام نے بطور خاص زور دیا ہے اور محنت مزدوی کرنے والوں کو عزیز جہاں ہونے کے ساتھ اللہ کا حبیب ہونے کا مژدہ جانفزا بھی سنایا ہے۔

محنت و مزدوری کے دائرے میں چھوٹے سے چھوٹے کام سے لے کر بڑے سے بڑا کام آ جاتا ہے اور جو شخص جو کام بھی کرتا ہے وہ اپنی جگہ بڑا اہم ہوتا ہے خواہ وہ کتنا چھوٹا ہو۔ کوئی بھی اس کام کی وجہ سے چھوٹا نہیں ہوتا۔ اس سنہری اصول کی روشنی میں چھوٹے پیشہ ور لوگ، محنت کش، مزدور، مزارع، ملازم سب قابل عزت ٹھہرتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ اہم ہیں ان کا وہ کام بھی اہم ہے جس کے ذریعے وہ روزی کماتے اور اہل و عیال کو پالتے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ عزت و وقار کے معیار بدل گئے ہیں ان چھوٹے پیشہ ور ہنر مندوں اور کاریگروں کو اپنی محنت و مشقت سے اتنی محدود آمدن حاصل ہوتی ہے جس سے وہ زندگی کی آسائشیں حاصل نہیں کر سکتے بمشکل اپنی ضروریات ہی پوری کرتے ہیں اس لئے معاشرے میں نمایاں نہیں ہوتے اس وجہ سے بعض نفسیاتی طور پر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے پیشوں کو چھوٹا تصور کر کے ان سے آنکھیں چراتے ہیں۔
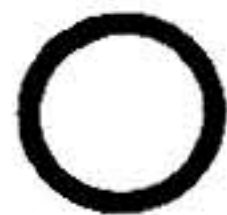
باب۔ ۵

شہر مکہ کی معزز شخصیت اور سرگرم سماجی کارکن

محبوب خدا علیہ الصلوۃ والسلام معصوم بچپن اور بے مثال لڑکپن سے گزر کر اب قابل رشک عہد شباب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اللہ تعالٰی کی براہ راست نگرانی میں شاہراہ حیات پر آگے بڑھنے والے یہ جوان رعنا' ظاہری حسن اور زیب قامت کے ساتھ ساتھ اجتماعی' قومی اور ملی شعور میں پختگی کے لحاظ سے بھی دوسروں کی نسبت ممتاز تھے۔ آپ ﷺ ایک طرف چچا کے ساتھ گھریلو امور کی انجام دہی' محنت و مشقت اور خاندانی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہو رہے تھے تو دوسری طرف مکہ جیسے بین الاقوامی شہر کے معزز خاندان کے چشم و چراغ کی حیثیت سے بھی پہچانے جانے لگے تھے۔ لیکن اس شہرت و نیک نامی اور عزت و توقیر نے آپ ﷺ کی ابھرتی ہوئی شخصیت کو کبر و نخوت یا خاندانی تفاخر میں ہرگز مبتلا نہیں ہونے دیا بلکہ آپ قدم قدم پر پیکر رحمت و شفقت بن کر اہل مکہ کے نادار اور بے سہارا لوگوں کے مسائل حل فرماتے رہے۔

بلاشبہ آپ ﷺ آغاز شباب میں ہی شہر مکہ کی معزز شخصیت بن گئے تھے۔ اس لئے دفاعی معاملات ہوں یا معاشرتی و خاندانی' اہل مکہ آپ ﷺ سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس مبارک عہد کے متعلق کتب تاریخ و سیر نے جو واقعات درج کئے ہیں ان میں تین واقعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حرب فجار میں شرکت'

۲۔ حلف الفضول میں شرکت اور

۳۔ کعبہ معظمہ کی تعمیر نو میں آپ کی حکمت و بصیرت۔

ذیل میں ان تینوں واقعات پر بالترتیب روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔ حرب فجار میں جزوی شرکت

اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کے گردوپیش علاقوں کو خاص حدود تک حرم کا درجہ دیا ہے کسی فرد کے لئے جائز نہیں کہ وہاں خونریزی لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ کرے وہ "دار الامن" ہے جو اس میں آ جاتا ہے خواہ کتنا بڑا قانونی مجرم ہو وہ محفوظ و مامون ہو جاتا ہے اور اس پر ہاتھ ڈالنا حکم خداوندی کے حوالے سے جائز نہیں رہتا تاآنکہ وہ ان حدود سے باہر نکل جائے۔

ان حدود کے اندر جنہیں حرم قرار دیا گیا ہے درخت کاٹنا اور کانٹا توڑنا بھی ممنوع ہے گری پڑی اور گم شدہ چیز اٹھانے کی بھی اجازت نہیں۔ البتہ تشہیر کرنے کے لئے اس کا اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ اصل مالک تک پہنچ جائے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے اسے "حرم امن" کہا گیا ہے قرآن پاک میں ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا — کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ایک امن دینے والا حرم بنایا ہے۔ (العنکبوت، ۲۹ : ۶۷)

قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا — اور ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کا گہوارہ بنایا ہے۔ (البقرۃ، ۲ : ۱۲۵)

ان واضح احکام کی رو سے حدود حرم میں لڑنا' جدال و قتال کرنا اور کسی کے درپے آزار ہونا فجور وگناہ ہے جو شخص یا گروہ ان احکام کی پاسداری نہیں کرتا اور احترام حرم کو پامال کرتا ہے وہ فجور کا ارتکاب کرتا ہے اور قانون خداوندی کا باغی ٹھہرتا ہے۔

عرب کی سرزمین پر چار جنگیں ایسی ہوئیں جو حدود حرم میں لڑی گئیں اسی لئے انہیں "حروب فجور" کہا جاتا ہے چوتھی جنگ اس وقت لڑی گئی جب حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ایک روایت کے مطابق چودہ سال اور دوسری روایت کے مطابق

بیس سال تھی۔

ہر جنگ میں بات کچھ بھی نہیں ہوتی تھی لیکن جاہلی نخوت اسے "انا" کا مسئلہ بنا لیتی تھی پھر بات بڑھ جاتی اور کوئی فریق بھی ہار ماننے اور غلطی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ یہ جنگ بھی معمولی سی بات پر برپا ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے قبائل کے درمیان آگ کی طرح پھیل گئی ایک طرف بنو کنانہ ان کے قبائل قریش اور بنو ہاشم وغیرہ تھے اور دوسری طرف بنو ہوازن قیس بن عیلان اور ان کے قبائل تھے۔

اس جنگ میں "قریش" حق پر تھے کیونکہ قیس کے قبائل ان پر حملہ آور ہوئے تھے قریش جنگ سے بچنا چاہتے تھے اس لئے وہ حرم شریف میں چلے گئے اس خیال سے کہ "بنو قیس" حرم کا لحاظ رکھیں گے اور ان حدود میں جنگ و جدل سے باز رہیں گے مگر طاقت کے نشے میں چور بنو قیس نے تمام حدود و قیود کو بالائے طاق رکھ دیا اور حدود حرم میں بھی جنگ شروع کر دی۔ قریش کے نوجوانوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کر ڈالا دن بھر وحشت و درندگی کا یہ کھیل جاری رہا اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔

آخری روز زبیر بن عبد المطلب نے جنگی قیادت اپنے ہاتھ میں لی چونکہ یہ قبائلی افتخار کا معاملہ تھا اس لئے قبیلہ کے ہر فرد کو اس میں شامل ہونے کی ہدایت کی۔ حضور علیہ السلام اس میں پہلے دن ہی سے شریک نہیں ہو رہے تھے جسے بزرگ چچا نے محسوس کیا اور حکم دیا کہ انہیں بھی شریک کیا جائے چنانچہ چچاؤں کے کہنے پر آپ ﷺ اس میں شریک تو ہوئے مگر جنگ میں بالکل حصہ نہ لیا کیونکہ نبی صرف اللہ کے دین کے اعلاء و سربلندی کے لئے لڑتا ہے۔ قبائلی ناموس و نمود اور خاندانی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے نہیں۔ ایک روایت ہے۔

شهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعض ایامهم اخرجه اعمامه معهم وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کنت انبل علی اعمامی

السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ۱ : ۱۸۶)

حضور ﷺ صرف ایک دن کے لئے شریک ہوئے کیونکہ آپ کے چچاؤں نے مجبور کیا تھا حضور ﷺ نے فرمایا میں صرف اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر دیتا تھا۔

اس آخری روز ابتدا میں تو بنو قیس کا پلہ بھاری رہا مگر بعد میں جو قریش نے یکبارگی حملہ کیا تو دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے پھر انہوں نے بھی ان کے جوانوں کو چن چن کر قتل کیا۔

دونوں طرف اتنا جانی نقصان ہوا کہ سب کے اوسان خطا ہو گئے جو لوگ عمر رسیدہ' تجربہ کار اور ذی شعور تھے وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخران جنگوں کا نتیجہ کیا ہے؟ ہم آئے روز کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر میدان میں آجاتے ہیں اور جوانوں کو کٹوا لیتے ہیں یہ کہاں کی دانشمندی ہے؟ اس سوچ نے وسعت اختیار کی اور دو چار مہینوں کے اندر اندر تحریک کی صورت اختیار کر گئی امن و امان کا قیام سب کی طلب بن گیا اور وہ ایک نئے سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگے جب ان کی یہ آرزو پوری ہو اور وہ سکھ کا سانس لے سکیں۔

۲۔ حلف الفضول میں شرکت

جنگوں میں ہونے والے نقصانات نے اہل عرب کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ ظلم و ستم کے انسداد اور امن و امان کے قیام کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ جنگ فجار شعبان میں ہوئی تھی چار ماہ بعد ذیقعد کے مہینے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے قبائلی سرداروں کو عملی اقدام پر مجبور کر دیا اور وہ بڑی سنجیدگی سے اس طرف متوجہ ہو گئے۔

ہوا یوں کہ قبیلہ "بنو زبید" مکہ سے دور صحراؤں میں آباد تھا اس کا ایک فرد سامان تجارت لے کر شہر مکہ میں آیا تھا تاکہ چار پیسے کما سکے عاص بن وائل کو اس کا سامان پسند آگیا لیکن ادائیگی کے سلسلے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔

زبیدی ایک غریب آدمی تھا وہ مختلف سرداروں کے پاس گیا کہ اس صریح ظلم و زیادتی اور جگا شاہی کے خلاف اس کی امداد کریں مگر کوئی سردار بھی عاص کے خلاف اس کی مدد کرنے کے لئے تیار نہ ہوا الٹا اسے ڈانٹا کہ زبان بند رکھے۔

زبیدی کے لئے جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو وہ کوہ ابو قبیس پر چڑھ گیا طلوع فجر کے وقت قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

اے فہر کے سپوتو!

میں ایک پردیسی اور غریب الدیار زبیدی ہوں میرا قبیلہ بہت دور ہے تمہارے شہر میں مال تجارت لے کر آیا تھا تاکہ کچھ منافع کما سکوں مگر تمہارے ایک ظالم سردار نے میرے بچوں کے منہ کا نوالہ چھین لیا ہے یہ کیسا ظلم اور اندھیر نگری ہے کہ میں نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا' میں حالت احرام میں ہوں اور مجھے حطیم اور حجر اسود کے درمیان اس ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔

اے شرفاء قوم! ایک اجنبی کی امداد کرو اور اس کی دعائیں لو بیشک تم سے اچھائی اور بہتر معاونت کی امید ہے۔

اس کی اس صدا کو حرم میں موجود سارے سرداروں نے سنا لیکن زبیر بن عبد المطلب کچھ زیادہ متاثر ہوئے۔ صورت حال سے آگاہ ہو کر انہوں نے تمام سرداروں سے کہا۔ **الھذا متروک** اس مظلوم کی دادرسی کیا چھوڑی جا سکتی ہے؟ مراد یہ کہ اس واقعہ پر خاموش ہو کر بیٹھ جانا اور درگزر کر جانا ہم برداشت نہیں کریں گے لہٰذا انہوں نے سب سے کہا کہ وہ ابن جدعان کے گھر میں جمع ہوں تاکہ اس ظلم کے انسداد کے لئے کوئی لائحہ عمل وضع کیا جا سکے۔

ابن جدعان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا اور طبعاً شریف النفس' صلح پسند اور انتہائی فیاض شخص تھا اس لئے اہل مکہ اس کا احترام کرتے تھے چنانچہ زبیرؓ بنی ہاشم' بنی زہرہ' بنی تمیم جمع ہوئے۔ ابن جدعان نے دل کھول کر مہمان قبائل کی ضیافت کی' سب نے مل کر یہ عہد کیا کہ

(۱) ظالم کے خلاف مظلوم کی بھرپور حمایت و امداد کی جائے گی۔
(۲) کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ کسی کا حق مارے۔
(۳) ہر مسافر کے جان و مال کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو تمام سردار زبیدی کے ہمراہ عاص کے پاس پہنچے اور اسے تمام حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ شرافت سے اس غریب مسافر کا سامان یا اس کی

قیمت دے دو وگرنہ تمام قبائل تمہارے خلاف کاروائی کریں گے۔

پوری عرب قوت کو اپنے سامنے صف آرا دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، چپکے سے اندر گیا اور سامان لا کر زبیدی کے حوالے کر دیا۔

اس مثالی معاہدہ میں سید دو عالم ﷺ خود بھی شریک تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک (اکثر روایات کے مطابق) ۲۰ سال تھی۔ آپ ﷺ نے اس معاہدے کو بعثت کے بعد بھی یاد رکھا اور اسکی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

ما أحب ان لي بحلف حضرته في دار ابن جدعان حمر النعم
(السيرة الحلبية ، ۱ : ۲۱۳)
(الوفا باحوال المصطفیٰ : ۱۳۸)

ابن جدعان کی حویلی میں جو معاہدہ طے پایا اس میں حاضری کے بدلے اگر مجھے سرخ اونٹ بھی مل جاتے تو میں پسند نہ کرتا۔

چونکہ یہ معاہدہ مظلوموں کی دستگیری اور عدل وانصاف کے قیام کے لئے طے پایا تھا اس لئے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

لو دعی به في الاسلام لاجبت
(البداية والنهاية ۲ : ۲۹۳)

اگر آج بھی ہمیں اس کے نام پر پکارا جائے تو ہم اس کی پکار کا جواب دیں گے۔

الروض الانف میں اس قول مبارک کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے۔

يريد لو قال قائل من المظلومين يا للحلف الفضول لاجبت وذلك ان الاسلام انما جاء باقامة الحق ونصرة المظلومين فلم يزد به هذا الحلف الا قوة
(الروض الانف : ۹۴)

مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم پکارے کہ اے حلف الفضول کی بنیاد رکھنے والے انسانیت کے رکھوالو! میری مدد کرو تو ہم اس مظلوم کی آج بھی امداد کریں گے۔ اسلام حق کے قیام اور مظلوموں کی امداد ہی کے لئے آیا ہے، اس لئے یہ معاہدہ قوی اور مضبوط ہوا ہے، کمزور نہیں ہوا۔

اسی قسم کی ایک تنظیم، قبیلہ "جرہم" کے حساس اور انسانیت دوست افراد نے سب سے پہلے قائم کی تھی، چونکہ اس کے بانی **الفضل بن فضالہ**، اور **الفضل بن وداعہ** اور **الفضل بن الحارث** تھے، ایک روایت میں **الفضل بن بضاعہ**، **الفضل بن قضاعہ** کے نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا نام فضل تھا، اور فضل کی جمع "فضول" آتی ہے، اس لئے اس تنظیم کا نام "حلف الفضول" رکھا گیا تھا۔

اب جو تنظیم قائم کی گئی چونکہ اس کے بھی وہی مقاصد تھے، اس لئے اسے بھی حلف الفضول ہی کا نام دیا گیا۔

اس تاریخی معاہدے کی اہمیت میں ایک اور سبب بھی کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ چونکہ اہل مکہ میں ہمیشہ ایک فعال صالح، اور بے مثال نوجوان کی حیثیت سے معروف تھے اور ہر تعمیری سرگرمی میں شریک ہوتے، لیکن خاص طور پر ایسے معاہدے یا اقدام جو بے آسرا، غریب اور مظلوم لوگوں کی حمایت کے ضمن میں آتے ان کی تنفیذ اور مداومت کے لئے زیادہ متحرک رہتے۔ بعض کتب سیر میں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے اہل مکہ کے چند انسان دوست نوجوانوں پر مشتمل ایک جماعت بھی بنا رکھی تھی جس کا منشور تھا کہ وہ مظلوم کی حمایت اور ظالم کی سرکوبی کرے گی۔ چنانچہ حلف الفضول بھی ایسے ہی اقدامات میں سے ایک تھا اور ایک اور واقعہ جس میں ایک زائر کی بیٹی اہل مکہ میں سے کسی نے اغوا کرلی تھی وہ شخص فریاد رسی کے لئے خانہ کعبہ کے پاس جاکر بلند آواز سے پکارنے لگا، اے حلف الفضول والو! میری داد رسی کرو چنانچہ یہ لوگ گئے اور اس کی بیٹی ظالم سے بزور بازو واپس کروائی۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ۲: ۲۹۲)

۳۔ کعبہ معظمہ کی تعمیر نو میں آپ ﷺ کی حکمت و بصیرت

کعبہ معظمہ زمین کا وہ اشرف اور مقدس ترین ٹکڑا ہے جسے زمین کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے قرآن پاک میں ہے۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ‏ اور اللہ پاک نے آسمان پیدا کرنے کے

(النازعات : ۷۹ : ۳۰)

بعد زمین کو بچھایا۔

زمین کو بچھانے کا عمل اسی جگہ سے شروع ہوا جہاں کعبہ معظمہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كان البيت قبل الارض بالفى سنة (وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ) قال من تحته مدت

(دلائل النبوة للبيهقي ، ٢ : ٤٤)

(الإنشقاق ، ٨٤ : ٣)

بیت اللہ شریف زمین سے دو ہزار سال پہلے موجود تھا۔ قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا جائے گا تو اس کی ابتدا بھی اسی خطہ ارض کے نیچے سے ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ خطہ زمین ابتدا ہی میں حج و زیارت کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا تاکہ تڑپتی ہوئی انسانیت کو ایک "حرم امن" ملے اور وہ اسے اپنے قبلے اور اجتماعی مرکز کے طور پر پہچانیں دور دور سے اس کے طواف اور حج کے لئے آئیں اور اس مرکز فیض سے فیوض و برکات پائیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

(الحج ، ٢٢ : ٢٧)

(اے ابراہیم) لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز مقامات سے آئیں گے۔

سورہ البقرہ میں اس کی اجتماعیت اور مرکزیت کا ذکر ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرة ، ٢ : ١٢٥)

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایک عظیم مرکز اور امن کا گہوارہ بنایا۔

اس شان و عظمت والے گھر کی تعمیر کس انفرادی شان سے ہوئی اس کا ذکر اس حدیث مبارک میں ہے جس کے راوی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

بعث الله جبريل الى آدم وحواء فقال لهما: ابنيا فى بناء فخط لهما جبريل فجعل آدم يحفر وحواء تنقل حتى اجابه الماء نودى من تحته حسبك يا آدم فلما بنياه اوحى الله تعالى اليه ان يطوف به وقيل له: انت اول الناس وهذا اول بيت ثم تناسخت القرون حتى حجه نوح ثم تناسخت القرون حتى رفع ابراهيم القواعد منه

(دلائل النبوة للبيهقي ۲ : ۴۵)

(البداية والنهاية ، ۲ : ۲۹۹)

اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی طرف جبریل امین علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا: میرے لئے ایک گھر بناؤ! چنانچہ جبریل امین علیہ السلام نے حد بندی کر دی اور آدم علیہ السلام نے مٹی کھودنا شروع کی حضرت حوا علیہا السلام وہ مٹی دوسری جگہ منتقل کرتی رہیں یہاں تک کہ وہ پانی کی سطح تک پہنچ گئے نیچے سے آواز آئی اے آدم! اب بس کرو اتنی گہرائی کافی ہے۔ جب انہوں نے تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اب اس کا طواف کرو! انہیں بتایا گیا: آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا گھر ہے۔ اس کے بعد صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا پھر صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیادوں کو اٹھایا۔

پھر گردش دوراں کے ساتھ جب یہ عمارت منہدم ہو گئی تو اسے "عمالقہ" نے تعمیر کیا جب صدیوں کے وقفہ کے بعد پھر منہدم ہوئی تو اسے "بنو جرھم" نے تعمیر کیا جب وقت گذرنے کے ساتھ پھر بوسیدہ ہوئی تو قریش نے از سرنو اس کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً ۳۵ سال تھی۔

وجہ یہ ہوئی کہ ایک عورت کی بے احتیاطی کے باعث وہاں آگ بھڑک اٹھی جس وجہ سے نئی تعمیر کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

اس کے علاوہ بالائی حصہ سے جب سیلاب کا پانی نشیب کی طرف آتا تو ہر بار عمارت کو کافی نقصان پہنچتا اب تو وہ عمارت صرف دیواروں پر کھڑی تھی 'دیواریں بھی کچھ زیادہ اونچی نہیں تھیں زیادہ سے زیادہ قد آدم کے برابر تھیں اور ان پر کوئی چھت بھی نہیں تھی۔ سو اکابرین قریش نے سوچا کہ نئی تعمیر پختہ بنیادوں پر ہونی چاہیے تاکہ وہ سیلاب سے متاثر نہ ہو اور اس پر چھت بھی ڈال دی جائے تاکہ جو تحائف وغیرہ آتے ہیں وہ اندر محفوظ رہیں۔

ان اسباب و حالات نے انہیں تعمیر نو کا احساس دلایا مگر مسئلہ یہ تھا کہ پہلی بوسیدہ عمارت کے ڈھانچے کو گرانے کی جزات کون کرے ہو سکتا ہے قدرت کو یہ مٹی کا حرم ہی پسند ہو اور مرمر کی سلوں کو پذیرائی نصیب نہ ہو۔

تمام سردار سر جوڑ کر بیٹھے ولید نے کہا ہماری نیت صحیح ہے ہم شکست و ریخت نہیں' تعمیر چاہتے ہیں اس لئے کوئی آفت نازل نہیں ہو گی یہ امکان تب ہو سکتا ہے جب ہماری نیتوں میں فتور ہو جب ہم اصلاح و تعمیر کے متمنی ہیں تو ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ ان ہی دنوں قدرتی طور پر تعمیر کعبہ کے اسباب بھی مہیا کئے گئے۔

کان البحر قد رمی بسفینة الی جدة لرجل من تجار الروم فتحطمت فاخذوا خشبها فاعدوه لتسقیفها

قال الاموی: کانت هذه السفینة لقیصر ملك الروم تحمل آلات البناء من الرخام والخشب والحدید سرحها قیصر مع باقوم الرومی إلى الکنیسة التی احرقها الفرس للحبشة فلما بلغت مرساها من جدة بعث الله علیها ریحا فحطمتها

(البدایة والنهایة ، ۲ : ۳۰۱)

روم کے ایک تاجر شخص کا جہاز سمندر نے ساحل جدہ پر لا پھینکا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا قریش نے کعبہ پر چھت ڈالنے کے لئے اس کے تختے حاصل کرلئے اموی کی روایت ہے یہ جہاز قیصر روم کا تھا اہل فارس نے حبشہ کا ایک گرجا

جلا دیا تھا اسی لئے اس نے "باقوم رومی" کی سرکردگی میں سنگ مرمر لکڑی' لوہا اور تعمیر کا دوسرا سامان بھیجا تھا مگر جب جہاز جدہ کے ساحل تک پہنچا تو قدرت خداوندی نے ایسی تند و تیز ہوا بھیجی جس نے اسے پاش پاش کر دیا۔"

جہاز ٹوٹ جانے کے بعد اب عمارتی سامان کی واپسی کی کوئی صورت ہی نہ تھی اس لئے باقوم نے وہ بخوشی فروخت کر دیا بلکہ خریداروں کے حسن سلوک سے متاثر اور مقصد عظیم سے آگاہ ہو کر کعبہ کی دیواریں تعمیر کرنے اور چھت ڈالنے کی حامی بھی بھرلی۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو وہ نازک لمحہ آگیا جس سے وہ سب خائف و ترساں تھے انہیں ڈر تھا اگر عذاب نازل ہو گیا تو کوئی نہیں بچے گا آخر حضور علیہ السلام کے والد گرامی رضی اللہ عنہ کے ماموں جناب ابو وھب نے جرات کی جو بڑے شریف و پاکباز آدمی تھے آگے بڑھے۔

فتناول من الكعبة حجرا فوثب من يده حتى رجع الى موضعه

(الروض الانف ، ۱ : ۱۳۰)

پس کعبہ کا ایک پتھر اکھاڑا وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ اپنی جگہ جا لگا۔

لوگوں کے رنگ اڑ گئے متوقع عذاب نے ان کے اوسان خطا کر دیئے اسی چیز کا انہیں خدشہ تھا جب اپنی آنکھوں سے انہوں نے یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئے اب ان کی خیر نہیں۔ ابو وھب بڑے حقیقت شناس اور دور اندیش انسان تھے وہ اپنی قوم سے مخاطب ہوئے۔

يامعشر قريش! لاتدخلوا في بنيانها من كسبكم الا طيبا لايدخل فيها مهر بغى ولابيع ربا ولامظلمة احد من الناس

(السيرة النبوة لابن هشام ، ۱ : ۱۳۰)

"اے گروہ قریش! وعدہ کرو کہ کعبہ کی تعمیر پر تم بالکل پاکیزہ حلال اور صاف ستھری کمائی ہی خرچ کرو گے کوئی شخص سود' غصب' غارت گری اور بدکاری کا ایک پیسہ بھی اس پر نہیں لگائے گا۔"

تمام قبائل نے وعدہ کیا اور کعبہ معظمہ کے ایک ایک حصے کی تعمیر اپنے اپنے ذمے لے لی قرعہ اندازی کے ذریعہ مشرقی دیوار جس میں کعبۃ اللہ کا دروازہ شریف نصب ہے' بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے حصے میں آئی۔ جنوبی دیوار حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک بنو مخزوم اور چند دوسرے قبائل کے حصے میں آئی۔ شمالی دیوار یعنی حطیم کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا حصہ بنو اسد اور بنو عبد الدار کے حصے میں آیا۔ اور مغربی دیوار کی تعمیر بنو سہم' بنو جمح اور بنو عدی کے لئے مختص کی گئی۔

اب ابو وھب نے پھر آگے بڑھ کر پتھر اٹھایا تو وہ اکھڑ گیا جب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو باقی قریش نے بھی جرات کی پھر تمام قبائل عمارت گرانے میں مصروف ہو گئے اور ساری عمارت گرادی۔

جب ابراہیمی بنیادوں تک پہنچے تو انہیں بڑے بڑے پتھر نظر آئے جیسے اونٹ کی کوہانیں ہوں وہ ایک دوسرے میں پھنسے ہوئے تھے ایک نوجوان نے انہیں بھی اپنی جگہ سے اکھاڑنا چاہا تو ایک بجلی کوندی سب کی نظریں چندھیا گئیں اور سب کو ایک زبردست جھٹکا لگا جیسے زبردست زلزلہ آگیا ہو وہ ڈر گئے اور مزید پتھر اکھاڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔

تعمیر کعبہ بہت بڑی سعادت تھی سب لوگ مزدوروں کی طرح جت گئے چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹ گیا کوئی پتھر لا رہا ہے کوئی گارا بنا رہا ہے کوئی دیوار پر پتھر چننے میں مصروف ہے کوئی اپنے حصے کا دوسرا کام کر رہا ہے یہ وہ بابرکت عمل تھا جس میں خود حضور نبی مکرم ﷺ نے بھی بھرپور حصہ لیا اور آپ پتھر لا لا کر دیتے رہے یہاں تک کہ اس باہمی تعاون اور اتحاد و یگانگت کی فضا میں قد آدم دیوار تعمیر ہو گئی۔

اب وہ مرحلہ آگیا جب کعبہ کی دیوار کے کونے میں "حجر اسود" نصب کرنا تھا یہاں پہنچ کر وہ "پر سکون فضا" باد سموم کے تند و تیز جھکڑوں میں تبدیل ہو گئی' جہالت عود کر آئی' بھنویں تن گئیں اور آستینیں چڑھ گئیں ہر قبیلے کے سردار نے دوسرے کو متنبہ کر دیا کہ وہ پیچھے ہٹ جائے اور حجر اسود نصب کرنے کی عزت و سعادت اسے حاصل کرنے دے۔

اپنے اس موقف سے دستبردار ہونے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوا تلواریں نیاموں سے نکل آئیں اور خون میں ہاتھ ڈبو کر قسمیں کھائی جانے لگیں کہ وہ کٹ مریں گے مگر یہ عزت کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہونے دیں گے۔

تعمیر کا سلسلہ رک گیا اور خوفناک جنگ کے بادل ہر طرف منڈلانے لگے۔

فمكثوا على ذالك ليالى ثم تشاوروا فقال ابو امية ابن المغيرة وهو رأس قريش اجعلوا بينكم اول من يدخل من باب هذا المسجد

(الوفا باحوال المصطفى، ۱۴۶)

"چند روز تک یہی صورت حال رہی پھر انہوں نے باہم مشورہ کیا ابو امیہ بن مغیرہ قریش کا سردار تھا اس نے مشورہ دیا کہ تم لوگ آپس میں یہ فیصلہ کر لو اب اس مسجد میں جو شخص سب سے پہلے آئے گا تو اسے اپنا حاکم تسلیم کر لوگے اور وہ اس تنازعہ کے حل کے لئے جو بھی تجویز پیش کرے گا تم اسے مان لوگے۔"

سب نے کہا معقول تجویز ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اب وہ لوگ باب شیبہ سے مسجد میں آنے والے کے انتظار میں بیٹھ گئے قدرت خداوندی کا اظہار یوں ہوا کہ اس دروازے سے سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے خوشی سے سب کے چہرے کھل اٹھے کیونکہ ایک ایسی ہستی تشریف لے آئی تھی جن کا تمام لوگ احترام کرتے تھے اور انہیں صادق وامین جانتے تھے۔

وہ چلا اٹھے .... **هذا الامين رضينا بما قضى بيننا** یہ تو امین ہیں ہمیں ان کا ہر فیصلہ بخوشی منظور ہو گا۔

حضور علیہ السلام نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بڑی حکمت عملی اور دور اندیشی سے کام لیا اپنی چادر مبارک زمین پر بچھادی اور حکم دیا کہ چار منتخب سردار آگے آجائیں جو اپنی قوم کے نمائندے ہوں چنانچہ عتبہ بن ربیعہ 'ابو زمعہ ابو حذیفہ بن

مغیرہ اور قیس بن عدی آگے آگئے آپ ﷺ نے فرمایا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لو اچادر کے چاروں کونے سرداروں کو پکڑا کر خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود اٹھا کر اس چادر پر رکھ دیا پھر فرمایا سارے مل کر اسے کعبہ کی دیوار تک اٹھا کر لے جاؤ جب وہ لوگ حجر اسود کو دیوار تک لے گئے تو خود اٹھا کر اسے دیوار میں نصب کر دیا۔

یہ حسن تدبر کی ایک ایسی مثال اور حکمت و بصیرت کا ایسا مظاہرہ تھا جس نے بڑے بڑے سرداروں کو انگشت بدنداں کر دیا اور عدل و انصاف پر مبنی اس فیصلہ سے سب خوش ہو گئے اور تسلیم کر لیا کہ آپ ﷺ نے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی قوم کو نئی زندگی عطا کر دی ہے۔

تعمیر کا سلسلہ پھر زور و شور کے ساتھ شروع ہو گیا اس دفعہ انہوں نے دیواریں بہت اونچی بنائیں اور دروازہ بھی بلندی پر رکھا تاکہ اندر آنا اس کے لئے ممکن ہو جسے وہ اجازت دیں۔ چھت بھی ڈال دی۔ مگر وہ حصہ جسے "حطیم" کہتے ہیں اسے نہ بنا سکے کیونکہ پوری قوم کے پاس اتنی جائز و حلال کمائی نہیں تھی کہ پوری طرح حرم تعمیر کر سکتے۔

ضرورت اس چیز کی تھی کہ وہ دخول و خروج کے لئے مشرقی اور مغربی سمت میں دو الگ الگ دروازے تعمیر کرتے مگر انہوں نے اپنی چودھراہٹ اور برتری قائم رکھنے کے لئے ایسا نہ کیا تاکہ اپنے خیال کے مطابق ناپسندیدہ عناصر کو اس سعادت سے محروم رکھ سکیں۔

سعید بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

رأيت قريشاً يفتحون البيت في الجاهلية يوم الاثنين ويوم الخميس فكان حجابه يجلسون على بابه فيرقى الرجل فاذا كانوا لايريدون دخوله دفع فطرح

(الطبقات الكبرٰى ، ١ : ١٤٧)

"میں نے قریش کو دیکھا وہ دور جاہلیت میں پیر اور جمعرات کو بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولتے تھے چنانچہ حاجب اور دربان لوگ دروازے پر بیٹھ جاتے تھے

باب-٦

شام کی طرف تجارتی سفر اور ازدواجی زندگی کا آغاز

حضور نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک اس وقت تقریباً پچیس سال تھی، آپ کی دیانت وامانت، کاروباری لین دین میں صداقت اور حسن معاملہ نے پورے مکہ کو گرویدہ کرلیا تھا وہ آپ کو "الامین" اور "الصادق" کے معزز القاب سے یاد کرنے لگے تھے۔ پورے معاشرے میں اس حقیقت نے شہرہ حاصل کرلیا تھا کہ "محمد" ایک صالح اور باکردار نوجوان ہیں، صداقت وامانت کا پیکر ہیں اور جو معاملہ کرتے ہیں وہ ہر قسم کے غل وغش اور کھوٹ سے پاک ہوتا ہے۔ انہیں کسی نے جھوٹ بولتے نہیں سنا اور نہ کسی سے جھگڑتے دیکھا ہے۔ بالکل کھرے انسان ہیں جن کا کردار ان کی ذات ہی کی طرح بے عیب اور پاک ہے۔

ادھر مکہ میں خدیجہ نامی بڑی ہی دانا، معاملہ فہم، انتظامی صلاحیتوں سے بہرہ ور، پورے عرب میں نامور اور مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون تھیں۔ جب تجارتی قافلہ ملک شام کی طرف روانہ ہوتا تو تنہا ان کا سامانِ تجارت، قریش کے تمام تاجروں کے سامان کے برابر ہوتا تھا جملہ کاروبار کی خود نگرانی فرماتی تھیں۔ ہربار اپنا وکیلِ تجارت مقرر کرتیں جو سامان لے کر چلا جاتا اور تمام کاروباری امور کا ذمہ دار ہوتا واپسی پر اسے مقرر کردہ رقم عطا کردیتیں اور ملک شام سے آیا ہوا مال یہاں فروخت کرکے دوہرا نفع کمالیتیں، اس طرح ان کی آمدن سب سے زیادہ تھی اور شاہانہ انداز سے زندگی گذار رہی تھیں۔ مال ودولت میں کسی کو ان کے ہم پلہ ہونے کا دعوی نہ تھا اس لئے سب دل وجان سے ان کا احترام کرتے تھے۔

بیوہ ہو چکی تھیں، عمر چالیس سال کے قریب تھی اور ان کی ذات حسن صورت اور حسن سیرت کا حسین سنگم تھی۔ قدرت نے ظاہری اور باطنی رعنائی وزیبائی

کے ساتھ شخصی وجاہت بھی عطا فرمائی ہوئی تھی سیرت وکردار کی پختگی' معاملہ فہمی' دور اندیشی اور حسن تدبر نے اس وجاہت اور دلکشی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

خدیجہ عرصہ سے حضور ﷺ کی امانت' دیانت اور شرافت کا بے نظیر شہرہ سن رہی تھیں انہیں ایک ایسے ہی امین و ذہین وکیل کی ضرورت تھی جو ان کا سامان تجارت ملک شام لے جائے۔ اس نے اپنے بھتیجے تلیعہ کے ذریعہ حضرت ابو طالب کو پیغام بھیجا کہ اگر "محمد ﷺ " مال تجارت شام لے جانے کے لئے تیار ہو جائیں تو دوسروں سے دگنا معاوضہ دوں گی۔

حضرت ابو طالب نے فوراً حامی بھر لی اور حضور ﷺ کو آمادہ کیا کہ ضرور تشریف لے جائیں اور اللہ کا فضل تلاش کریں بے شک یہ غیبی امداد ہے۔

تجارتی قافلہ تیار ہو گیا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پتہ تھا حضرت محمد ﷺ بہت بابرکت اور عادات و اطوار کے لحاظ سے بے مثل انسان ہیں۔ عرب کے مروجہ خصائل کو پسند نہیں کرتے اور انتہائی پاکیزہ زندگی گذار رہے ہیں' اس لئے اس نے اپنے ذوقِ تجسس کی تسکین کے لئے اپنے غلام میسرہ کو بلایا اور ہدایت کی کہ وہ بھی قافلہ کے ہمراہ جائے اور ہر صورت میں حضرت محمد ﷺ کا حکم مانے اور خدمت کرے۔

قافلہ روانہ ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا حدود شام میں داخل ہو گیا۔ ایک گرجا کے قریب انہوں نے پڑاؤ ڈالا یہاں ایک نیک نفس راہب رہتے تھے جن کا نام "نسطورا" تھا اور وہ غلام میسرہ سے واقف تھے کیونکہ یہ لوگ تجارت کے لئے آتے جاتے یہیں قیام کرتے تھے۔

اس نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل مبارک دیکھی تو بھاگ کر اپنی کتاب لے آیا اور اس میں لکھی ہوئی نشانیاں پڑھ پڑھ کر آپ ﷺ کو دیکھنے لگا' آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں سب نشانیاں موجود تھیں۔ اس نے غلام میسرہ کو بتایا۔

یہ آخر الزمان نبی ﷺ ہیں عنقریب ان پر وحی نازل ہو گی اور قدرت کی طرف سے حکم ہو گا کہ فرائض نبوت ادا کریں۔ میسرہ نے یہ بات پلے باندھ لی۔

دوران کاروبار شام کے بازار میں ایک روز آپ ﷺ کسی شخص سے بات کر رہے تھے کہ اس نے کہا۔

میں تب یقین کروں گا جب آپ "لات اور عزیٰ" کی قسم کھائیں گے۔

آپ نے فرمایا۔

ما حلفت بهما قط وانى لامر فاعرض عنهما

میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی اگر ان کے قریب سے گذروں تو منہ پھیر لیتا ہوں۔

اس آدمی نے میسرہ کو بتایا۔

هذا والله نبى تجده احبارنا منعوتا في كتبهم

(الخصائص الکبریٰ، ۱ : ۹۱)

اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں ہمارے علماء بتاتے ہیں۔ ان کے اوصاف گذشتہ کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

میسرہ نے یہ گواہی بھی ذہن نشین کرلی۔

مال تجارت بک گیا۔ منافع کی شرح توقعات سے کہیں زیادہ تھی میسرہ بہت خوش ہوا واپسی کی تیاریاں شروع ہوئیں پھر ایک روز مکہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ حضور ﷺ نے میسرہ کو پہلے ہی مکہ بھیج دیا تھا تاکہ قافلے کی اطلاع کر سکے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی سہیلیوں کے ہمراہ واپسی کا منظر دیکھنے کے لئے بالا خانے پر بیٹھ گئیں۔

سب سے پہلے انہیں ایک شہہ سوار نرالی شان کے ساتھ نظر آیا دھوپ میں اس کا نکھرا ہوا چہرہ آئینے کی طرح چمک رہا تھا اوپر دو بڑے بڑے پرندے پر پھیلائے اس کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے واضح طور پر انہوں نے شہہ سوار پر سایہ کیا ہوا تھا تاکہ وہ دھوپ کی تمازت سے محفوظ رہے منظر اتنا حسین و جمیل باوقار اور شاہانہ تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذہن پر نقش ہو گیا۔

انہوں نے سہیلیوں کو دکھایا یہ ایک حقیقت تھی کوئی واہمہ نہیں تھا سب نے تصدیق کی پرندے واقعی شہہ سوار پر پرفشاں تھے اور انہیں اپنے سائے کے جلو میں لئے

آ رہے تھے۔

یہ ہر قسم کے تصنع سے پاک، قدرتی اعزاز واکرام کا ایک شاندار نشان تھا جو آنے والے کی بے مثل شان اور بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کا غماز تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیرت زدہ اور مبہوت رہ گئیں اور پھر جب سواری نزدیک آئی اور پتہ چلا کہ اس "شان باکمال" کے ساتھ آنے والے "سیدنا محمد ﷺ" ہیں تو مجسمہ عقیدت بن گئیں۔

میسرہ نے آکر رپورٹ دی اور بتایا کہ ان کے نبی ہونے کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ ان کے سر مبارک پر فرشتوں کو ہمیشہ پر فشاں دیکھا گیا ہے اور وہ پرندوں کی شکل میں پر پھیلا کر ان کے اوپر اڑتے رہتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت دل میں ایک بات ٹھان لی کہ اگر انہوں نے کسی سے نکاح کیا تو دنیا میں سیّدنا محمد ﷺ سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ ادھر مشیت ایزدی بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رضامند ہو گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے خود ہی پیغام رسانی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ان کی محرم راز ایک عورت نفیسہ بنت منیۃ کہتی ہیں۔

حضرت خدیجہ بہت ہی دانا اور سمجھ دار عورت تھیں انہوں نے بڑے بڑے مالداروں کے رشتے ٹھکرا دیئے اور حضور ﷺ کے ساتھ نکاح کے لئے فوراً تیار ہو گئیں کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا یہ مستقبل کے ایسے عظیم انسان ہیں جن کے پایہ تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔

انہوں نے سب کام چھوڑ دیئے اور ایسی سہیلیاں تیار کیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچ کر شادی کی بات کریں اور آپ ﷺ کو نکاح کی ترغیب دیں۔

نفیسہ کہتی ہیں۔

فارسلتنی دسیسا الی محمد جب حضور ﷺ شام سے واپس

صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان رجع فی عیرها من الشام

(الطبقات الکبریٰ ، ۱ : ۱۳۱)

تشریف لائے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے فوراً آپ کی خدمت میں بھیجا کہ اس سلسلے میں بات کروں۔

دوسری روایت میں ہے۔

ان خدیجة قالت لاختها انطلقی الی محمد فاذکرینی له

(الطبقات الکبریٰ ، ۱ : ۱۳۲)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن سے کہا: فوراً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ اور ان کے سامنے میرا ذکر کرو۔

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ جلد سے جلد رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے بے قرار ہوگئیں تھیں تاکہ یہ دولت نایاب کسی اور کے حصے میں نہ چلی جائے اور کسی کو ان اعجازی شانوں کا پتہ نہ چل جائے جو ان کے علم میں آگئی ہیں اس لئے انہوں نے اپنی کوششیں تیز تر کردیں۔

اسی سلسلہ میں ساوی کتابوں کے ماہر ورقہ بن نوفل کے پاس بھی گئیں۔

وکان ابن عمها وکان نصرانیا فقال ورقة لئن کان هذا حقا یاخدیجة ان محمدا نبی هذه الامة قد عرفت انه کائن لهذه الامة نبی ینتظر – هذا زمانه

(البدایة والنهایة ، ۲ : ۲۹۶)

"وہ ان کا چچا زاد بھائی تھا اور نصرانی ہو چکا تھا اس نے کہا! اے خدیجہ! جو باتیں میسرہ نے بتائی ہیں اگر وہ سچی ہیں تو جان لے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ اس امت کا نبی آنے والا ہے اس کا انتظار کیا جارہا ہے اور اس کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔"

یہاں سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوق کو غذا ملی انہیں سو فیصد یقین ہو گیا کہ ختم نبوت کے تخت و تاج کے وارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے انہوں نے بزرگوں تک بات پہنچائی باپ فوت ہو چکے تھے صرف

چچا زندہ تھے جن کا نام عمرو بن اسد تھا بزرگ بھائی ورقہ بن نوفل بھی تھا انہوں نے حضرت ابو طالب سے بات کی جو انہوں نے حضور ﷺ کے مشورے کے بعد منظور کر لی اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ کو ایک عظیم انسان کے ساتھ وابستگی کی روحانی خوشی تھی وہ حضور ﷺ کو کسی اور ہی روپ میں دیکھتی تھیں اس لئے محبت پر عقیدت کا عنصر غالب تھا۔

جانبین کے متفقہ فیصلہ سے وقت اور دن کا تعین ہو گیا' حضور ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ معززین قریش بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد کا پہلے سے انتقال ہو گیا تھا اس طرف سے بھی ان کے چچا عمرو بن اسد اور ورقہ بن نوفل نے بارات کا استقبال کیا۔

خطبہ نکاح حضرت ابو طالب نے پڑھا۔

الحمد لله الذي جعلنا من ذرية ابراهيم وزرع اسماعيل، وضئضئ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بيته وسواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما امنا وجعلنا الحكام على الناس ثم ان ابن اخي هذا، محمد بن عبد الله لايوزن برجل الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا- فان كان في المال قلّ فان المال ظل زائل ومحمد ممن قد عرفتم قرابته وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها ما اجله وعاجله من مالي كذا وهو والله بعد هذا له نبا عظيم وخطر جليل جسيم

(زرقاني على المواهب . ١ : ٢٠١)

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت اسماعیل کی نسل سردار معد کی صلب اور سردار مضر کی اصل سے پیدا

فرمایا اور ہمیں خانہ کعبہ کا خادم اور حرم شریف کا منتظم بنایا ہمیں ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم دیا جو امن کا گہوارہ ہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔ میرا بھتیجا محمد بن عبد اللہ علم و حکمت اور فضل و شرف میں بے مثل ہے۔ اگرچہ اس کے پاس ظاہری مال کم ہے مگر اس مال کی حیثیت ہی کیا ہے یہ تو ایک ڈھلتی چھاؤں ہے ان کی نسبی قرابت داری سے آپ آگاہ ہیں چنانچہ انہوں نے خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ رشتہ ازواج میں منسلک ہونے کی خواہش کی ہے اور اتنا اتنا مہر معجل اور مؤجل (بیس اونٹ) ادا کیا ہے ان کا مستقبل بہت درخشاں اور عالیشان ہے۔"

اصدقها عشرين بكرة وكانت اول امراءة تزوجها ولم يتزوج عليها غيرها حتى ماتت (البداية والنهاية ، ۲ : ۲۹٤)

"حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بیس اونٹ مہر دیا اور آپ سب سے پہلی خاتون ہیں جن سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا اور یہ شرف بھی انہی کو حاصل ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے کسی اور کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا۔

جب حضرت ابو طالب اپنا خطبہ ختم کر چکے تو ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا۔

الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت وفضلنا على ما عددت فنحن سادة العرب وقادتها وانتم اهل ذلك كله لا تنكر العشيرة فضلكم ولايرد احد من الناس فخركم وشرفكم وقد رغبنا في الاتصال بحبلكم وشرفكم فاشهدوا على يامعاشر قريش! باني قد زوجت خديجة بنت خويلد من محمد بن عبد الله على اربعمائة دينار

(زرقانی علی المواهب ، ۱ : ۲۰۳)

"تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں ایسا ہی پیدا کیا جیسا کہ آپ نے بتایا اور ان لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی جن کو آپ نے شمار فرمایا بے شک ہم عرب کے قائد و سردار ہیں اور آپ اس سیادت کے اہل ہیں کوئی خاندان آپ کی فضیلت کا منکر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی آپ کے فخر و شرف کو چیلنج کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے دل میں آپ کے ساتھ رشتہ داری قائم کرنے کی خواہش و رغبت پیدا ہوئی ہے پس تم گواہ ہو جاؤ اے گروہ قریش! کہ میں نے "چار سو دینار حق مہر" کے عوض محمد بن عبد اللہ کے ساتھ خدیجہ بنت خویلد کا نکاح کر دیا۔"

یہ ازدواجی خطبہ پڑھ کر ورقہ بن نوفل چپ ہو گئے۔ ابو طالب نے کہا۔

قد احببت ان یشرکك عمها

اے ورقہ! میں چاہتا ہوں خدیجہ کا چچا بھی آپ کے ساتھ نکاح کرنے میں شریک ہو جائے۔

یہ سن کر عمرو بن اسد نے اسی طرح کیا۔

اشهدوا علی یامعشر قریش! انی قد انکحت محمد بن عبد الله خدیجة بنت خویلد

اے گروہ قریش! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے محمد بن عبد اللہ کے ساتھ خدیجہ کا نکاح کر دیا۔

فقبل النبی صلی الله علیه وسلم النكاح وشهد علی ذالك صنادید قریش

حضور ﷺ نے نکاح قبول کیا اور سرداران قریش نے گواہی دی۔

(زرقانی علی المواهب، ۱ : ۲۰۳)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اتنی خوشی ہوئی کہ تمام غلام آزاد کر دیئے تاکہ یہ شادی ان کے لئے یادگار بن جائے اور وہ ساری زندگی خوش ہوتے اور دعائیں دیتے رہیں' اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ دف بجا بجا کر خوب اظہار مسرت کریں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سرکار ﷺ کے قرب کی دولت سرمدی پا کر اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی اور عرض کی:

"میرے آقا ﷺ! آپ اس کے مالک ہیں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہو گا۔" چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ یہی مال بعثت کے بعد نصرت اسلام کا سبب بنا اور حضور ﷺ معاشی فکر سے آزاد ہو کر دعوت دین کا فریضہ کماحقہ نبھاتے رہے۔

O

باب-۷

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اور مقام

جب نکاح ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور اس عالمگیر انقلاب کا آغاز اور صدائے حق بلند کرنے کے لئے صرف پندرہ سال رہ گئے تھے جس نے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کرنا تھا اور دلوں پر پڑے ہوئے کفر و ضلالت کے دبیز پردوں کو عزم صداقت کے آہنی ہاتھوں سے تار تار کرنا تھا۔ اس آفاق گیر' زبردست تحریک کے لئے ایک ایسے مخلص و وفا شعار ساتھی کی ضرورت تھی جو دل وجاں سے ہمنوا ہو اور قدم قدم پر ڈھارس بندھائے' حوصلہ شکن اور ناساعد حالات میں عزائم کو متزلزل نہ ہونے دے اور اپنے پیار بھرے' حوصلہ افزا بولوں سے دل کی تسکین کا سامان کرتا رہے سو اس مقصد جلیل کے لئے قدرت نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے روز اول ہی سے اپنی چاہتیں نچھاور کر دیں اور وفاؤں کے انمٹ نقوش ثبت کرنا شروع کر دیئے۔ بہت جلد حضور ﷺ نے محسوس فرما لیا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے روپ میں صحن خانہ میں خلوص و وفا اور محبت و الفت کی ایک دلکش تصویر چلتی پھرتی ہے۔ لازوال خوشیوں اور شفقتوں نے اس پیکر حسین کا روپ دھار لیا ہے ایثار و قربانی' استقامت و استقلال اور عقیدت و مروت کی ساری قدریں ان کی ذات میں ڈھل گئی ہیں۔ وہ ایک وفا پیشہ بیوی ہی نہیں بلکہ آلام و شدائد کی کٹھن ساعتوں میں غمگسار دوست بھی ہیں اور حوصلوں کو جواں رکھنے والی ایک ایسی مددگار ہستی ہیں جن کے عزائم ناقابل شکست اور فکری توانائیاں ناقابل تسخیر ہیں جن پر ہر حال میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت نفیسہ بنت منیہ فرماتی ہیں۔

كانت خديجة امرءة حازمة جلدة شريفة مع ما اراد الله بها من الكرامة والخير وهي يومئذ اوسط قريش نسبا واعظمهم شرفا واكثرهم مالا كانت تدعى بالطاهرة وبسيدة قريش

(الطبقات الكبرىٰ: ۱ : ۱۳)

(محمد رسول الله ، ٤٧)

"حضرت خدیجہ بڑی ہی ہوشمند' بہادر اور شریف خاتون تھیں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر و کرامت سے بھی نوازا ہوا تھا وہ قریش میں حسب ونسب' فضل و شرف اور مال و دولت کے لحاظ سے سب سے آگے افضل واعلیٰ اور بہت مالدار تھیں انہیں "طاہرہ" اور "سیدہ قریش" کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔"

ان کے ان بے مثال خصائص و صفات نے حضور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر میں ان کے لیے ایک خاص مقام پیدا کر دیا۔ جس کا اظہار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں کئی بار ہوا۔

وہ فرماتی ہیں کہ آپ اتنی شدت اور کثرت سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے تھے کہ میں حیران ہو جاتی تھی اور میرے اندر عورتوں والی غیرت کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا تک نہیں تھا اور وہ بہت پہلے ہی وفات پا چکی تھیں۔ اصولی طور پر اگر غیرت کھانا تھی تو مجھے زندہ اور موجود بیویوں سے کھانا چاہیے تھی۔ مگر ان کے لیے میرے دل میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ وجہ یہ کہ ان کا ذکر اس چاہت اور کثرت سے نہیں ہوتا تھا جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف تھا۔

ماغرت على احد من نساء النبي صلى الله عليه وسلم ماغرت على خديجة وما رايتها ولكن كان النبي صلى الله عليه وسلم يكثر ذكرها

(صحيح البخاری ، ۱ : ۵۳۹ كتاب المناقب)

" جو غیرت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں میرے دل میں پیدا ہوئی حضور

نبی کریم ﷺ کی کسی بیوی کے بارے میں پیدا نہیں ہوئی تھی حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا وجہ صرف یہ تھی کہ حضور ﷺ ان کا ذکر بہت کثرت سے فرماتے تھے۔"

یوں بھی ہوتا کہ میں حیرت واستعجاب کے عالم میں کہہ اٹھتی۔

کانه لم یکن فی الدنیا امراءة الا خدیجة رضی اللہ عنہا

(صحیح البخاری ، ۱ : ۵۳۹)

حضور ﷺ! آپ تو اس طرح ان کا ذکر فرماتے ہیں گویا دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہے ہی نہیں۔

آپ فرماتے: **انها کانت و کانت ہاں** عائشہ! وہ واقعی ایسی تھی، یعنی محسنہ، مشفقہ، روزے دار اور عبادت گذار۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں

اپنے خلوص وایثار اور شفقت و پیار کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو روحانی مقام و مرتبہ حاصل ہو چکا تھا، ایک دفعہ حضور ﷺ نے اس سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

خیر نسائها مریم وخیر نسائها خدیجة رضی اللہ عنہا

(صحیح البخاری ، ۱ : ۵۳۸)

مریمؑ اپنے دور کی خواتین میں سب سے افضل تھی اور خدیجہ رضی اللہ عنہا اس دور کی تمام خواتین میں سب سے افضل و بہتر ہے۔

ان کے جذباتِ خیر و صداقت اور جوشِ ایمان و ایقان کو کہاں تک پذیرائی نصیب ہوئی تھی، اور بارگاہ خداوندی میں ان کو کیا شان اور قدر و منزلت حاصل ہو گئی تھی، اس کا اندازہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث پاک سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امینؑ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ

هذه خديجة قد اتت معها اناء خير ادام او طعام او شراب فاذا هي اتتك فاقرأ عليها السلام من ربها ومني وبشرهابيت في

الجنة (من قصب) لاصخب فيه ولانصب

(صحيح البخارى ، ۱ : ۵۳۹)

" یہ خدیجہ آ رہی ہیں ان کے ہاتھ میں برتن ہے جس میں سالن' کھانا یا کوئی مشروب ہے (روایت احمد میں ہے وہ حلوہ بنا کر لا رہی ہیں) جب وہ تشریف لے آئیں تو آپ رب تعالیٰ کی طرف سے انہیں سلام فرما دیجئے اور میری طرف سے بھی اور انہیں بشارت دیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں نفیس موتی کا بنا ہوا ایک ایسا محل دے گا جس میں کوئی شور شرابہ نہیں ہو گا اور نہ ہی وہاں تھکاوٹ ہو گی۔"

ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ محل کی یہ دو خصوصیات ہی کیوں بیان فرمائیں کوئی اور خوبی بھی بیان کی جا سکتی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی حکمت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

انه لما دعا الى الايمان اجابت خديجة طوعا فلم تحوجه الى رفع صوت ولا منازعة ولاتعب في ذلك بل زالت عنه كل نصب وانست من وحشة وهو نت عليه كل عسير- فناسب ان يكون منزلها الذى بشرها به ربها بالصفة المقابلة لفعلها

(فتح البارى ، ۷ : ۱۳۸)

" جب حضور ﷺ نے سب کو دعوت ایمان دی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسے برغبت قبول فرمایا اس سلسلے میں لڑائی جھگڑے اور اونچا بولنے کی نوبت نہ آئی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حد تک نبی اکرم ﷺ کو کوئی تعجب اور مشقت نہ اٹھانا پڑی بلکہ خود انہوں نے رسول کریم ﷺ سے محنت و مشقت کو دور کیا تنہائی کی گھڑیوں میں موانست کی مشکلات کو دور اور آسان کرنے میں مدد دی۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں جس جنتی محل کی بشارت دی اس میں بھی یہی خوبیاں رکھیں تاکہ وہ ان کے عمل کی جزا بن جائیں۔"

مصطفوی انقلاب کی اولین کارکن خاتون

انقلابی شخصیت کوئی بھی ہو اپنے خصائل و خصائص' عادات و اطوار اور جذبات واحساسات کے حوالے سے بڑی منفرد اور عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اگر اس میں یہ نوع انفرادیت نہ ہو تو وہ عوام کو متاثر نہیں کر سکتی اس لئے اس کا ممتاز و نمایاں ہونا بہت ضروری ہے۔

اس میں مقصد کی بے پناہ لگن ہوتی ہے جو اسے ہمہ وقت بے چین اور مضطرب رکھتی ہے۔ وہ اس کی خاطر اپنا تن من دھن' سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اپنی صحت داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اور سارا وقت اسی کو دیتا ہے تاکہ اس میں کامیاب ہو اور منزل قریب تر آئے۔ اور جب منزل حاصل ہو جائے تو پھر بھی اسے قرار نہیں آتا کیونکہ ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھ جاتا ہے جو اسے سرگرم عمل رکھتا ہے اور پھر پہلے کی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے کاموں میں منہمک (ABSORBED) ہو جاتا ہے۔

غرض اس کی زندگی میں چین اور سکون کا کوئی لمحہ نہیں آتا۔ اسے اپنے کھانے پینے اور سونے جاگنے کی بھی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ بس دماغ میں ایک ہی دھن سمائی ہوتی ہے کہ دنیا اس کی ہم قدم و دمساز ہو جائے اور جس مقصد عظیم اور منصب جلیل کی طرف وہ اسے بلانا چاہتا ہے ادھر آ جائے۔

دنیا میں ہر درجے اور ہر مقام و مرتبے کے لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن کی روحیں پاک' دل خلوص سے لبریز' اور خدا و رسول اور قرآن اور دین کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ ایک لگن' مقصد اور جذبہ و جوش لے کر اس کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کے ایثار و قربانی کا یقین دلاتے ہیں۔ محبت خدا اور رسول کی خاطر گردنیں کٹانے تک کا وعدہ کرتے ہیں وقت آنے پر ایسا کر کے دکھا بھی دیتے ہیں' اور خدا اور رسول کی بارگاہ میں سرخرو ہوتے ہیں۔

لیکن جن لوگوں کے اپنے ذاتی دنیوی مفاد ہوتے ہیں وہ اسے حق سمجھتے ہوئے بھی اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ انہیں خطرہ ہوتا ہے۔ انقلاب

سے ان کی جھوٹی عزتیں ختم ہو جائیں گی، شخصیتوں کے بت پاش پاش ہو جائیں گے اور ان کی صلاحیتوں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جائیگا اس لئے وہ دنیا کی خاطر، تقویٰ و طہارت، دیانت و امانت اور علم و عمل کو داؤ پر لگا دیتے ہیں کمر کس کر میدان میں آ جاتے ہیں اور حق کی مخالفت و عداوت کو پیشہ بنا لیتے ہیں۔

ان لوگوں کی کامیابی اسی میں ہوتی ہے کی وہ انقلابی شخصیت کی کردار کشی کریں۔ اسپر جھوٹے الزامات لگائیں اور اسے منظر سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں تاکہ لوگ اس کی مقناطیسی شخصیت، گفتگو کے سحر اور خلوص و صداقت سے متاثر ہو کر اس کے گروہ میں شامل نہ ہونے پائیں۔ وہ تمام برائیاں جو ان کی اپنی ذات میں ہوتی ہیں وہ اس انقلابی شخصیت کے سر تھوپتے ہیں۔ مگر ایک دن ان کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اور عوام حق و صداقت کی روشنی پہچان لیتے ہیں اور دین و ایمان کے پرچم تلے آ جاتے ہیں۔

جب نبی اکرم، رسول رحمت، سید عرب و عجم، حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے دور ظلمت میں مصطفوی انقلاب کا نعرہ لگایا اور لوگوں کو دعوت حق دی تو باطل پرست اور پلے ہوئے بڑے بڑے بتوں کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ انہیں انقلاب سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ انہوں نے مخالفت کا طوفان کھڑا کر دیا کہ ساحر ہے، مجنون ہے، کاھن ہے وغیرہ وغیرہ۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

اس جھوٹے اور باطل پروپیگنڈے سے حضور ﷺ کے دل مبارک پر اثر بھی ہوا۔ جسے قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ	اور ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ کا قلب انور بوجھل ہوتا ہے۔ (الحجر ، ١٤ : ٤)

مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا مشن جاری رکھا اور آوازہ حق بلند کرتے رہے۔ سعادت مند لوگوں نے لپک لپک کر لبیک کہا اور قافلہ عشق و مستی میں شامل ہو گئے۔

قائد تحریک کو ایسے لوگوں سے بہت پیار ہوتا ہے جو مخالفت کے طوفانوں میں بھی ساتھ نہ چھوڑیں اور تحریک کا پیغام لے کر آگے بڑھتے رہیں اور مشن کو پس منظر میں نہ جانے دیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مصطفوی انقلاب کے ہراول دستے کی ایک ایسی ہی مخلص اور انتھک کارکن تھیں جنہوں نے اس وقت ساتھ دیا جب دشمنی کی آندھیاں چل رہی تھیں اور اس وقت ایمان لائیں جب فضا کفر آلودہ تھی۔ مشن کے فروغ کی خاطر ساری دولت اس وقت صرف کی جب سرمائے کی سخت ضرورت تھی۔ غرض ہر میدان میں اور ہر طرح سے بھرپور تعاون کیا اور تحریک کے مقاصد کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جذبات کی اس طرح قدر افزائی فرمائی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قربانیوں کو ہر موقعہ پر سراہا' شاندار لفظوں میں ان کا ذکر کیا اور کبھی ان کی مساعی کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ جب بھی یاد آئیں تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور ان کا کوئی عزیز آگیا تو اسے خوب نوازا۔

۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں۔

ربما ذبح الشاۃ ثم یقطعھا اعضاء ثم یبعثھا فی صدائق خدیجۃ رضی اللہ عنہا
(صحیح البخاری، ۱ : ۵۳۹)

بسا اوقات آپ بکری ذبح فرماتے پھر اس کے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے گھروں میں بھیج دیتے تھے۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر "ابو العاص" جنگ بدر میں گرفتار ہو گئے یہ اس وقت کی بات ہے جب مشرکوں سے نکاح کی ممانعت کا حکم ابھی وارد نہیں ہوا تھا۔ اس لئے دیگر اسیران جنگ کی طرح ان سے بھی کہا گیا کہ اپنا "زر فدیہ" ادا کریں۔ تب آزادی نصیب ہوگی۔

انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا کہ میری آزادی کے لئے فدیہ کی رقم بھیجیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جب یہ پیغام ملا تو پریشان ہو گئیں کیونکہ اس وقت

ان کے پاس کوئی رقم موجود نہیں تھی۔ ان کے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار تھا جو انہیں جہیز میں ملا تھا انہوں نے وہی ہار بھیج دیا۔

جب وہ ہار حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں، مبارک آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی رونے لگے۔ انہوں نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ ! آپ یہ ہار بیٹی کو واپس فرمادیں، ہم فدیہ کی رقم خود ادا کردیتے ہیں۔

۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں۔

استاذنت هالة بنت خويلد اخت خديجة رضى الله عنها على رسول الله صلى الله عليه وسلم فعرف استئذان خديجة فارتاع لذالك- فقال: اللهم هالة- فغرت فقلت: ماتذكر من عجوز من عجائز قريش حمراء الشدقين هلكت فى الدهر قد ابدلك الله خيرا منها (صحيح البخارى . ١ : ٥٣٩)

" ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن جن کا نام "ہالہ" تھا وہ ہمارے گھر آئیں اور اذن طلب کرنے کے لئے آواز دی ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت ملتی تھی پھر کیا تھا یہ آواز سن کر حضور ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں اور آپ حیرت و مسرت کے عالم میں بے ساختہ پکار اٹھے۔ یا اللہ! یہ تو ہالہ لگتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے غیرت آگئی میں نے کہا: آپ قریش کی ایک بوڑھی خاتون کو کیا ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں۔ جنہیں فوت ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ اور دانت گر جانے کے باعث ان کے سرخ سرخ مسوڑھے نظر آتے تھے۔ حالانکہ اللہ پاک نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرمادی ہے۔"

۱) مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما ابدلنی الله خیرا منهـا آمنت بی اذ کفر بی الناس

(مسند احمد بن حنبل ، ٦ : ١١٨)

"(نہیں عائشہ!) اللہ پاک نے مجھے ان سے بہتر کوئی بیوی نہیں دی۔"

۲) اور امام احمد کی روایت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

قد ابدلك الله بكبيرة السـن حديثة السـن فغضب حتى قلت والذى بعثك بالحق لاذكرها بعد هذا الا بخير

(فتح البارى ، ٧ : ١٤٠)

"اللہ پاک نے بوڑھی عورت کے بدلے آپ کو ایک کمسن بیوی عطا کر دی ہے۔ (پھر آپ ﷺ اسے کیوں یاد کرتے ہیں؟) یہ سن کر حضور ﷺ کو جلال آگیا یہاں تک کہ مجھے کہنا پڑا یا رسول اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی اللہ پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آئندہ میں ان کا ذکر اچھے لفظوں ہی میں کروں گی۔"

یہ شرف و خصوصیت بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کو حاصل ہے کہ آپ حضور ﷺ کی تمام اولاد کی ماں ہیں۔ صرف جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔

ابن اسحاق کی ایک روایت ہے۔

فولـدت لرسـول الله صلى الله عليه وسلم ولـد كلهـم الا ابراهيـم: القاسم وكان يكنى به، والطيب، والطاهر. وزينب، ورقية، وام كلثوم، وفاطمة رضوان الله عليهم اجميعن.

(البداية والنهاية . ٢ : ٢٩٤)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کے تمام بچوں کو جنم دیا سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، انہی کے نام پر حضور ﷺ کی کنیت "ابوالقاسم" تھی اور حضرت

طیب رضی اللہ عنہ اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہ اور چار صاحبزادیوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم"۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پلوٹھی کے تھے بعثت سے پہلے ان کی ولادت ہوئی تھی پھر بعثت کے بعد ایک اور صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا اسم گرامی عبداللہ رضی اللہ عنہ رکھا گیا۔ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ طیب و طاہر انہی کے دو القاب تھے۔

فكان اول من مات من ولده القاسم ثم مات عبد الله بمكة

(الطبقات الكبرى، ۱ : ۱۳۳)

سب سے پہلے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔ پھر بعد میں مکہ شریف ہی میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد فوت ہو گئی تو یہی وہ موقعہ تھا جب عاص بن وائل سہمی کو پھبتی کسنے کا موقعہ مل گیا اور اس نے منہ پھاڑ کر کہا:

اب یہ "ابتر" ہو گئے ہیں۔ اولاد نرینہ نہیں رہی اس لئے اب ان کا مشن جاری نہیں رہ سکے گا اور ان کے ساتھ وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

اس کی یہ گستاخی کیسے گوارا کی جا سکتی تھی؟ قدرت کی طرف سے جواب دیا گیا۔

اے حبیب! آپ کو ابتر اور نسل بریدہ کہتا ہے ہم اس کی نسل کاٹ دیں گے اسے ابتر بنا دیں گے مگر تیرا ذکر قائم و دائم اور قیامت تک جاری رہے گا۔ تیری اولاد پھلے پھولے گی اور آفاق میں پھیل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

(الكوثر، ۱۰۸ : ۳)

بے شک تیرا بد خواہ خود "ابتر" اور نسل بریدہ ہے۔

فہرست تصاویر

تصویر ۱۔ حجر اسود
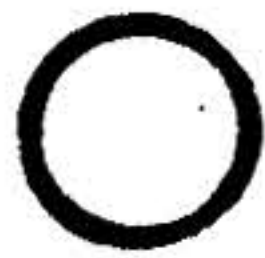
" ۲۔ حضرت عبدالمطلب کا مزار

" ۳۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان (شادی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ)

یہ تصاویر کتاب کے آخری حصہ ششم میں ملاحظہ فرمائیں

حصہ دوم

○
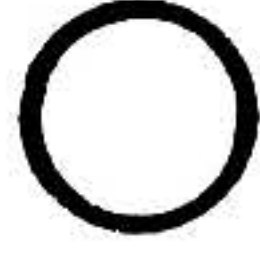
بشارات بعثت و ظہور علامات نبوت

(۳۶ تا ۴۰ سن ولادت)

باب-۱

ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کو "آخری نبوت" پر ایمان لانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بنی نوع انسان کو پیدا کرنے سے پہلے عالم ارواح میں ان کی روحوں کو پیدا فرمایا۔ ان روحوں کے گروہ اور لشکر اس جہاں میں اسی طرح گھومتے پھرتے اور ملتے جلتے تھے جس طرح ہم اس مادی دنیا میں باہم ملتے جلتے اور رہتے سہتے ہیں۔ جن روحوں کو وہاں ایک دوسرے کے قریب رہنے کا موقعہ ملا وہ آپس میں گھل مل گئیں اور دوست بن گئیں۔ ان میں محبت اور پیار کا رشتہ قائم ہو گیا اور اس رشتے نے گہرے روابط کی صورت اختیار کر لی۔

اس کے برعکس جو روحیں ایک دوسرے سے دور رہیں اور انہیں قریب آنے اور مانوس ہونے کا موقعہ نہ ملا ان میں کوئی دوستی قائم نہ ہو سکی اور وہ ایک دوسرے سے بیگانہ اور اجنبی ہی رہیں۔

حضور ﷺ کے ارشاد گرامی سے پتہ چلتا ہے جن لوگوں کے وہاں روابط قائم ہو گئے تھے اس دنیا میں آکر بھی وہ روابط برقرار رہے اور قدرتی طور پر ان کے تعلقات قائم ہو گئے وہ محبت و دوستی کی لڑی میں پروئے گئے اور ایک دوسرے کے قریب آگئے۔

لیکن جو لوگ وہاں ناآشنا اور بالکل اجنبی تھے' ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے تھے وہ یہاں آکر بھی ناآشنا اور بیگانے ہی رہے ان کی آپس میں دوستی قائم نہ ہو سکی۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی اس طرح ہے۔

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف ومن تناکر

عالم ارواح میں روحیں منظم گروہوں اور لشکروں کی صورت میں تھیں جو

منها اختلف
(صحیح البخاری . کتاب الأنبیاء . باب الارواح جنود مجندة . ۱ : ٤٦٩)

وہاں ایک دوسرے سے مانوس ہو گئیں انہوں نے یہاں آکر بھی ایک دوسرے کو پہچان لیا اور آپس میں گھل مل گئیں اور جو وہاں اجنبی رہیں وہ یہاں آکر بھی اجنبی ہی رہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگیں۔

اللہ تعالیٰ نے مقدس ترین مخلوق یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین عظام علیہم السلام کی بابرکت اور پاکیزہ ارواح کو بھی تخلیق فرمایا اور ان کے لئے مقدر فرمادیا کہ جب یہ نورانی اور مقدس ارواح دنیا میں جاکر پیکر خاکی میں جنم لیں گی تو وہاں ان کے وجود مسعود کو نبوت و رسالت کے شرف سے سرفراز کیا جائے گا۔ ان کے سروں پر تاج کرامت رکھا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ پیغام خداوندی بندوں تک پہنچائیں جو سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں انہیں "راہ ہدیٰ" دکھائیں اور ایمان لانے کی دعوت دیں۔

قدرت کاملہ نے جس روح پاک کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ "روح محمدی ﷺ" تھی اسے کمال محبت و شوق کے ساتھ تخلیق فرمایا۔ حسن تخلیق کی ساری شانیں، کمال تخلیق کی ساری قدرتیں، جمال و زیبائی کی ساری لطافتیں، شان و شوکت کی ساری رفعتیں، فردوس نور کی ساری نکہتیں اور گلستانِ تجلیات کی ساری بہاریں اس پر نچھاور کردیں اور اسے شاہکار ربوبیت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ماخلقت خلقا اکرم علی منك ولقد خلقت الدنیا واهلها لاعرفهم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ماخلقت الدنیا

(الانوار المحمدیة من المواهب ، ۱۱۵)

" میں نے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جو تجھ سے زیادہ مکرم ہو تحقیق میں نے دنیا

اور اہل دنیا کو پیدا کیا ہے تاکہ تیرے مقام و مرتبے سے انہیں آگاہ کروں تو نہ ہوتا تو دنیا کو پیدا نہ کرتا۔"

بتانا یہ تھا کہ زمین و آسمان زماں و مکان بلند و پست مرئی' غیر مرئی' چھوٹی بڑی ہر نوع کی مخلوق حتی کہ جنت اور اس کی نعمتیں تمام جہان اور ساری کائناتیں آپ ہی کے لئے بنائی ہیں بلکہ اظہار ربوبیت بھی اسی خاطر ہے۔ آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ کی تخلیق بھی اسی لئے عمل میں لائی گئی۔ "عالم بشریت" کو پیکر وجود دینے کا مطلب بھی ایسی مخلوق پیدا کرنا تھا جو آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ پہچانے۔ آپ ﷺ کی عظمت و رفعت اور محبت کے گیت گائے۔

اللہ تعالی نے اس عظیم ہستی اور سرمایہ افتخار تخلیق یعنی "روح محمدی ﷺ" کو اسی جہاں میں شان نبوت بھی عطا فرما دی اور منصب رسالت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس وقت سے ہی اس منصب جلیل پر فائز ہونے کی خبر خود ارشاد فرمائی۔

كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد (جامع الترمذی ، ۲ : ۲۰۱) (الطبقات الکبریٰ ، ۱ : ۱٤۸)	میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس ارشاد نبوت میں کسی استعارے اور مجاز کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت۔ کیونکہ مجاز کا سہارا وہاں لیا جاتا ہے جہاں حقیقت متعذر ہو' مگر یہاں ایسی کوئی مشکل درپیش نہیں اس لئے ارشاد گرامی کے مفہوم کو حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا۔

عالم ارواح میں نبوت عطا کئے جانے میں حکمت

حضور ﷺ کو اس دور فردوسی میں منصب نبوت عطا کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی عظمت و قدر کو دیکھتے ہوئے ذہن کے لئے اسے تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی اور دل بھی اس سلسلے میں کسی وسوسے اور شک و شبہ کو قبول نہیں کرتا مگر ایک سوال ابھرتا ہے کہ نبوت' ربانی سفارت اور اس دنیا میں پیغام خداوندی بندوں

تک پہچانے کا نام ہے لہٰذا عالم ارواح میں اس منصب کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقصد منصب نبوت عطا کرنا تھا تاکہ اس کے اعزازات اور خصائص سے آپ ﷺ کو نوازا جاسکے اور سب کو معلوم ہو کہ حضور ﷺ ابھی سے اس منصب جلیلہ پر فائز ہیں۔ سو آپ ﷺ کی نبوت عظمیٰ کے آداب ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی صدر مملکت منتخب ہو جاتا ہے اسے اس منصب کے اعزازات اسی وقت حاصل ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ امور جہانبانی' باقاعدہ چارج سنبھالنے کے بعد ادا کرتا ہے۔

اسی طرح ان لوگوں کا موجود نہ ہونا جن تک پیغام خداوندی پہنچانا ہے۔

منصب نبوت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہئے کہ حضور علیہ السلام اس وقت واقعتاً اس منصب نبوت پر فائز تھے۔

حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو نبوت عطا فرمائی اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ صرف عوام ہی کے نہیں بلکہ خواص کے بھی نبی ہیں یعنی "نبی الانبیاء" ہیں۔ آپ کی نبوت عالمگیر ہے۔ اسی لئے اس عالم میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ کو یہ حکم دیا گیا کہ اگر ان کے ادوار اور زمانوں میں یہ محبوب نبی ﷺ مبعوث ہو جائیں تو ان پر لازم ہو گا کہ نہ صرف ان پر ایمان لائیں بلکہ دل و جان سے ان کی اعانت بھی کریں تاکہ وہ فرائض نبوت بآسانی انجام دے سکیں۔ اس پختہ عہد کا ذکر قرآن میں یوں محفوظ کر دیا گیا: ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ، قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَالِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ●

(آل عمران، ۳ : ۸۱)

" اور اے حبیب! آپ یاد کریں اس وقت خاص کو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں (دنیا میں) کتاب و حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس میرا (عالمگیر نبوت والا) عظیم رسول آجائے (اور تمہاری تبلیغی مساعی اور پیغامات کی تصدیق کرے تو اس موقعہ پر) تمہیں ان پر ایمان لانا ہو گا اور لازمی طور پر ان کی مدد کرنا ہو گی۔ پھر اللہ پاک نے تاکیداً پوچھا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور میرے اس فرمان کی تعمیل کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو؟ سب انبیاء نے عرض کیا: ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا: تم سب اس فرمان پر (ایک دوسرے کے) گواہ ہو جاؤ اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔"

اسی عہد و پیمان خداوندی کے مطابق جتنے انبیاء کرام بھی اس دنیا میں تشریف لائے سب اپنی قوم اور امت کے سامنے حضور ﷺ کی نبوت شخصیت اور کمال و عظمت کا ضرور ذکر کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل کیں اور انبیاء کی طرف صحیفے بھیجے سب میں حضور ﷺ کی بعثت و نبوت کا ذکر بطور خاص فرمایا۔ ہر جگہ آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات اور نشانیوں کا تذکرہ ہوتا رہا۔ تورات و انجیل کے پڑھنے والے احبار و رھبان نے ان کتابوں کی روشنی میں آپ کو فوراً پہچانا یہ الگ بات ہے کہ وہ تعصب و عداوت کا شکار ہو گئے اور پہچان کر ماننے سے انکار کر دیا۔ ذیل میں اسی حقیقت کو تھوڑا تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

کتب سماویہ میں نبی الانبیاء ﷺ کی بشارات

تورات و انجیل قدیم ترین دو سماوی کتابیں ہیں جو اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بالترتیب نازل فرمائیں۔ تورات کے متبعین کو "یہود" اور انجیل کے پیروکار لوگوں کو "نصاریٰ" کہا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے خصوصی مقام و منصب اور عالمگیر نبوت کے حوالے سے ان دونوں مقدس آسمانی کتابوں میں "نبی الانبیاء حضرت محمد ﷺ" کے اوصاف

وخصائص بڑی تفصیل سے بیان کر دیئے گئے تھے تاکہ "آخری اور عالمگیر نبوت" کی پہچان میں کسی کو دقت نہ ہو اور ہر کوئی آسانی سے پہچان کر اتباع و پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو سکے اور پیروی کرنے والوں کو علی وجہ البصیرت یہ علم ہو کہ وہ اندھیرے میں ٹھوکریں نہیں کھا رہے' بلکہ جس ہستی کا دامن تھاما ہے وہ عظیم و جلیل ہستی وہی ہیں جن کا ذکرِ خیر سابقہ صحف و کتب میں موجود ہے اور ان کی خوبیوں کے بیان سے ان کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو ان کارناموں سے بھی آگاہ کر دیا گیا تھا جو "سید الانبیاء" نے اپنی بعثت کے بعد انجام دینا تھے۔

قرآن پاک نے بھی اس حقیقت کبریٰ کے رخ زیبا سے پردہ اٹھایا ہے کہ واقعتاً تورات وانجیل میں حضور ﷺ کے تذکار و اوصاف کھول کر بیان کر دیئے گئے تھے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ●

(الأعراف، ۷ : ۱۵۶-۱۵۷)

"ہم یہ رحمت ان خوش نصیبوں کے لئے مقدر فرما دیں گے جو شانِ تقویٰ اپناتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں جو اس امی نبی اور رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر پاک وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں موجود پاتے ہیں یہ کہ وہ انہیں ہر نیک کام کا حکم دیتے ہیں۔ اور ہر برے عمل سے روکتے ہیں پاکیزہ اشیاء ان کے لئے حلال ٹھہراتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام قرار دیتے ہیں اور ان کے سروں سے بھاری بوجھ اتارتے

ہیں اور دست و پا کی زنجیریں توڑتے ہیں۔ اس لئے جو سعادت مند لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی عزت و مدد کی اور جو نور تاباں ان کے ساتھ اتار اگیا ہے اس کی پیروی کی وہی لوگ فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔"

آپ ﷺ کا ذکر مبارک تو ایک طرف، تورات و انجیل میں تو آپ کے جاں نثار، عبادت گذار اور ایثار پیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر بھی کر دیا گیا تھا تاکہ دیکھنے والے کھلی آنکھوں سے ان کے غلاموں کے افعال اور شب و روز کے معمولات دیکھ کر بھی یقین و بصیرت حاصل کرلیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السَّجُوْدِ ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ.

(الفتح ، ٤٨ : ٢٩)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں بہت رحمدل ہیں تو دیکھے گا انہیں کہ وہ کبھی حالت رکوع میں اور کبھی حالت سجدہ میں ہیں وہ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی تلاش اور جستجو میں رہتے ہیں سجدوں کے نشاناتِ حسین ان کی پیشانیوں میں نمایاں ہیں تورات و انجیل میں ان کی یہ تمام نشانیاں اور مثالیں بیان کر دی گئی ہیں۔"

ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ تورات و انجیل میں حضور ﷺ کے القابات، فضائل و کمالات، آپ کی شریعت کے خصائص، اس کے علاوہ انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لئے آپ نے جو کارنامے انجام دینا تھے ان کا ذکر بھی تھا۔ اس حقیقت کا پتہ ان علماء یہود و رہبان کے ذریعہ بھی چلا جو بعد میں ایمان لائے قرآن پاک پڑھا اور اس میں حضور ﷺ کے القابات پڑھ کر بتایا کہ تورات و انجیل میں یہ القابات مذکور ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان بڑا ایمان افروز اور عشق و محبت کو جلا بخشنے والا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

ان صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في التوراة:
يأيها النبى انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا وحرزا للاميين، انت عبدى ورسولى سميتك المتوكل، ليس بفظ وغليظ. ولاسخب بالاسواق ولايجزي السيئة بالسيئة، ولكن يعفو ويصفح ولن اقبضه حتى اقيم به الملة المتعوجة، بان يقولوا لا اله الا الله، فيفتح به اعينا عميا واذانا صما وقلوبا غلفا فبلغ ذالك كعبا فقال: صدق عبد الله بن سلام

(الطبقات الكبرى، ۱ : ۳٦٠)

"تورات میں حضور ﷺ کے اوصاف و القاب اس طرح مذکور ہیں۔ اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، نوید مسرت سنانے والا، انجام سے ڈرانے والا، اور امی قوم کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے میں نے تجھے متوکل کا لقب دیا ہے۔ اے لوگو! وہ نبی تلخ مزاج اور سخت گیر نہیں نہ ہی بازاروں میں اونچی آواز سے بولنے والا ہے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے وہ درگذر سے کام لینے والا ہے میں انہیں اس وقت تک واپس نہیں بلاؤں گا جب تک ان کے ذریعہ راستے سے بھٹکی ہوئی ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کر دوں۔ یعنی وہ "لا الہ الا اللہ" پڑھ لے گی اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اندھی آنکھوں کو بینا کرے گا بہرے کانوں کو قوت سماعت بخشے گا اور دلوں پر پڑے ہوئے پردے تار تار کر دے گا۔"

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بھی علماء یہود میں سے تھے جب ان سے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کے اس بیان پر تبصرہ چاہا گیا تو انہوں نے فرمایا:

عبد اللہ ؓ کا بیان سو فیصد درست ہے واقعی تورات میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ تورات میں مذکور مندرجہ بالا اوصاف خود قرآن پاک بیان کر رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

الف) یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا۝ (الأحزاب، ۳۳: ۴۵-۴۶)

''اے پیارے نبی ہم نے آپ کو گواہ، خوش خبری سنانے والا، اور انجام سے ڈرانے والا، اور اللہ کے حکم سے ''داعی الی اللہ'' اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔''

ب) فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ. (آل عمران، ۳: ۱۵۹)

''(اے حبیب والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔''

یہی صورت حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے بیان فرمائی ہے۔

کان یقول، ان هذه الآیة فی القرآن ... هي في التوراة

وہ فرمایا کرتے تھے قرآن پاک کی یہ آیت تورات میں بھی موجود ہے۔

(دلائل النبوة للبيهقي، ۱: ۳۷۵)

اس کے بعد آیات پڑھتے تھے جو اوپر مذکور ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

انه سأل کعبا کیف تجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی التوراة؟ قال: نجده، محمد رسول الله، مولده بمکة و مهاجره الی طابة و یکون ملکه بالشام لیس بفحاش ولا صخاب في الاسواق ولایکافی بالسیئة ولکن یعفو. (الوفا باحوال المصطفی، ۳۸)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ تورات میں حضور ﷺ کا ذکر پاک کس اسلوب میں پاتے ہیں؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تورات میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر اس انداز میں ہوا ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں مکہ میں پیدا ہوں گے اور ہجرت کر کے طیبہ جائیں گے اور ان کی حکومت شام تک پہنچ جائے گی وہ فحش گو اور بازاروں میں چیخنے چلانے والے نہیں ہوں گے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دیں گے بلکہ معاف کر دیں گے۔"

وقال كعب: نجد مكتوباً: محمد رسول الله. لافظ ولاغليظ ولا صخاب بالاسواق، ولايجزى بالسيئة السيئة. ولكن يعفو ويغفر. وامته الحمادون. يكبّرون الله على كل نجد ويحمدونه في كل منزلة. يأتزرون على أنصافهم ويتوضئون على اطرافهم بهم ينادى في جو السماء. صفهم في القتال وصفهم في الصلوة سواء. لهم باليل دوى كدوى النحل، مولده بمكة مهاجره بطابة

(الوفا باحوال المصطفیٰ ۔ ۳۸)

"حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تورات میں مکتوب ہے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں وہ تند خو اور سخت مزاج نہیں اور نہ ہی بازاروں میں چیخنے چلانے والے ہیں وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ معاف کر دیں گے اور بخش دیں گے ان کی امت اللہ پاک کی بہت حمد کرنے والی ہو گی اس امت کے افراد ہر بلندی پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کریں گے اور ہر جگہ اس کی حمد بیان کریں گے اپنی چادریں جسم کے درمیانی حصہ پر باندھیں گے اور اطراف بدن دھو کر وضو کیا کریں گے مؤذن کھلی جگہ کھڑے ہو کر ان کو بلایا کرے گا۔ ان کے فوجیوں کی ایک صف میدان جنگ میں دشمن سے بر

سرپیکار ہوا کرے گی اور دوسری صف نماز پڑھنے میں مصروف ہو گی جس طرح شہد کی مکھی بھنبھناتی ہے اس طرح وہ رات کو دھیمی آواز سے ذکر الٰہی میں مشغول ہوا کریں گے اس عظیم نبی ﷺ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے اور ہجرت گاہ (مدینہ) طیبہ ہے۔"

O
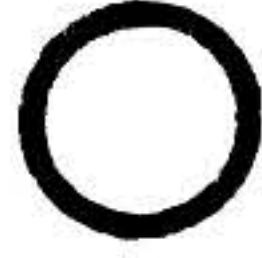
باب - ۲

انبیاء کرام علیہم السلام کی بشارات

قرآن پاک میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صراحت سے مذکور ہے کہ انہوں نے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد و بعثت کا ذکر فرمایا۔ دیگر آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بھی تشریف لائے وہ سب آخری نبی ﷺ کی آفاقی نبوت اور آپ ﷺ کی بے مثل شان و شوکت اور جلال و جمال کا ذکر کرتے رہے کثرت ذکر اور ہر دور میں اس کے حیرت انگیز چرچے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک اہم ترین وظیفہ یہ بھی تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی عظمت و وجاہت سے اپنی امت کو آگاہ کرتے رہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ نبی آخر الزمان، محبوب رب جہاں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی شان جلالت کے مختلف گوشے دیکھ کر خود انبیاء کرام علیہم السلام کے دل میں بھی حضور ﷺ کا امتی ہونے کی خواہش پیدا ہو جاتی تھی پھر یہ خواہش جب ذوق و شوق کا روپ دھار لیتی تھی تو دعا بن کر لب پہ آ جاتی تھی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور عظمت شان سے کون واقف نہیں۔ لیکن اس شان و شوکت اور قرب خاص کے باوجود ان حضرات نے اپنے اور اپنی قوم کے لئے دعا کی تو حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے والہانہ نسبت قائم کرنے کی خواہش بھی مچل گئی۔ ذیل میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور انکی دعا کا پس منظر ملاحظہ کریں۔

(۱) دعاء خلیل اور اس کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام براق لے کر جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے نومولود فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر یہاں سے نکلیں اور ایک اجنبی سرزمین پر چھوڑ آئیں۔

اطاعت شعار نبی محترم سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام نے اف تک نہ کی اور حکم ربانی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بیوی بچے کو لیا براق پر بیٹھے اور نئی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک سرسبز و شاداب جگہ آئی جہاں شیریں چشمے باغات اور پھل تھے، سہانی فضا اور بہار آفریں ماحول دیکھ کر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: کیا ہم یہاں سکونت اختیار کر لیں؟ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا یہاں اترنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر آگے چل پڑے منزلیں طے کیں ایک بے آب و گیاہ وادی میں پہنچے جہاں انسانی ضرورت کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ یہاں اتریں اور بیوی بچے کو بھی یہیں چھوڑ دیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام دنگ رہ گئے حیرت سے پوچھا: **حیث لا ضرع ولا زرع!**

اے جبریل! ایسی جگہ سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے ہو جہاں کسی قسم کے مال مویشی اور دور دور تک کسی کھیت بستی کا نام و نشان تک نہیں؟ مطلب یہ تھا کہ انسان زادے ایسے ویرانے میں کیسے گذارہ کریں گے؟ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے بتایا:

نعم ههنا، يخرج النبي الذي من ذرية ابنك الذين تتم به الكلمة العليا (الطبقات الکبریٰ، ۱ : ۱٦٤)

"ہاں اسی جگہ (اترنے کا حکم ہے) یہیں آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی

اولاد سے وہ نبی پیدا ہوں گے جن پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گا اور دین کی تکمیل ہو گی"۔

عورتوں کے دل اولاد کے معاملہ میں ممتا سے لبریز ہونے کی وجہ سے بڑے ناصبور اور بے قرار ہوتے ہیں ان نازک ترین لمحات میں حضرت ہاجرہ کی دلجوئی کرنے اور ڈھارس بندھانے کی بڑی ضرورت تھی تاکہ ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آنے پائے اور وہ بڑی استقامت و جرات کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

چنانچہ روایات میں ہے۔

جب حضرت ہاجرہ اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو لے کر نکلیں تو کوئی سامنے سے آیا اور کہا: اے ہاجرہ! بے شک تیرا یہ بیٹا بہت سے قبائل اور خانوادوں کا مورث اعلیٰ ہے اور اسی کی نسل سے وہ نبئ امی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے جو حرم شریف میں سکونت پذیر ہوں گے۔ (الخصائص الکبریٰ، ۱: ۹)

صحیفہ ابراہیمی میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ

انه كائن ولدك شعوب وشعوب حتى يأتي النبي الامي الذي يكون خاتم الأنبياء.

(الطبقات الكبرىٰ، ۱ : ۱۶۳)

آپ کے بیٹے کی نسل سے کئی خاندان جنم لیں گے یہاں تک کہ وہ نبی تشریف لائیں گے جو خاتم الانبیاء ہوں گے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ان فضائل و کمالات سے آگاہ ہو کر وفورِ شوق کے باعث آرزوئے جاں دعا بن کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مہکتے ہونٹوں پہ آگئی اور وہ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں عرض گذار ہوئے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ●

(البقرۃ، ۲ : ۱۲۹)

"اے اللہ! ان میں وہ رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے بے شک تو غالب و حکیم ہے۔"

اسی دعاءِ خلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

أنا دعوة أبى ابراهيم

(الطبقات الكبرىٰ، ۱ : ۱٤۹)

"میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔"

دوسری روایت میں ہے۔

أنا دعوة أبى ابراهيم وبشارة عيسى

(مسند احمد بن حنبل، ٤ : ۱۲۷)

میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش اور دعا

(الف) تورات کے بہت بڑے عالم حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

ان الله لما قرب موسى نجيا، قال: رب انى اجد في التوراة امة، خير امة اخرجت للناس، يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويومنون بالله، فاجعلهم امتى، قال: تلك امة احمد صلى الله عليه وسلم

"جب اللہ تعالیٰ نے کلام فرمانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرب خاص عطا فرمایا تو انہوں نے عرض کی اے میرے رب! تورات میں ایک امت کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں بتایا گیا ہے وہ تمام امتوں سے افضل ہو گی اس کے افراد نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھیں گے۔ "یا اللہ! یہ میری امت بنا دے!" اللہ پاک کی طرف سے جواب ملا: اے موسیٰ! یہ احمد ﷺ کی امت ہے۔" حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے عرض کی:

انی اجد في التوراة امة هم الاخرون من الامم السابقون يوم القيامة، فاجعلهم امتی، قال: تلك امة احمد صلی اللہ علیہ وسلم

"یااللہ! میں تورات میں ایک امت کے بارے میں یہ لکھا ہوا دیکھتا ہوں کہ وہ سب امتوں کے بعد آئے گی اور قیامت کے روز سب پر سبقت لے جائے گی اے رب کریم! یہ میری امت بنا دے۔"

ارشاد ہوا "اے موسیٰ! یہ احمد ﷺ کی امت ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کی۔

رب انی اجد في التوراة امة اناجيلهم في صدورهم، يقرأونها وكان من قبلهم يقرأون كتبهم نظرا ولايحفظونها فاجعلهم امتی، قال: تلك امة احمد صلی اللہ علیہ وسلم

"اے رب کریم! تورات میں ہے کہ ایک امت ہوگی ان کی انجیل ان کے سینوں میں ہوگی وہ اسے زبانی پڑھیں گے پہلے لوگوں کو اپنی ساوی کتابیں زبانی یاد نہیں ہوتی تھیں وہ انہیں دیکھ کر پڑھتے تھے۔ عرض کی: یا اللہ! یہ میری امت بنا دے۔ حکم ہوا اے موسیٰ! یہ بھی احمد ﷺ کی امت ہے۔"

عرض کی۔

انی اجد في التوراة امة يؤمنون بالكتاب الاول والاخر. ويقاتلون رؤس الضلالة حتى يقاتلوا الاعور الكذاب. فاجعلهم امتی، قال: تلك امة احمد صلی اللہ علیہ وسلم

"اے میرے مولیٰ! تورات میں ہے ایک امت پہلے اور بعد میں نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور جو لوگ گمراہوں کے سرغنہ ہیں ان سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ سب سے آخر میں جھوٹے کانے دجال سے نبرد آزما ہوگی یہ میری امت بنا دے۔ جواب ملا! یہ محمد ﷺ کی امت ہے۔"

قال: رب انی اجد في التوراة امة یاکلون صدقاتهم في بطونهم وکان من قبلهم اذا اخرج صدقته بعث الله علیها نارا فاکلتها. فان لم تقبل لم تقربها النار، فاجعلهم امتی، قال: تلك امة احمد صلی الله علیه وسلم

حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے رب! تورات میں ہے ایک امت ہو گی جو اپنے صدقات خود کھالیا کرے حالانکہ پہلی امتوں کے لوگ جب صدقہ نکالتے تو اللہ تعالیٰ ایک آگ بھیجتے تھے جو اسے بھسم کر دیتی تھی اگر وہ صدقہ قبول نہ ہوتا تو آگ اسے چھوتی بھی نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اسے میری امت بنادے ارشاد ہوا: یہ احمد ﷺ کی امت ہے۔

قال: رب، انی اجد في التوراة امة اذاهم احدهم بسیئة لم تکتب علیه فان عملها کتبت علیه سیئة واحدة واذاهم احدهم بحسنة ولم یعملها کتبت له حسنة، فان عملها، کتبت عشر حسنات الی مائة ضعف فاجعلهم امتی، قال: تلك امة احمد صلی الله علیه وسلم

عرض کی: "اے میرے رب کریم! تورات میں ایک امت کے بارے میں ہے کہ جب اس کا کوئی فرد گناہ کا ارادہ کرے گا تو کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر کرے گا تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اور جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ کرے گا لیکن اسے کرے گا نہیں تو پھر بھی صرف ارادہ کرنے پر اسے ایک نیکی کا ثواب عطا کر دیا جائے گا اور اگر اس نیک ارادے کو عملی جامہ پہنالے گا تو اسے دس سے لے کر سو گنا تک اجر دیا جائے گا یا اللہ! یہ میری امت بنا دے۔ حکم ہوا اے موسیٰ! یہ بھی میرے احمد ﷺ کی امت ہے۔"

قال: رب، انی اجد في التوراة امة هم المستجیبون والمستجاب لهم فاجعلهم امتی قال: تلك امة احمد صلی الله علیه وسلم

عرض کی: "اے میرے پروردگار تورات میں ہے کہ ایک امت قبولیت کے درجے پر فائز ہوگی اور اس کی دعائیں بھی قبول کی جائیں گی یہ میری امت بنا دے پیغام ملا: یہ بھی میرے احمد ﷺ کی امت ہے۔"

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احمد مختار ﷺ کی امت کے یہ فضائل دیکھے تو حیران رہ گئے سوچا جن کی امت کی یہ شان ہے خود ان کی کیا شان ہوگی اسی وقت ان کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی جو دعا کی صورت میں ہونٹوں پر مچل گئی بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

"اے میرے مولیٰ! اگر احمد مختار ﷺ کی امت کی یہ قدر وقیمت ہے تو **فاجعلنی من امۃ احمد** مجھے بھی نبی احمد ﷺ کی امت میں شامل کردے۔

فاعطی عند ذالك خصلتين فقال تعالى: ياموسى انى اصطفيتك على الناس برسالاتى وبكلامى فخذ ماآتيتك وكن من الشاكرين قال قد رضيت يارب

(دلائل النبوة لابى نعيم، ۳۰-۳۱)
(دلائل النبوة للبيهقى ، ۱: ۳۷۹-۳۸۰)
(الخصائص الكبرىٰ ، ۱ : ۱۱)

"اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو اس دعا کی برکت سے دو شانیں عطا کی گئیں:
حکم ہوا: اے موسیٰ ہم نے تجھے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ کلام کے لئے چن لیا لہٰذا جو کچھ تمہیں دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی! اے میرے رب میں راضی ہوں۔"

تنبیہہ اور بشارت

(ب) حضور نبی کریم ﷺ کا سلسلہ نسب معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں معد کی اولاد اپنی کثرت کے باعث غلبہ واقتدار کی علامت سمجھی جاتی تھی یہ لوگ اس ماحول اور اس دور کے خاص اثرات کے تحت کسی مقام پر بھی اپنی

قوت کے مظاہرے سے نہیں چوکتے تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بھی معاف نہ کیا اور یہاں بھی لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ شروع کر دیا جو موسیٰ علیہ السلام کو اچھا نہ لگا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے لئے بددعا کی:

فاوحی اللہ الیہ لاتدع علیھم فان منھم النبی الامی النذیر البشیر ومنھم الامة المرحومة امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم الذین یرضون من اللہ بالیسیر من الرزق ویرضی اللہ منھم بالقلیل من العمل فیدخلھم الجنة یقول لا الہ الا اللہ نبیھم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب المتواضع في ھیبة المجتمع لہ اللب في سکوتہ ینطق بالحکمة ویستعمل الحلم

(الخصائص الکبریٰ، ۱ : ۹-۱۰)

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ! اس خاندان پر بددعا نہ کر کیونکہ اسی خاندان سے نبی امی بشیر و نذیر پیدا ہوں گے اور ان ہی سے رحمتِ خداوندی میں ڈوبی وہ امت جنم لے گی جو میرے محمد ﷺ کی امت ہو گی اس امت کے قناعت پسند لوگ تھوڑے سے رزق پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جایا کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو جایا کرے گا۔ انہیں لا الہ الا اللہ پڑھ لینے کی بدولت جنت میں داخل کرے گا۔ ان کے نبی محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں گے جو اپنی جلالتِ شان کے باوجود نہایت متواضع ہوں گے فہم و فراست کی ساری قدریں ان کے سکوت میں جمع ہوں گی حکمت آمیز باتیں کریں گے اور بہت ہی حلیم و بردبار ہوں گے۔

ایک قرض خواہ یہودی کا دلچسپ واقعہ

ابن سعد نے "الطبقات" میں امام زہری سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں ایک یہودی نے تورات میں موجود آپ ﷺ کی صفات پڑھ رکھی تھیں۔ اس نے بغور جائزہ لیا' ہر صفت بہ تمام و کمال موجود تھی' لیکن وہ بردباری کا مشاہدہ نہ کر سکا تھا اس نے اس صفت کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یہودی خود بیان کرتا ہے۔

إني أسلفته ثلاثين دينارا إلى اجل معلوم — میں نے حضور کریم ﷺ کو تیس دینار ادھار دیئے اور مدت بھی مقرر کر دی۔

دن گذرتے رہے جب مدت ختم ہونے میں ایک دن باقی رہ گیا تو میں دل میں بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق دانستہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور سخت لہجے میں کہا:

يامحمد اقض حقي. فانكم معاشر بني عبد المطلب مطل — اے محمد ﷺ! میرا قرض ادا کیجئے کیونکہ آپ اولاد عبد المطلب بہت ٹال مٹول کرنے والے لوگ ہیں۔

عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے ادب شعار حاضرین صحابہ کرام کو یہ کھردرا انداز تخاطب بہت برا لگا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو حسب معمول غصے کو ضبط نہ کر سکے اور سخت جلال میں آکر یہودی سے مخاطب ہوئے۔

يا يهودي الخبيث! اما والله لولا مكانه لضربت الذي فيه عيناك — او خبیث یہودی! اگر حضور ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ادب مانع نہ ہوتا تو ابھی تیرا یہ سر جدا کر دیتا جس میں دو آنکھیں چمک رہی ہیں۔

لیکن پیکر علم و حلم نبی ﷺ نہایت سکون و قرار سے بیٹھے رہے یہودی کی طعن آمیز گفتگو سے آپ کو بالکل غصہ نہ آیا حسب معمول ضبط و تحمل اور وقار کے ساتھ تشریف فرما رہے الٹا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے عمر! ہمیں تم سے کسی اور سلوک کی توقع تھی وہ شخص قرض خواہ ہے اسے ہر انداز اپنانے کا حق پہنچتا ہے تمہیں چاہیے تھا کہ ہمیں ادائیگی قرض کی تلقین کرتے اور اسے سمجھاتے کہ اس انداز سے مطالبہ نہیں کیا کرتے ہیں"۔

اب جاؤ! جاکر اس کا قرض ادا کرو اور کچھ زائد بھی دو اور اس کا جو بھی مطالبہ ہو وہ پورا کرو۔ یہودی اس موقعہ پر اپنے تاثرات بیان کرتا ہے

فلم یزدہ جہلی الا حلما

میری بد تمیزی اور ڈھٹائی سے نبی اکرم ﷺ کے حلم میں اور اضافہ ہوا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر گئے اور حکم کے مطابق قرض ادا کر دیا اور کچھ زائد بھی دیا۔ میں یہ صورت حال دیکھ کر بے ساختہ چلا اٹھا۔

اشهد ان لا اله الا الله وانه رسول الله. ماحملني على ما رايتني صنعت ياعمر الا اني قد كنت رايت في رسول الله صلى الله عليه وسلم. صفته في التوراة كلها الا الحلم. فاختبرت حلمه اليوم فوجدته على ما وصف في التوراة

(الطبقات الكبرىٰ. ۱: ۳۶۱)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں اے عمر! جو کچھ میں نے کہا' اس پر مجھے ابھارنے والی یہ بات تھی کہ میں نے تمام صفات سرور دو عالم ﷺ کی ذات میں دیکھ لی تھیں لیکن حلم والی صفت کا جائزہ نہیں لیا تھا' سو وہ آج آزما لیا اور بالکل تورات کے مطابق پایا"۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتِ عظمیٰ

جو انبیاء کرام علیہم السلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عالمگیر نبوت کی خبریں

اور عالیشان بعثت کی بشارتیں بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ مگر آپ کی بشارت کا اس حوالے سے امتیاز حاصل ہے کہ آپ کے اور حضور کریم ﷺ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔ اسی لئے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دور میں صراحت سے فرمادیا تھا جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

يَابَنِيْ إِسْرَائِيْلَ، اِنِّي رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ

(الصف، ٦١ : ٦)

"اے بنی اسرائیل! میں صرف تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ سے پہلے جو تورات نازل ہوئی ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک عظیم الشان رسول تشریف لائیں گے جن کا اسم گرامی احمد ہے"۔

(۲) مقاتل بن حیان روایت فرماتے ہیں۔

أوحى الله عزّ وجل إلى عيسى بن مريم: جدّ في أمري ولاتهزل واسمع واطع، يابن الطاهر البكر البتول: إني خلقتك من غير فحلٍ فجعلتك آية للعالمين، فإياي فاعبد، وعليّ فتوكل، فسر لاهل سوران بالسريانية، بلغ من بين يديك إني أنا الله الحي القيوم الذي لا أزول، صدّقوا النبي الامىّ العربىّ صاحب الجمل والمدرعة العمامة

(دلائل النبوة لامام البيهقى، ۱ : ۳۷۸)

(ابن عساكر في تاريخه المختصر. ۱: ۳۴۴)

"اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی جو بات کہی جانے والی ہے اس میں سنجیدگی اور متانت کو ملحوظ خاطر رکھو اور غور سے سنو اور اطاعت کرواے کنواری

پاک مریم کے فرزند ارجمند! میں نے تجھے باپ کے بغیر پیدا کیا اور کائنات کے لئے اپنی قدرت و شان خلاقی کی نشانی بنایا ایک بہت اہم بات غور سے سن اور اس پر عمل کر! اور بڑی متانت و سنجیدگی سے اس کی طرف توجہ دے۔ بات یہ ہے کہ میری ہی عبادت کر! اور مجھ پر ہی توکّل کر! جو اہل سوران تیرے پاس موجود ہیں ان کے لئے سریانی زبان میں یہ حقیقت کھول کر بیان کر دے کہ حی و قیوم معبود حقیقی اللہ میں ہی ہوں جس کے لئے فنا نہیں (ان سے کہدو!) تصدیق کرو نبی امی عربی کی وہ اونٹ پر سواری فرمانے والے ہوں گے زرہ زیب تن کرنے والے ہوں گے دستار مبارک سر پر باندھنے والے ہوں گے"۔

ابن عساکر نے اونٹ اور عصا والے اوصاف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے یہ حضور ﷺ کے عربی ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ جانور عرب شریف ہی میں پایا جاتا ہے اور جو سوار ہو' وہ اپنے ہاتھ میں ایک عصا رکھتا ہے تاکہ بوقت ضرورت اس سے کام لے سکے۔

(حجتہ اللہ علی العالمین' ۱۱۴)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی

ان صدق بمحمد ومرامتك من ادركه منهم ان يؤمنوا به، فلولا محمد ماخلقت آدم ولولا محمد ماخلقت الجنة والنار، ولقد خلقت العرش فاضطرب فكتبت عليه "لا اله الا الله محمد رسول الله" فسكن

(الوفا باحوال المصطفى . ٦٠)

"میرے محمد ﷺ کی تصدیق کرو! اور اپنی امت کو کہدو! جو بھی ان کو پائے ان پر ایمان لے آئے کیونکہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو بھی پیدا نہ کرتا جب میں نے عرش پیدا کیا تو اس پر اضطراب طاری ہو گیا میں نے اس پر کلمہ طیبہ لکھ دیا تو وہ ساکن ہو گیا"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک طویل خطبہ دیا جس کے اسلوب سے اندازہ

ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے رویے سے نالاں تھے اور ان کے خلاف کسی مددگار کے خواہاں تھے بڑے حسرت بھرے لہجے میں آپ نے فرمایا۔

فلو قد جاء المنحمنا هذا الذي يرسله الله اليكم

والمنحمنا بالسريانية، محمد. وهو بالرومية البرقليطس

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ۲۳۳)

"اے کاش! وہ منحمنا ابھی آجاتا' جو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف بھیجے گا۔"
"سریانی زبان میں محمد کو منحمنا اور رومی زبان میں برقلیطس کہتے ہیں۔"

یوحنا اور برناباس کی اناجیل میں بھی بہت سی بشارات کا ذکر ہے۔ مثلاً

15- If you love me keep my commandments.

16- And I will pray the father . and he will give you another counselor to be with you for ever.

(St.John,Ch.14, Nelson' New York)

اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے احکام پر عمل کرو اور میں باپ کی بارگاہ میں دعا کروں گا۔ (چنانچہ) وہ تمہیں ایک دوسرا راحت رساں عطا فرمائے گا جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔

30-I will not longer talk much with you, for the ruler of this world is coming, and he has nothing in me.

(St .John,Ch.14 Nelson New York)

بہت سے باتیں تم سے نہیں کروں گا کیونکہ کائنات کا حاکم مختار آرہا ہے اور اس جیسی کوئی شان مجھ میں نہیں۔

7-Neverthless I tell you the truth; it is to your advantage that I go away; for if I do not go away, the comforter will not come to you.

but if I depart, I will send him to you.

(St . John,ch.16 Nelson New York)

تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ تمہارے ہی لئے مفید ہے کہ میں جاؤں کیونکہ اگر میں نہیں جاؤں گا تو وہ راحت رساں تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر میں چلا گیا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

13- Howbeit when he, the spirit of truth, comes, he will guide into all the truth: for he shall not speak of himself, but what soever he shall hear, that shall he speak and he will shew you things to come.

(St .John,ch.16)

تاہم جب وہ سراپا صدق تشریف لائے گا تو وہ سچائی کی راہ دکھائے گا کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی آگے بیان کرے گا۔ اور وہ تمہیں آنے والی چیزوں کی خبر دے گا۔

○

باب ۔ ۳

احبار و رھبان کی بشارات

یہودی علماء کو احبار اور عیسائی علماء کو رھبان کہتے ہیں اُس دور "فساد و ابتلاء" میں یہی لوگ اہل کتاب اور اہل علم تھے ان کے سوا پوری دنیا جہالت، بت پرستی، ضعیف الاعتقادی اور ہفوات و اباطیل کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کسی کو ہوس و نفس کے مکروہ تقاضے پورے کرنے اور حیوانیت و درندگی کا مظاہرہ کرنے کے سوا کسی اور چیز سے سروکار نہ تھا باطل پرستی میں مگن اور بتوں کے آگے سرنگوں وہ اپنے ہی حال میں مست تھے۔ جانوروں جیسی زندگی گذار رہے تھے جس میں علم و ہنر کی روشنی کا کوئی دخل نہ تھا۔

لیکن احبار و رھبان کا ایک خاص طبقہ اس تاریکی سے تقریباً محفوظ تھا ان کے پاس سابقہ آسمانی کتب کے علوم کی صورت میں ایک قندیل نور تھی جس کی روشنی میں انہیں راہ ہدایت صاف اور واضح نظر آ رہی تھی۔

وہ اپنی اولاد کو بھی یہ روشنی تقسیم کرتے رہتے تھے اور شوق دلایا کرتے تھے کہ جب بعثتِ محمدی ﷺ کا وقت آئے تو وہ کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ تاکہ فوز و فلاح دائمی سعادت اور ابدی کامیابی ان کے قدم چومے اور وہ اللہ کے مقبول بندوں میں سے ہو جائیں۔

یہ قندیلِ نور دراصل صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہونے والا ایک خاص پیغام تھا جو یہ ہے۔

" فارقلیط، منمنا، برقلیطس، محمد اور احمد ﷺ آنے والے ہیں"۔

وہ نبی آخر الزماں ﷺ اور کائنات کے نجات دہندہ ہیں ناروا بوجھ اور طوق و سلاسلِ غلامی سے چھڑانے والے ہیں۔ اے لوگو! اس مسیحا کا انتظار

کرو اور اس کی غلامی اطاعت اور پیروی کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو اب وہی سلسلۂ نبوت کا آخری نشان رہ گئے ہیں ان کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا وہ آئیں گے تو کائنات کو اجالوں برکتوں رحمتوں اور سعادتوں سے بھر دیں گے جو ان کا قرب پائے گا وہ امن و اطمینان کے مضبوط حصار میں آجائے گا جو ان کے حضور بیٹھے گا وہ رحمتِ الٰہی کے آغوش میں چلا جائے گا۔ وہ سکون و قرار کا مخزن امن و عافیت کا گہوارہ اور رحمت و شفقت کا سمندر ہوں گے۔ گندگی میں لتھڑے ہوئے بدبودار انسانوں کو آبِ حیات سے دھو کر "امر" کر دیں گے انہیں سرور سرمدی اور حیاتِ جاودانی عطا کریں گے انہیں اخلاق و شرافت اور تہذیب و تمدن کے اعلیٰ مناصب تک پہنچا دیں گے وہ سیرت و کردار کا اعلیٰ معیار پیش کریں گے۔

اس دور میں ہر حبر' راہب' پادری اور عالم اپنی جگہ ایک مکمل درسگاہ تھا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر اسی کام اور تبلیغ میں لگا ہوا تھا اور اسے زندگی کی سب سے بڑی متاع تصور کرتا تھا۔ جو گم گشتانِ راہِ ہدایت اور رہ نوردانِ ضلالت ان کے حضور پہنچ کر من کی روشنی کے لئے ان کے علم سے اکتسابِ فیض کرنا چاہتے اور آسمانی ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ بڑی فراخدلی سے اس کی رہنمائی کرتے اور حق و صداقت کی راہ دکھاتے۔

اس کی چند ایمان افروز اور حیرت انگیز جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

(ا) ساموک یہودی کا بیان

تبع یمن کا بادشاہ تھا قوم تبع کا ذکر سورہ قاف میں بھی ہے یہ بادشاہ کسی بات پر "اہل مدینہ" سے بگڑ گیا اور وہاں آباد "یہودیوں" کو تباہ و برباد کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس نے پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تمام انسانی اور اخلاقی ضابطے بالائے طاق رکھ کر انہیں واضح الفاظ میں بتا دیا کہ اب تمہاری مکمل تباہی و بربادی کا وقت آگیا ہے میں تمہاری نسلوں کو مٹا دوں گا۔

ساموک یہودی بڑا دانا اور صاحب علم شخص تھا وہ بادشاہ کے پاس گیا اور کہا۔

ایها الملك ان هذا بلد یکون إلیه مهاجر نبی من بنی اسماعیل مولده مکة اسمه احمد وهذه دار هجرته

"اے بادشاہ! غور سے سن! حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے مکہ مکرمہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے ان کا نام احمد ہو گا یہ مقدس شہر ان کی "ہجرت گاہ" ہے"۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ان منزلك هذا الذی انت به یکون به من القتلی والجراح امر کبیر فی اصحابه وفی عدوهم

"جس جگہ تم موجود ہو یہاں ان کے اصحاب اور دشمنوں کے درمیان زبردست جنگ ہو گی اور دونوں طرف سے کافی لوگ مارے جائیں گے اور زخمی ہوں گے"۔

بادشاہ نے کہا:

اے ساموک! دشمن کہاں سے آئیں گے جبکہ تم کہہ رہے ہو وہ نبی ہوں گے؟ اس نے جواب دیا۔

ان کی قوم ہی ان کی دشمن ہو گی اور قتال کے لئے یہاں تک آ جائے گی۔

بادشاہ نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ پھر انجام کیا ہو گا۔

ساموک نے جواب دیا: ان جنگوں میں نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو مکمل فتح حاصل ہو گی مگر کبھی جزوی طور پر انہیں بظاہر شکست بھی ہو گی لیکن بالآخر مکمل کامیابی انہیں ہی نصیب ہو گی۔

بادشاہ نے پوچھا: اب یہ بتاؤ! وہ نبی اکرم ﷺ کہاں وصال فرمائیں گے اور ان کی آخری آرام گاہ کہاں ہو گی؟

ساموک نے جواب دیا: وہ اسی شہر میں وصال فرمائیں گے اور اسی جگہ ان کا روضہ اقدس ہو گا۔

بادشاہ نے اشتیاق سے پوچھا: اچھا اب ان کا حلیہ مبارک بھی بیان کرو!

ساموک نے اسے بتایا:

رجل ليس بالطويل ولا بالقصير، في عينيه حمرة يركب البعير.
ويلبس الشملة، سيفه على عاتقه، لايبالي من لاقى اخا او ابن
عم او عما حتى يظهر امره.

(الطبقات الكبرٰی ، ۱ : ۱۵۹)

''اُن کا قد مبارک درمیانہ ہو گا بالکل کوتاہ قامت یا بہت لمبے قد والے نہیں ہوں گے ان کی دونوں آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے زیادہ تر اونٹ کی سواری فرمائیں گے شملہ لٹکائیں گے تیغ بدست ہوں گے دین کے معاملے میں بھائی' چچا' ان کی اولاد وغیرہ کسی بھی رشتے کی پرواہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ انہیں غلبہ حاصل ہو جائے گا۔''

تبع بادشاہ نے جب یہ حقیقت افروز باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آنے والے عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں اس شہر کو گرانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے وطن یمن کی طرف واپس چلا گیا۔

(۲) زید بن عمرو بن نفیل کی گرانقدر گواہی

''زید بن عمرو'' خطاب کے بھائی ''عمرو'' کے بیٹے تھے اس رشتے سے وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی لگتے تھے مگر اپنی قوم کی ذہنی و جسمانی اور روحانی پراگندگی کے برعکس وہ ایک وضعدار بااصول دور اندیش اور پرہیز گار انسان تھے۔ انہیں اپنی قوم کے بے معنی افعال واعمال اور لایعنی حرکات سے اتفاق نہ تھا وہ انہیں پتھروں کے آگے جھکتے قربانیاں دیتے اور گڑگڑاتے دیکھ کر دل سے کڑھتے اور سمجھاتے کہ

نادانو! کس کو خدا مان رہے ہو اور کس سے التجا کر رہے ہو۔ جو خود بے دست وپا اور ہلنے جلنے سے معذور ہے۔ اپنے اوپر بیٹھی ایک مکھی تک نہیں اڑا سکتا۔

ہوش میں آؤ! شرفِ آدمیت کے خلاف حرکتیں چھوڑ دو۔ اپنے مقام و مرتبہ کے لائق باوقار کردار اپناؤ جس سے مردانہ وقار اور انسانیت کا شرف ٹپکتا ہو۔ یہ کیا کہ اپنے ہی

گھڑے ہوئے پتھروں کے آگے ذلیل و خوار ہو کر ماتھے رگڑ رہے ہو اور اس میں اپنا افتخار سمجھتے ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اس دور کا اپنا ایک مشاہدہ بیان فرماتی ہیں کہ۔

لقد رأيت زيد بن عمرو بن نفيل شيخا كبيرا مسندا ظهره إلى الكعبة، وهو يقول: يامعشر قريش، والذي نفس زيد بن عمرو بيده، ما اصبح منكم احد على دين ابراهيم غيرى، ثم يقول: اللهم لو انى اعلم اي الوجوه احب اليك عبدتك به، ولكنى لا اعلمه ثم يسجد على راحته

(السيرة النبوية لابن هشام ، ٢٢٥)

"میں نے عظیم بزرگ زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ حسرت و یاس کی تصویر بنے کعبہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں اور غم انگیز لہجے میں اپنی نادان قوم سے مخاطب ہیں۔ اے گروہِ قریش! اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں زید کی جان ہے آج میرے سوا کوئی بھی "دین ابراہیمی" کا متبع نہیں ہے۔ پھر بصد ادب و نیاز اپنے خالق و مالک کے حضور گڑگڑاتے۔ اے اللہ! اگر مجھے اس اندازِ عبادت کا پتہ ہوتا جو تجھے پسند ہے تو میں اسی انداز سے تیری عبادت کرتا لیکن صد افسوس کہ میں اس حسین انداز سے واقف نہیں پھر اپنی ہی ہتھیلی پر سجدہ ریز ہو گئے۔"

آپ کا چچا خطاب ضلالت کے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا اور اپنی گمراہ قوم کی طرح فرسودہ آبائی عقائد کے معاملہ میں بڑا متشدد تھا اسے اپنے بھتیجے کے یہ باغیانہ اطوار اور موحدانہ انداز بالکل پسند نہیں تھے اس لئے زید کو ڈانٹتا رہتا تھا کہ ان مخالفانہ حرکتوں سے باز آجائے اور "قومی نظریات" کے خلاف نفرت نہ پھیلائے وہ نہیں چاہتا تھا کہ قوم اور اس کے نوجوان مروجہ نظام کے خلاف کسی اور نظام سے واقف ہوں اس لئے اس

نے زید کو اپنے نظریات و خیالات کی تبلیغ اور موحدانہ افکار کے پرچار سے روکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا، لیکن جب زید نے کوئی اثر نہ لیا تو خطاب تشدد پر اتر آیا جب اس سے بھی کام نہ چلا تو اس نے قوم کے نوجوان گمراہ غنڈوں کو حکم دیا کہ اسے سرزمین مکہ سے نکال دیں اور شہر میں واپس نہ آنے دیں۔

چنانچہ زید "کوہ حرا" پر تشریف لے گئے جب بھی شہر میں آتے تو اوباش سر پھرے نوجوان پیچھے لگ جاتے اور مکہ مکرمہ سے باہر جانے پر مجبور کر دیتے جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو تلاش حق میں مستقل سفر کر کے کسی دوسرے مقام پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ موصل جزیرہ شام اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں پہنچ کر آپ نے چوٹی کے علماء واحبار اور مشہور ترین راہبوں اور پادریوں سے ملاقات کی۔ اپنے پُر صعوبت اور طویل ترین سفر کا مدعا بیان کیا مگر کہیں بھی درد دل کا درماں نہ پایا۔ تجارتی دکانیں تھیں جنہیں وہ دین و مذہب کے نام پر سجا کر بیٹھے ہوئے تھے اور مخلوق خدا کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے۔

آخر طلبِ صادق اور جستجوئے حق نے آپ کو ایک آشنائے منزل تک پہنچا ہی دیا جس نے "شہریار" کا پتہ دیا۔ "میفعہ" نامی مقام پر ایک دانائے راز راہب سے ملاقات ہو گئی۔

فساله عن الحنيفية دين ابراهيم فقال: انك لتطلب دينا ما انت بواجد من يحملك عليه اليوم، ولكن قد اظل زمان نبي يخرج من بلادك التي خرجت منها يبعث بدين ابراهيم الحنيفية فالحق بها، فانه مبعوث الان هذا زمانه

(السيرة النبوية لابن هشام ، ۱ : ۲۳۱)

اس سے "دینِ حنیف یعنی دینِ ابراہیم" کے بارے میں پوچھا راہب نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے تم دینِ حق کی طلب میں ہو آج ایک شخص بھی ایسا نہیں جو

تمہیں اس کی نشاندہی کر سکے لیکن ایک بات غور سے سنو! اس عظیم نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے جو دینِ ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوں گے اور اسی شہر میں ظہور فرمائیں گے جہاں سے تم آئے ہو اس لئے وہیں چلے جاؤ! وہ مبعوث ہونے ہی والے ہیں اور یہی ان کا زمانہ ہے‘‘۔

حضرت عبد الرحمان بن زید بن خطاب راوی ہیں: ایک دفعہ زید بن عمرو بن نفیل نے بتایا:

شاممت النصرانية واليهودية فكرهتهما، فكنت بالشام وما والاه حتى اتيت راهبا في صومعة، فوقفت عليه، فذكرت له اغترابى عن قومى وكراهتى عبادة الاوثان واليهودية والنصرانية فقال لى: أراك تريد دين ابراهيم .... كان حنيفا لم يكن يهوديا ولانصرانيا، كان يصلى ويسجد الى هذا البيت الذى ببلادك، فالحق ببلدك، فان نبيا يبعث من قومك في بلدك يأتى بدين ابراهيم بالحنيفية وهو اكرم الخلق على الله،

(الطبقات الكبرىٰ، ۱ : ۱۶۲)

’’میں نے یہودیت اور نصرانیت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا مگر مجھے دونوں پسند نہ آئیں ایک دفعہ میں ملک شام کے قرب و جوار میں تھا کہ وہاں ایک گرجے میں ایک راہب سے ملا اور اسے بتایا کہ اپنی قوم سے کٹ کر رہ گیا ہوں اور بت پرستی اور یہودیت اور نصرانیت کو ناپسند کرتا ہوں۔ راہب نے کہا: ایسا لگتا ہے کہ تو دینِ ابراہیمی کا ”جویا“ ہے بے شک وہ حنیف تھے یہودی اور نصرانی نہیں تھے وہ اسی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تھے جو کعبہ تیرے شہر مکہ میں ہے وہیں چلا جا تیرے اسی شہر میں تیری ہی قوم سے ایک عظیم الشان نبی ”دین ابراہیمی کے ساتھ“ تشریف لانے والے ہیں جو اللہ تعالٰی کے ہاں تمام مخلوق سے افضل اور پیارے ہیں‘‘۔

حضرت عامر بن ربیعہ اپنے ایمان لانے کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ زید بن عمرو نے مجھے بتایا۔

میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک نبی کا منتظر ہوں لیکن محسوس ہوتا ہے میں اس وقت تک زندہ نہیں رہوں گا۔

وانا اؤمن به، واصدقه واشهد انه نبی، فان طالت بك مدة فرایته فاقراه منی السلام

"میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں اگر تیری زندگی وفا کرے اور تو ان کی زیارت سے مشرف ہونے میں کامیاب ہو جائے تو ان کی عظیم بارگاہ میں میرا سلام پیش کرنا۔"

دیکھو! میں تمہیں ان کی کچھ نشانیاں بتائے دیتا ہوں تاکہ اخفاء نہ رہے۔

"وہ میانہ قامت انسان ہوں گے۔ ان کے بال نہ بہت زیادہ اور نہ بہت کم ہوں گے ان کی آنکھوں میں سرخی ہمیشہ موجود رہے گی ان کے کندھوں کے درمیان "مہر نبوت" ہوگی اور ان کا اسم گرامی احمد ہوگا یہی شہر مکہ ان کی جائے پیدائش ہے اسی جگہ مبعوث ہوں گے پھر ان کی قوم انہیں یہاں سے ہجرت پر مجبور کر دے گی اور ان کی لائی ہوئی ربانی تعلیمات کو ناپسند کرے گی یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے طیبہ میں آجائیں گے یہاں ان کی تحریک کو غلبہ نصیب ہوگا۔"

فایاك ان تخدع عنه فانی طفت البلاد كلها اطلب دین ابراهیم. فكل من اسأل من الیهود والنصاری والمجوس یقولون. هذا الدین وراءك، وینعتونه مثل مانعته لك، ویقولون لم یبق نبی غیره.

"خبردار! کسی دھوکے میں نہ رہنا میں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں کئی ممالک

کا سفر کیا ہے میں نے جہاں بھی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے اس بارے میں سوال کیا سب نے یہی جواب دیا: یہ دین تیرے پیچھے ہے۔ جہاں سے تو آیا ہے اور وہ سب وہی اوصاف بیان کرتے رہے جو میں نے تیرے سامنے بیان کئے ہیں وہ سب یہی بتاتے تھے کہ اب ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔

چنانچہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے دل پر یہ پر زور اور مخلصانہ نصیحت نقش ہو گئی اور یہ اطلاع ملتے ہی اسلام لے آئے اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

فلما اسلمت إخبرت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قول زيد بن عمرو واقراته منه السلام، فرد عليه السلام ورحم عليه وقال: قد رايته في الجنة يسحب ذيولا

(الطبقات الکبریٰ ، ۱: ۱۶۱-۱۶۲)

"جب میں مسلمان ہو گیا تو حضور کریم ﷺ کو زید کی تمام باتیں بتائیں اور سلام بھی پہنچایا حضور ﷺ نے اس روح سعید پر کرم فرماتے ہوئے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور دعائے رحمت کی اور بتایا ہم نے اسے جنت میں دامن گھسیٹ کر چلتے ہوئے دیکھا ہے۔"

حضرت زید کے صاحبزادے جناب سعید بن زید بھی باپ کی طرح بڑے سعید فطرت حق پسند تھے جلد ہی ایمان لے آئے چونکہ اپنے باپ کی حق پسندی عبادت و ریاضت اور موحدانہ طور طریقوں سے آگاہ تھے اور ان کی بخشش کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے اس لئے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

انستغفر لزيد بن عمرو — کیا ہم زید کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعائے مغفرت کریں؟

ان کی توقع کے عین مطابق نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا:

نعم، فانه یبعث امة وحده

(السیرة النبویة لابن هشام ، ۲۲۶)

ہاں تم اس کے لئے دعائے مغفرت کر سکتے ہو وہ (تلاش حق میں اتنے مخلص تھے کہ) قیامت کے دن تنہا ایک امت کے برابر اٹھائے جائیں گے۔

(۴) حضرت سلمان فارسیؓ کی داستانِ تلاشِ حق

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اصفہان کے باشندے تھے طبیعت میں حق وصداقت تک رسائی کی تڑپ تھی اس لئے بچپن ہی میں گھر سے نکل گئے اور مختلف مقامات پر احبار و رہبان کے پاس رہے۔ راہ حق میں اتنی صعوبتیں جھیلیں اور مصیبتیں برداشت کیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہونے کے ناطے شہزادوں کی طرح بڑے ناز و نعم میں پرورش پا رہے تھے۔ معاشرے کے غلط رسوم و رواج اور سوسائٹی کے بد اثرات سے بچانے کے لئے مہربان باپ نے ان کی تربیت کا خصوصی انتظام کیا ہوا تھا۔ وہ انہیں ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتا تھا۔ کہیں جانے آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ سلمان اپنے ماحول سے کٹ کر رہ گئے۔

ان کا آتش پرست باپ بہت بڑا جاگیردار اور مجوسیوں کا مذہبی پیشوا تھا۔ بیٹے کو بھی اپنے نقش قدم پر چلایا اور اسے آگ کا نگران بنا دیا۔ سلمان کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ آتش کدے سے آگ نہ بجھنے دیں اور ایسے انتظامات کریں کہ وہ ہر وقت جلتی ہی رہے۔

باپ جاگیر وغیرہ کی دیکھ بھال خود کرتا تھا لیکن ایک روز اسے کوئی ضروری کام پڑ گیا ایک دن کے لئے اس نے دانا و بینا اور ہوشیار بیٹے کو انتظامی امور کی انجام دہی سپرد کی اور شام تک واپسی کی تاکید کر کے فرض کی ادائیگی کے لئے روانہ کر دیا۔

سلمان نے باپ کو تسلی دی اور جاگیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کڑی نگرانی یا پیار بھری حفاظت اور محبت سے لبریز حراست سے پہلی بار

آزاد ہوئے تھے اس لئے باہر کی دنیا عجیب سی لگی اور گرد و پیش کا جائزہ لینے کی سوجھی ایک گرجا کے قریب سے گذرے تو دیکھا لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ چونکہ طبیعت متجسس پائی تھی اس لئے رک گئے اور ان کی حرکات و سکنات کو دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ یہ منظر انہیں اتنا اچھا لگا کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ سورج غروب ہونے کے قریب آگیا انہوں نے پادری سے پوچھا۔

اس دین کی اصل تعلیمات کہاں میسر ہیں؟

اس نے جواب دیا: ملک شام میں ایسے ماہرین اور تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جن سے اس دین کی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔

سلمان ایک انوکھی کیفیت سے سرشار نئی دھڑکنیں لئے واپس آئے تو دیکھا باپ بہت پریشان ہے اور سارے کام چھوڑ کر ان کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

بیٹے کی من موہنی صورت دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ پوچھا: ”تم کہاں تھے، تاکید کی تھی کہ جلد آجانا؟“

سلمان نے سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا:

مررت باناس يصلون في كنيسة لهم فاعجبني مارأيت من دينهم فو الله مازلت عندهم حتى غربت الشمس

”میں راستے میں ایک گرجا کے قریب سے گذرا لوگ وہاں عبادت کر رہے تھے۔ مجھے ان کا دین اور طریقہ بہت اچھا لگا میں انہی کے پاس رہا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔“

یہ سن کر باپ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ فکرمند ہو گیا بولا:

بیٹا ہمارا دین ان سے بدرجہا بہتر ہے۔

مگر سلمان نے ٹوک دیا نہیں ان کا دین ہم سے بہتر ہے۔

باپ نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی کہ کہیں یہ بھاگ نہ جائے۔ سلمان نے گرجا والوں سے خفیہ رابطہ قائم کیا اور کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ ملک شام جانے

والا آئے تو مجھے مطلع کر دیں۔

وقت گذرتا رہا آخر ملک شام سے ایک قافلہ آیا اور اپنا مالِ تجارت فروخت کرتا رہا۔ جانے لگا تو سلمان بھی چپکے سے باپ کو بتائے بغیر اس میں شامل ہو گئے۔

شام پہنچے تو کسی بڑے عالم کا پتہ پوچھا انہوں نے ایک مشہور راہب کا پتہ بتا دیا۔ یہ اس کے پاس گئے۔ مقصدِ آمد بیان کیا اس نے قیام کی اجازت دے دی اور آپ وہیں رہنے لگے۔

بہت جلد آپ نے محسوس کر لیا کہ راہب اندر سے پکا دنیا دار اور ہوس پرست ہے وہ عوام سے کہتا کہ غرباء و مساکین کے لئے صدقات دو! جب وہ لوگ دے کر چلے جاتے تو سب مال ہضم کر لیتا۔ مستحقین کو کچھ بھی نہ دیتا اس طرح اس نے سونے چاندی سے سات گھڑے بھر لئے اور حفاظت کے نقطہ نظر سے اپنے کمرے میں گڑھا کھود کر دفن کر دیئے اس پر حرص اتنی غالب تھی کہ گور کنارے پہنچنے پر بھی اسے یہ دولت تقسیم کرنے اور غرباء تک ان کا حق پہنچانے کا خیال نہ آیا بالآخر مر گیا۔

لوگوں کے نزدیک وہ ایک خدا دوست نیک سیرت اور زاہد و عابد انسان تھا۔ اس لئے نہایت عقیدت سے اس کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے سلمان نے انکشاف کیا کہ وہ راہب کے روپ میں نوسرباز اور ٹھگ تھا۔ پھر انہیں سونے چاندی کے گھڑے برآمد کر کے دیئے وہ بپھر گئے اور اس کی میت کو سولی پر لٹکا دیا اور اظہار نفرت کے لئے پتھر مارے۔

اس کی جگہ جو راہب آیا وہ حقیقتاً عابد شب بیدار متقی اور دنیا سے بے نیاز انسان تھا۔ اسے مال و دولت اور نام و نمود سے کوئی دلچسپی نہ تھی ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہتا اور عوام کی صحیح رہنمائی کرتا تھا۔

سلمان بھی اسی راستے کے مسافر تھے اس سے بے حد انس ہو گیا اور جان توڑ کر اس کی خدمت کی۔ بوڑھا آدمی تھا چراغ سحر ثابت ہوا سلمان بے تاب ہو گئے امید کی کرن ہاتھ سے جا رہی تھی بے قراری سے پوچھا:

الی من توصی بی؟ وبم تامرنی؟ قال: ای بنی واللہ، ما اعلم الیوم احدا علی ما کنت علیه فقد هلك الناس وترکوا اکثر ماکانوا علیه الا رجلا بالموصل، وهو علی ما کنت علیه فالحق به

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں؟ اس نے کہا: اے بیٹے بخدا! لوگ ہلاک ہو چکے ہیں اور کوئی بھی اس راہ پر نہیں ہے جس پر میں چل رہا ہوں سب لوگ دین کا زیادہ حصہ چھوڑ چکے ہیں البتہ "موصل" میں ایک شخص ہے جو میری طرح "راہ حق" پر ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔"

سلمان اس کے پاس پہنچے اور دل و جان سے اس کی خدمت میں لگ گئے مگر جلد ہی اس کا بھی آخری وقت آ پہنچا اور وہ نصیبین جانے کا مشورہ دے کر فوت ہو گیا۔

حالات و واقعات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے اس وقت حق پرست ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے اور دنیا گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوب رہی تھی چنانچہ جب سلمان ہدایت کے مطابق نصیبین پہنچے اور ایک اچھے رہنما کی صحبت میں زندگی گذارنے لگے تو اس کا نصیبین آخری وقت بھی آگیا اور وہ عموریہ جانے کی نصیحت کر کے فوت ہو گیا۔

تلاش حق کی ایسی دھن سوار تھی کہ سلمان عموریہ بھی پہنچ گئے اور اپنے مقصود نظر راہب کی خدمت و اطاعت کے ساتھ ساتھ کچھ کاروبار بھی شروع کر دیا تاکہ کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے اس طرح کچھ بکریاں اور گائیں جمع کر لیں۔

ابھی مصائب و آلام اور گردش کے دن ختم نہیں ہوئے تھے یہاں بھی وہی صورت حال پیدا ہو گئی اور اس انتہائی نیک سیرت اور خدا رسیدہ راہب پر جانکنی کا عالم طاری ہو گیا۔ مایوسی اور بے بسی سے سلمان کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ لب پر وہی سوال تھا کہ فلاں نے فلاں اور اس نے فلاں کے پاس بھیجا لیکن سب داغ مفارقت دے گئے اور اب آپ بھی جا رہے ہیں۔ اب میں نور حق ڈھونڈنے کے لئے کس کے پاس

جاؤں؟

راہب نے بتایا: اب روئے زمین پر ایک فرد بھی ایسا نہیں جس کے پاس تجھے جانے کا مشورہ دوں۔

ولكنه قد اظل زمان نبى وهو مبعوث بدين ابراهيم عليه السلام، يخرج بارض العرب، مهاجره الى الارض بين حرتين بينهما نخل به علامات لاتخفى ياكل الهدية ولاياكل الصدقة. وبين كتفيه خاتم النبوة فان استطعت ان تلحق بتلك البلاد فالحق.

"البتہ نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے وہ دین ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہونے والے ہیں سرزمین عرب میں ظاہر ہوں گے اور ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین کی طرف جائیں گے جو دو میدانوں میں گھری ہوئی ہے اور ان کے درمیان نخلستان ہے۔ اس نبی کی نمایاں علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ بالکل نہیں کھائیں گے ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان "مہر نبوت" ہے اگر تم اس سرزمین کی طرف سفر کر سکتے ہو تو وہاں چلے جاؤ۔"

راہب کی یہ بات دل میں سما گئی۔ سرزمین عرب تک پہنچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ادھر کا کوئی قافلہ مل جائے اور اس میں شمولیت اختیار کر لی جائے قدرت نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے قبیلہ بنو کلب کا ایک قافلہ ادھر آیا ہوا تھا۔ سلمان نے اپنے تمام مال مویشی دے کر انہیں ساتھ لے جانے پر راضی کر لیا۔

جب یہ قافلہ "وادی القری" پہنچا تو بے درد اہل قافلہ نے ظلم ڈھانا شروع کر دیا۔ اور غلام ظاہر کر کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ اپنے شہر لے آیا وہاں سلمان کو کچھ نخلستان دکھائی دیئے۔ یہ اس خیال سے خوش ہو گئے کہ یہ وہی شہر ہے جس کی انہیں نشاندہی کی گئی ہے۔ اس لئے راستے کی تمام تکالیف بھول گئے مگر جب گرد

و پیش کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا یہ وہ شہر نہیں ہے جو ان کے دلبر کی ہجرت گاہ بننے کا شرف حاصل کرنے والا ہے۔ اس لئے بحوالہ تقدیر غلامی کی حالت میں اپنے شب و روز گذارنے لگے اور پردۂ غیب سے کیا وقوع میں آتا ہے اس کا انتظار کرنے لگے۔

مدینہ طیبہ میں یہود کا ایک قبیلہ بنو قریظہ رہائش پذیر تھا اس کا ایک باشندہ وادی القری آیا اس نے سلمان کو خرید لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آیا۔ سلمان نے جب یہ جگہ دیکھی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی بتائی ہوئی تمام نشانیاں یہاں موجود تھیں اس لئے انہیں یقین ہوگیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ ہجرت کرکے یہیں تشریف لائیں گے اب وہ اس روز سعید کے انتظار میں زندگی گذارنے لگے۔

پتہ چلا مکہ مکرمہ میں ایک نبی ظاہر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اعلان نبوت فرما دیا ہے اور لوگ اپنی ہمت شوق اور سعادت کے مطابق ان پر ایمان لا رہے ہیں۔

یہ کلیجہ پکڑ کر رہ گئے۔ غلام ہونے کے باعث اپنے نادیدہ محبوب ﷺ تک نہیں جا سکتے تھے۔ آزاد ہوتے تو پر لگا کر سب سے پہلے وہاں پہنچتے مگر غلامی کی بیڑیاں پاؤں کی زنجیر تھیں وفورِ شوق اور حسرتِ دید کے باوجود ایک قدم بھی باہر نکالنے سے قاصر تھے اس لئے اس روزِ سعید کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے جب وہ رسول اللہ ﷺ اس شہر میں رونق افروز ہوں گے اور اپنے قدموں سے یہاں کی فضاؤں کو انوار بخشیں گے۔

اور پھر اسی طرح بارہ سال بیت گئے۔ ایک روز سلمان درخت سے کھجوریں توڑ رہے تھے اور نیچے ان کا یہودی آقا بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور ہانپتے ہوئے بولا:

کچھ سنا تم نے؟ وہ نبی یہاں آگئے ہیں جنہوں نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا سارا شہر ان کے استقبال کے لئے چلا گیا ہے۔

سلمان کے کان کھڑے ہو گئے دل حلق میں اٹک گیا اس اچانک خوشخبری پر وہ حیران و ششدر رہ گئے تھے۔ اسی دن کے انتظار میں تو انہوں نے زندگی کی گھڑیاں گن گن کر گذاری تھیں۔ اسی خبر فرحت اثر کے لئے وہ ہر وقت گوش بر آواز رہتے تھے اسی روز سعید کے لئے انہوں نے سینہ شق کر دینے والے مصائب برداشت کئے تھے

غیروں کے مظالم سے تھے صحراؤں اور میدانوں کی خاک چھانی تھی اہل نظر کی سالہاسال خدمت کی تھی اور والدین اعزا و اقارب کی جدائی کے کا داغ سینے پر سجایا تھا صرف اس امید پر کہ ایک روز وہ نورانی چاند طلعت بار ہو گا جس سے من کی کائنات میں اجالا ہو گا وہ حسن مجسم اپنے رخ زیبا سے ضرور نقاب سرکائے گا جس کی دید سے من کی دنیا مہک اٹھے گی اور زندگی کی ساری کوفت بھول جائے گی۔

کچھ ہوش نہ رہا' بدن پسینے سے شرابور ہو گیا' عالم بے خودی میں اوپر ہی سے چھلانگ لگا دی اور آنے والے کو دیوانوں کی طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ کیا کہا تم نے؟ کیا کہا تم نے؟

وہ بے مہر' بے خبر اس کیفیت کو کیا سمجھتے! ایک غلام سے ایسی حرکت تو ان کے خیال کے مطابق سنگین ترین گستاخی تھی۔ اسے زندگی کے مسائل میں دلچسپی لینے یا جذبات سے کام لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا اسی وجہ سے آقا نے تھپڑ کھینچ مارا۔

جاؤ اپنا کام کرو۔ تمہیں ایسی باتوں سے کیا سروکار!

اب سلمان کو ہوش آیا کہ وہ عالم وارفتگی میں کیا کر بیٹھے تھے وہ کب اپنا راز افشاء کرنا چاہتے تھے آقا سے معذرت کی اور بظاہر پھر پھل توڑنے لگ گئے مگر دماغ کچھ اور ہی تانا بانا بن رہا تھا۔ بت وہاں موجود تھا مگر روح مدینہ طیبہ کے محلہ بنی عمرو بن عوف کے گھروں اور گلی کوچوں میں بھٹک رہی تھی جہاں ان کے محبوب کا والہانہ استقبال ہو رہا تھا۔ مرد و زن مرحبا کے نعرے لگا رہے تھے اور صلوٰۃ وسلام کے مہکتے گجرے پیش کر رہے تھے۔ شام کو فرصت ملتے ہی سلمان نے کچھ کھجوریں لیں اور اپنے محبوب کے دربار میں پہنچ گئے اور عرض کی: یہ صدقہ کی کچھ کھجوریں ہیں مہربانی فرما کر قبول فرمائیں۔ حکم ہوا "حاضرین میں بانٹ دو" سلمان نے دل میں کہا: ایک نشانی پوری ہوئی۔

پھر حضور ﷺ شہر میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی بخشا۔ ایک روز سلمان کھجوریں لے کر پھر حاضر ہو گئے اور عرض کی:

میری طرف سے یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ حضور علیہ السلام نے حاضرین کو دیں اور خود بھی تناول فرمائیں۔ سلمان نے دل میں کہا: دوسری نشانی بھی پوری ہو گئی۔

پھر ایک روز حضور نبی کریم ﷺ ایک جنازے کے ساتھ بقیع غرقد میں تشریف لے گئے سلمان وہاں پہنچ گئے اب ان کی خواہش تھی کہ تیسری نشانی بھی دیکھ لیں تاکہ مکمل اطمینان ہو جائے۔

اسرار نہاں سے آگاہ و باخبر آقا ﷺ نے بھانپ لیا کہ سلمان مُہر نبوت دیکھنا چاہتے ہے۔ آپ ﷺ نے مبارک کندھوں سے پردہ ہٹا دیا نورانی مُہر آن بان کے ساتھ دونوں کندھوں کے درمیان نمایاں تھی اس کی زیارت کوئی معمولی سعادت نہ تھی حضرت سلمان پر وفورِ جذبات سے رقت طاری ہو گئی۔ وہ رونے لگے اور اسی حالت میں جھک کر اس نشانِ اعظم کو بڑی نیاز مندی اور عقیدت و محبت سے بوسہ دیا۔

جب قدرتی مُہر کی زیارت کر چکے تو حضور ﷺ نے فرمایا سامنے آجاؤ!

حضرت سلمان رقت اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی کیفیت کے ساتھ سامنے آکر بیٹھ گئے اور اپنے مصائب و آلام کی ساری داستان بیان کی۔ یہ عجیب و غریب داستان اور راہ حق میں تکلیفیں برداشت کرنے کی جرات آموز روئیداد سن کر سب دنگ رہ گئے۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا سب کو یہ کہانی سناؤ۔ تاکہ ان میں جذبہ اور حوصلہ پیدا ہو اور وہ دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے اور مخالفانہ کاروائیوں کا مقابلہ کرنے کا عزم بالجزم حاصل کر لیں۔

منزلِ مقصود پالینے کے بعد سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی بڑی سلامت روی سکون اور عافیت کے ساتھ گذرنے لگی مگر یہودی آقا بڑا بد مزاج اور کھردری طبیعت کا مالک تھا نرمی اور ملائمت ان کی ظلمت زدہ خصلت میں نام کو بھی نہیں تھی، بات بات پر گالیاں دیتا مظالم ڈھاتا اور طاقت سے بڑھ کر کام لیتا تھا۔

ممکن تھا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ساری تکلیفیں سہہ لیتے مگر جو چیز ناقابل برداشت تھی اور سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو ذہنی اور قلبی اذیت پہنچاتی۔ وہ یہ تھی کہ غلامی کے باعث وہ اپنی مرضی کے مالک و خود مختار نہیں تھے کہ جب چاہتے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ

اقدس میں حاضر ہو سکتے اور جب طبیعت بے چین ہوتی' آرزوئے دید دل میں پیدا ہوتی تو یہ بے روک ٹوک آکر وصال و زیارت سے طبع ناصبور کو تسکین دے سکتے۔ آقا چھوڑتا ہی نہیں تھا بے چارے کولھو کے بیل کی طرح کام میں جتے رہتے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بے بسی حسرت بن کران کی ذات کے ساتھ چپک گئی اور فرقت کی پژمردگی اور اداسی چہرے پر نقش ہوگئی۔ شفیق اور غمگسار آقا ﷺ نے مجبوری و بے بسی' دردِ جدائی اور غمِ فرقت کی کیفیت ان کے چہرے سے بھانپ لی۔ شوق لقاء' درد نہاں' بے تاب دل اور اندرونی پیچ و تاب کی جملہ کیفیات ایک لمحے کی توجہ میں آشکار ہوگئیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے محبت و شفقت سے فرمایا۔

"سلمان! تم اپنے مالک کو کچھ دے دلا کر چھٹکارا حاصل کیوں نہیں کرلیتے؟ تاکہ رکاوٹ ختم ہوجائے اور تم آزادی سے ہمارے پاس رہ سکو؟"

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے یہودی مالک سے بات کی تو وہ بگڑ گیا۔ اس نے کہا میں تمہیں یوں نہیں چھوڑوں گا آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تین سو کھجوروں کے درخت اور چالیس "اوقیہ" سونا دو۔

اس کا مطلب تھا "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" مگر اسے کیا پتہ تھا' جن سے واسطہ پڑا ہے وسائل ہاتھ باندھ کران کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہ جدھر توجہ فرماتے راستے کی رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو"

اشارہ کافی تھا' انہوں نے کھجوروں کے پودے لانا شروع کردئے کوئی دس کوئی بیس کوئی اس سے کم یا زیادہ لایا اور دیکھتے ہی دیکھتے تین سو پودے اکٹھے ہوگئے۔

فرمایا:

اذهب یاسلمان! ففقر لها، فاذا فرغت فاتنی فانی اکن انا اضعها بیدی	اے سلمان! باغ میں جا کر تین سو گڑھے کھود دو' یہ پودے ہم اپنے ہاتھ سے لگائیں گے۔

جب تین سو گڑھے تیار ہو گئے تو سیدنا سلمان فارسی حاضر ہوئے صورت حال عرض کی۔ آپ باغ میں تشریف لے گئے حضرت سلمان ایک ایک پودا دیتے اور آپ ﷺ اسے گڑھے میں لگا دیتے اس طرح آپ ﷺ نے دو سو ننانویں پودے لگا دیئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا ایک پودا میں بھی لگا دوں۔ وہ انہوں نے لگا دیا۔ اعجاز و برکاتِ نبوت کا اظہار یوں ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے لگائے ہوئے تمام پودے اگ آئے ایک بھی نہ مرا مگر جو پودا سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا وہ مرجھا گیا۔ یہودی کی ایک شرط پوری ہو گئی۔

کچھ عرصہ بعد بیت المال میں معدنی سونا آیا وہ مرغی کے انڈے جتنا تھا سرور کائنات ﷺ نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا جاؤ یہودی مالک کی دوسری شرط بھی پوری کر دو۔

یہ سونا یہودی کے مطالبہ کے مقابلے میں بہت کم تھا سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ شش و پنج میں پڑ گئے اور نہایت ادب سے عرض کی: حضور ﷺ یہ تو بہت کم ہے۔

آگے اپنا مشاہدہ اور برکات رسالت کا مظاہرہ بیان فرماتے ہیں کہ'

بما قلت، وأين هذه، من الذي علي يارسول الله؟ اخذها رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبلها على لسانه ثم قال خذها، فاوفهم منها، فاخذتها فاوفيتهم منها حقهم كله

(السيرة النبوية لابن هشام، ۱ : ۲۲۱)
(الروض الانف، ۱ : ۱۴۲)
(دلائل النبوية لابی نعيم، ۲۱۳)

"جب میں نے کہا حضور ﷺ یہ تو بہت تھوڑا ہے اور مجھ پر زیادہ ادائیگی لازم ہے تو اس وقت حضور ﷺ نے اسے اپنی زبان مبارک کے ساتھ لگایا اور فرمایا: اسے لے جاؤ اور مکمل ادائیگی کر دو۔"

زبان نبوت کی تاثیر کا اظہار یوں ہوا کہ اسی سے تمام ادائیگی وقوع میں آ گئی

اور حضرت سلمان ایک ظالم و سفاک اور بے رحم کے چنگل سے آزاد ہو کر اپنے آقا ﷺ کے پہلو میں آبسے۔

(سیرت ابن ہشام '۲۲۱' الروض الانف ۱۴۲' دلائل النبوۃ 'ابو نعیم: ۲۱۳)

(۴) راہب کی پیشین گوئی

بعض لوگ طبعی طور پر انصاف پسند' رحمدل' انسانیت دوست اور حلیم الطبع ہوتے ہیں۔ اپنے دشمن پر بھی ظلم و زیادتی روا نہیں رکھتے۔

حضرت جبیر بن مطعم اسی طبیعت کے آدمی تھے۔ اہل مکہ کو حضور اکرم ﷺ پر ستم ڈھاتے دیکھ کر اپنا عیش و آرام بھول گئے انہیں جفاکاری سے روکنے کی کوششیں کرنے لگے انہوں نے اس سلسلے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا جوانوں' بوڑھوں اور ہر نسل و مزاج کے لوگوں کو سمجھایا کہ بے جا ظلم بری بات ہے اس سے باز آئیں۔ مگر ان کی نصیحت اور بزرگانہ مشوروں کا ان کی وحشیانہ خصلت پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ظلم کی انتہائی حدوں کو چھونے لگے جب حضرت جبیر کو یہ پتہ چلا کہ یہ سفاک لوگ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے انہوں نے یہ روح فرسا اور ہولناک خبر سنتے ہی وہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ان کے کانوں کو ایسی اذیت رساں خبر سننا نصیب نہ ہو۔ لہٰذا رخت سفر باندھا اور عازم شام ہو گئے۔

راستے میں مقام بصریٰ پر قیام کیا ان دنوں چہار دانگ عالم میں "ظہورِ نبوت" کی خبر گرم تھی۔ جب اہلِ دیر نے دیکھا کہ وضع قطع سے عرب لگتے ہیں تو وہ انہیں اپنے "دیر" میں لے گئے۔

راہب نے خوش آمدید کہا' اور کہا' آپ حرم شریف کے باشندے لگتے ہیں؟ حضرت جبیر نے اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا' کیا وہاں کسی صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ حضرت جبیر نے جواب دیا: ہاں ایک صاحب کو ہم امین و صادق کہا کرتے تھے انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہیں۔ اگر تمہیں ان کی تصویر دکھائی

جائے تو کیا تم پہچان لو گے؟ ضرور پہچان لوں گا میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں اور شکل وصورت سے متعارف ہوں۔ راہب ایک کمرے میں لے گیا جہاں بہت سی تصاویر پڑی تھیں اس نے پوچھا کیا تمہیں یہاں ان کی کوئی مثالی تصویر نظر آ رہی ہے۔ حضرت جبیر نے دیکھا مگر ان میں حضور ﷺ کی تصویر نظر نہ آئی انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

راہب انہیں ایک اور کمرے میں لے گیا وہاں پہلے سے بھی زیادہ تصاویر موجود تھیں ان میں ایک سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی تصویر مبارک بھی تھی جس میں آپ تمام تر جمال وکمال کے ساتھ جلوہ گر تھے سیدنا جبیر نے اس پر انگلی رکھ دی اور بتایا یہ ان کی تصویر ہے۔

پاس ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصویر بھی تھی جس میں آپ نہایت ادب و نیاز مندی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ یہ تصاویر دیکھ کر دنگ رہ گئے جان لیا کہ ان لوگوں کی معلومات آخری نبی ﷺ کے بارے میں بہت زیادہ ہیں اس لئے جذبہ تجسس پیدا ہوا مگر چپ رہے کہ دیکھیں اب یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟

راہب گویا ہوا: یہ آخر الزمان نبی ﷺ کی تصویر ہے اور جو صاحب مجسمہ عقیدت بن کر ان کے قدموں میں بیٹھے ہیں وہ ان کے یار وفا شعار ہیں ان کے وصال کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔ سیدنا جبیر کہنے لگے لوگ تو ان کے خون کے پیاسے ہیں خلافت تک نوبت کیسے آئے گی؟ میرا تو خیال ہے وہ اب تک انہیں شہید کر چکے ہوں گے۔ راہب بولا: تمہارا خیال غلط ہے۔

واللہ لایقتلونه ولیقتلن من یرید قتله وإنه لنبی ولیظهرنه الله تعالی (الوفا باحوال المصطفی، ۵۷)

"خدا کی قسم! وہ لوگ انہیں قتل نہیں کر سکتے خدا ان کا محافظ ہے بلکہ جو لوگ ان کے قتل کے درپے ہیں وہ خود قتل ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بہر صورت غلبہ واقتدار عطا فرمائے گا"۔

(۵) راہب کی حضرت طلحہ کو وصیت

جب انسان کو کسی چیز سے دلچسپی ہو تو وہ گھوم پھر کر اسی کی بات کرتا ہے اور اس کے ذہن پر ہر وقت اسی کی دھن سوار رہتی ہے معلوم ہوتا ہے راہب بصریٰ کی بھی اس وقت یہی کیفیت تھی وہ سرزمین عرب سے آنے والے ہر شخص کو دلچسپی اور عقیدت سے دیکھتا تھا اور اس سے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا اور اگر اس کے پاس معلومات نہ ہوتیں تو خود مہیا کرتا تھا۔

تجارت کی غرض سے عرب باشندے ملک شام آتے جاتے رہتے تھے راستے میں ان کا قیام "بصریٰ" میں اسی جگہ ہوتا تھا جہاں راہب کا گرجا تھا ان دنوں وہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گئے ہوئے تھے۔ مگر انہیں اپنے ملک سے نکلے کافی عرصہ ہو گیا تھا اس لئے انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے پیچھے حضور اکرم ﷺ نے اعلانِ نبوت فرما دیا ہے۔

حضرت طلحہ کو دیکھ کر راہب نے اپنے پاس بلایا اور پوچھا:

ظهر بمكة بعد احمد — کیا احمد ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت فرما دیا ہے؟

طلحہ نے حیرت سے پوچھا: کون احمد ﷺ ؟

راہب نے بتایا:

ابن عبد المطلب، هذا شهر الذي يخرج فيه وهو آخر الأنبياء ومخرجه من الحرم ومهاجره إلى نخل وحرة وسباخ

(الوفا باحوال المصطفى . ٥٦)

عبد المطلب کے پوتے وہ آخری نبی ہیں اور یہی ان کے ظہور و بعثت کا مہینہ ہے۔ وہ حرم شریف میں ظہور فرمائیں گے اور ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین کی طرف جائیں گے جہاں نخلستان اور میدان ہیں اور کلر اور شور ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

بات حیران کن تھی اس نے دل میں گھر کر لیا اب خواہش یہ تھی کہ پر لگا کر مکہ پہنچ جائیں۔

حیرت و اشتیاق اور اضطراب کی کیفیت لئے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کا پہلا سوال ہی یہ تھا۔

هل كان من حديث

کیا میرے بعد کوئی نئی اور حیرت انگیز بات وقوع میں آئی ہے۔

گھر والوں نے بتایا:

نعم، محمد بن عبد الله الأمين، تنبأ وتابعه إبن ابی قحافة
(الوفا باحوال المصطفى ، ٥٦)

ہاں' امین و صادق محمد ﷺ بن عبد اللہ نے دعوائے نبوت کر دیا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیروی کر لی ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قرار نہ آیا فوراً اپنے دیرینہ اور باوفا دوست سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور سوالیہ نشان بن گئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کچھ سمجھ گئے کہ پردیسی مسافر ہے باہر سے آیا ہے اور میرے جذبات و احساسات جاننے کا خواہشمند ہے۔

فرمایا: اے طلحہ!

وہ سچے نبی ہیں۔ حق و صداقت اور خیر و فلاح کی طرف داعی ہیں۔ حق کی پہچان اور اتباع میں دیر نہ کرو اور ابھی میرے ساتھ چلو روشنی تمہاری منتظر ہے باطن کے دیوار و در روشن کر لو۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک فرمانبردار بچے کی طرح ان کے ساتھ ہو لئے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے اور راہب شام کا سارا قصہ بیان کر دیا۔

(۶) ایک ایمان افروز اتفاق

بعض خوش قسمت اور نیک بخت مریض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی چارہ گری کے لئے خود مسیحا چل کر ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

یہودیوں کے معبد میں ان کا روحانی پیشوا درس تورات دے رہا تھا۔ کونے میں ایک مریض بیٹھا بڑے انہماک سے وہ درس سن رہا تھا۔ اتنے میں اتفاقاً کائنات کے وہ تاجدار بھی ﷺ اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ تشریف لے آئے جو تورات میں تفصیل سے مرقوم تھیں "مبشرِ تورات" کو سامنے پاکر یہودی عالم کی زبان گنگ ہو گئی اس نے درس بند کر دیا۔

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا تم چپ کیوں ہو گئے؟ سلسلہ درس جاری رکھو! مگر وہ یہودی عالم خاموش ہی رہا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ کونے میں بیٹھا ہوا مریض گھسٹتا ہوا آگے آیا تورات اس کے ہاتھ سے لی اور عرض کی:

یا رسول اللہ! یہ تورات میں آپ کا ذکر دیکھ کر چپ ہو گیا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی صفات اور آپ کی امت کے اوصاف اس میں تفصیل سے درج ہیں پھر اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور جان دے دی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ ایک حسین، دلچسپ اور ایمان افروز اتفاق تھا جیسے حضور اکرم ﷺ اسے جنت میں داخل کرنے ہی کے لئے تشریف لے گئے ہوں۔ آپ نے اس کی میت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اپنے بھائی کے کفن دفن کا انتظام کرو۔

(۷) یہود کا اعتراف

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی باطل شکن للکار اور نبوت کی برہنہ تلوار نے عرب کے صدیوں پرانے طاغوتی افکار و عقائد پر ضرب کاری لگائی تو وہ بوکھلا گئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان کے آباؤاجداد باطل پرست کیسے ہوسکتے ہیں؟ وہ ذہین و فطین دانشور مانے ہوئے خطباء اور سکہ بند شعراء تھے پورے عرب میں ان کی ذہانت شعر گوئی خطابت اور فصاحت و بلاغت کا ڈنکا بجتا تھا اور سب ان کے فہم و بصیرت کو سلام کرتے تھے۔ لیکن اس دعوتِ حق کی بھی اپنی کشش تھی، اس لئے انہوں نے سوچا اس سلسلے میں کسی سے رہنمائی لینی چاہیے ان کے نزدیک مدینہ کے یہود پڑھے لکھے اور صاحبِ

کتاب تھے ہر لحاظ سے قابلِ اعتبار بھی۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ مدینہ جا کر ان سے پوچھتے ہیں کہ نبوت کا دعوی کرنے والے اپنے دعوی میں سچے ہیں یا نہیں۔ اپنے طور پر انہوں نے باور کر لیا کہ یہودِ مدینہ ضرور ہمارے حق میں بات کریں گے اور بتائیں گے کہ تمہارے باپ دادا ہی راہِ حق پر تھے اور ان کے عقائد و نظریات درست تھے۔ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط ابھرتے ڈوبتے جذبات کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے اور علماءِ یہود کو بتایا۔

اتیناکم لامر حدث فینا منا
غلام یتیم، یقول قولا عظیما
یزعم انه رسول الرحمان

ہم تمہارے پاس ایک مسئلہ لے کر آئے ہیں بات یہ ہے کہ ہمارے شہر مکہ میں ایک عجیب اور نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے' ایک یتیم نوجوان نے بہت بڑی بات کا دعوی کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

یہود نے کہا ذرا ان کے اوصاف بیان کرو! انہوں نے تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں۔ انہوں نے پوچھا: کس قسم کے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے؟ نضر اور عقبہ نے جواب دیا: یہی تو عجیب بات ہے ہمارے معاشرے کے بالکل نادار بے حیثیت اور غربت میں سسکنے والے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے مگر وہ پھر بھی خود کو سچا کہتا ہے حالانکہ امراء اور بڑے بڑے لوگ اسے رسول مانتے تو بات بھی تھی۔ یہود یہ سن کر ہنس پڑے اور بولے:

هذا النبی الذی نجد نعته ونجد
قومه اشد الناس عداوة له
(الطبقات الکبریٰ، ۱ : ۱۶۵)

یہی تو وہ عظیم نبی ہیں جن کا ذکر تورات میں موجود ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی اپنی قوم ہی ان کی سب سے بڑی دشمن ہو گی۔

(۸) عمرو بن عبسہ کی جستجو اور حاضری

عمرو بن عبسہ ایک سعید فطرت اور سلیم الطبع انسان تھے دورِ جاہلیت کے پروردہ مگر اس کے اطوار سے نفرت کرتے تھے۔ جہلاء بتوں کے سامنے جو کچھ کرتے وہ انہیں برا لگتا تھا سوچتے یہ لوگ انہیں اپنے ہاتھوں سے تراش کر خود ہی انہیں پوجنے لگ جاتے ہیں کتنے نادان ہیں!

یہ دین، زندگی کا یہ چلن اور عرب کا مروج نظام ان کے طبع و مزاج کے خلاف تھا۔ لیکن حقیقت کہاں تلاش کریں؟ اس کی انہیں سمجھ نہیں تھی جستجوئے حق نے بے قرار کر دیا ہر وقت اسی فکر میں غلطاں رہنے لگے آخر دل نے فیصلہ کیا کہ کسی صاحب کتاب سے اس الجھن کا حل دریافت کرنا چاہیے ممکن ہے وہ کوئی سبیل بتا دے۔ فرماتے ہیں۔

فلقيت رجلا من اهل الكتاب فسألته عن افضل الدين فقال: يخرج من مكة يرغب عن الهة قومه ويدعو إلى غيرها وهو ياتى بافضل الدين فاذا سمعت به فاتبعه

(دلائل النبوة لابی نعیم ، ۲۱۱)

میں ایک آدمی سے ملا جس کا تعلق اہلِ کتاب سے تھا اور اس سے پوچھا: "افضل دین کون سا ہے؟ اس نے جواب دیا: مکہ مکرمہ میں ایک نبی مبعوث ہوں گے جو اپنی قوم کے خداؤں کے قریب بھی نہیں جائیں گے اور ایک خدا کی طرف دعوت دیں گے، وہ افضل دین لے کر آئیں گے جب تو ان کے ظہور و بعثت کی خبر سنے تو فوراً ان پر ایمان لے آ اور ان کی پیروی کر۔"

یہ خبر سن کر حضرت عمرو بن عبسہ پر انتظار کی دھن سوار ہو گئی ایک ایک لمحہ اسی انتظار اور سوچ میں گذرنے لگا جو قافلہ یا شخص مکہ مکرمہ سے آتا یہ اس سے پوچھتے کہ میں کوئی غیر معمولی بات وقوع میں آئی ہے مگر ہمیشہ انہیں نفی میں جواب ملتا۔

ایک دفعہ معمول کے مطابق اس نے مکہ سے آنے والے ایک مسافر سے پوچھا تو جواب ملا:

ہاں مکہ مکرمہ میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے۔ ان کی دعوت و تبلیغ نے عرب کی مذہبی فضا میں ہلچل مچا دی ہے۔ وہ اپنی قوم کے بنائے ہوئے خداؤں کو نہیں مانتا اور انہیں بے دست وپا اور مجبور قرار دیتا ہے۔ اس انقلابی نعرہ نے ان کو حیران و مبہوت کر دیا ہے۔ اور اب وہ اس کے خلاف متحدہ محاذ بنا رہے ہیں تاکہ اس آوازۂ حق کو دبا سکیں مخالفت کی تند و تیز یورش کے باعث سرِدست وہ نبی خفیہ تبلیغ کر رہے ہیں۔

عمرو بن عبسہ کے دل نے کہا: یہی ہستی میری مطلوب ہے اور مجھے ان ہی کا انتظار تھا۔ چنانچہ اسی وقت رخت سفر باندھا اور مکہ مکرمہ کی راہ لی۔ کسی نہ کسی طرح نبی اکرم ﷺ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور ایمان لے آئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: سنگین صورتِ حال تمہارے سامنے ہے ابھی واپس چلے جاؤ جب یہ سن لو کہ ہمیں غلبہ و اقتدار حاصل ہوگیا ہے تو اس وقت آجانا۔

قد ترى كراهية الناس لما جئت به، فامكث في اهلك، فاذا سمعت بي قد خرجت مخرجا فاتبعني

”جو تعلیمات و نظریات لے کر ہم مبعوث ہوئے ہیں تم دیکھ رہے ہو لوگ ان سے کس طرح بدک رہے ہیں۔ اس لئے سرِدست اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہی رہو۔ جب سنو کہ ہم کسی محفوظ جگہ پہنچ گئے ہیں تب آجانا“

یہ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: آقا ﷺ ! مجھے پہچانا؟ فرمایا: ”ہاں تم سلمی ہو جو مکہ میں آئے تھے“

○
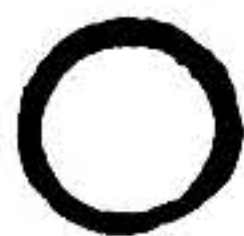
باب ـ ۴

یہود کا کفران وعدوان

اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاجزادے تھے سیدنا اسحاق علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کے صاجزادے تھے ان کا لقب "اسرائیل" تھا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء کرام تشریف لائے وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے یعنی سب اسرائیلی تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی اسرائیلی تھے اور "بنو اسرائیل" کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے اللہ پاک نے انہیں مقدس کتاب "تورات" عطا فرمائی آپ کی امت یا ماننے والوں کو یہودی کہا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنو اسرائیل کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے اللہ پاک نے ان کو دوسری مقدس کتاب یعنی انجیل عطا فرمائی آپ سرزمین خلیل کے ایک قریبی گاؤں میں اقامت گزیں تھے جس کا نام "ناصرہ" تھا اس لئے آپ کو مسیح ناصری بھی کہا جاتا ہے اور جو آپ کے پیروکار ہیں انہیں نصاریٰ کہتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ دونوں اقوام کو اپنے اہلِ کتاب ہونے پر ناز تھا وہ اپنے مقابلے میں دوسروں کو جاہل تصور کرتے تھے خصوصاً مشرکینِ عرب کی ان کے ہاں کوئی وقعت نہ تھی وہ انہیں کم تر، گنوار، غیر مہذب اور وحشی سمجھتے تھے اس لئے حقیر نظروں سے دیکھتے تھے۔

اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ایک نبی آخر الزمان ﷺ آنے والے ہیں جو سب انبیاء کرام کے سرتاج سید العالمین اور محبوبِ ربِ کائنات ہیں سب سے افضل اور بزرگ ترین ہستی ہیں جن کی مثل قدرت نے کوئی پیدا ہی نہیں کیا اور سب کچھ ان ہی کی عظمت و وجاہت کے اظہار کے لئے

بنایا۔ ان کی خصوصیات اور ربِ کریم کی بارگاہ میں انہیں جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ اس سے بھی آگاہ تھے اس لئے آپ ﷺ کے وسیلے کو ایک بڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں "اوس و خزرج" دو بہت بڑے قبیلے آباد تھے ان بت پرستوں سے جب ان کی مڈبھیڑ ہوتی اور وہ انہیں پیٹتے تو یہ اپنی انتقامی کاروائی کو موثر بنانے کے لئے انہیں بتاتے کہ کوئی بات نہیں اب اگر ہم وقتی طور پر شکست کھا گئے ہیں تو کیا ہوا۔

ان نبیا یبعث الآن نتبعه قد اظل زمانه نقتلکم معه قتل عادوارم
(السیرة النبویة لابن هشام، ۲ : ۳٤)

عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں، ہم ان کی اتباع کریں گے۔ ان کے ساتھ مل کر تمہارا وہی حشر کریں گے جو قوم عاد وارم کا ہوا تھا۔

یہ ان کی بہت بڑی دھمکی تھی بے چارے ان پڑھ لوگ سہم جاتے اور سوچتے اگر وہ نبی ﷺ واقعی آگئے اور یہ ان کے ساتھ مل گئے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہو گا؟

کفار و مشرکین کے مقابلے میں اہل کتاب کے پاس ایک حربہ اور بھی تھا جسے وہ بڑی کامیابی سے استعمال کرتے تھے اور وہ کبھی خطا نہ جاتا تھا جب یہ دیکھتے کہ جنگ میں دشمن کا پلہ بھاری ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔

اللهم انا نستنصرك بحق النبي الامي الذي وعدت انك باعثه آخر الزمان، ان تنصرنا عليهم

"اے اللہ! ہم اس نبی امی کا واسطہ دے کر تجھ سے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کرتے ہیں جن کو تو نے آخری زمانے میں مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ہماری مدد فرما!"

نتیجہ یہ نکلتا کہ حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے وسیلے سے انہیں فتح نصیب ہو جاتی اور یہ زبردست دشمن پر نمایاں کامیابی حاصل کر لیتے یہ نسخۂ کیمیا انہوں نے بارہا

آزمایا اور اسے درست پایا۔

نبی آخر الزمان ﷺ کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت و محبت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ سلسلہ نبوت ان ہی کی نسل میں جاری ہے اس لئے وہ بھی اسرائیلی ہی ہوں گے اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تشریف لائیں گے ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اعزاز نبوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں منتقل ہو جائے گا۔

اس لئے وہ بڑے شدومد سے ان کی آمد و بعثت اور ان کے فیوض و برکات کا چرچا کرتے تھے تاکہ دوسری اقوام کے لوگ ان سے دہشت کھائیں اور انہیں ایک برتر اور اپنے سے بہتر مخلوق تصور کریں جو نبوت کی عظمتوں کی امین اور انبیاء کرام علیہ السلام کی وارث و جانشین ہے۔

لیکن جب اچانک کایا پلٹ گئی اور حضور نبی آخر الزمان ﷺ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے مبعوث ہو گئے اور خاندان بنو ہاشم سے تشریف لے آئے تو "یہود و نصاریٰ" کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ وحشت و حیرت کا شکار ہو گئے اضطراب و سراسیمگی اور تذبذب کے عالم میں زمین و آسمان کے درمیان لٹک گئے "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" والا معاملہ بن گیا انکار کرتے تو مقامی لوگ اعتراض کرتے تم لوگ ہی ان کے بارے میں بتایا کرتے تھے اور ماننے کو ان کا جی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آپ ﷺ اسرائیلی نہیں تھے۔آخر قومی اور نسلی تعصب غالب آگیا۔ انہوں نے ہر قدر انسانی کو بالائے طاق رکھ کر بڑی ڈھٹائی سے صاف انکار کر دیا اور یہ موقف اختیار کر لیا کہ یہ وہ نہیں ہیں جن کے اوصاف ہم بیان کیا کرتے تھے اور جب پوچھا جاتا کہ پھر وہ کہاں ہیں تو بغلیں جھانکنے لگ جاتے مگر اعترافِ حق کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں ایک دفعہ ہم نے ان سے کہا:

یامعشر یھود، اتقوا الله واسلموا قد کنتم تستفتحون علینا بمحمد صلی الله علیه وسلم ونحن اهل شرك وتخبروننا انه مبعوث وتصفونه لنا بصفة

"اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ! ہم لوگ مشرک تھے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے تم ہم پر فتح حاصل کیا کرتے تھے اور بالتفصیل بتایا کرتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور حضور ﷺ کے خصائص و شمائل کا ہمارے سامنے ذکر کرتے تھے۔

سلام بن مشکم یہودی نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا:

ماهو بالذی کنا نذکر لکم ما جاءنا بشئ نعرفه

(السیرة النبویة لابن هشام، ۲ : ۳٤)

یہ وہ نہیں ہیں جن کا ذکر ہم کیا کرتے تھے یہ کوئی خاص چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم پہچانتے ہوں۔

چنانچہ اس موقعہ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدَ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَاعَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهِ، فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ.

(البقرة، ۲ : ۸۹)

"اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے ان کے وسیلے سے کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو پہچاننے سے انکار کر دیا اور کفر وعدوان کو شیوہ بنا لیا پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔"

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ہم بت پرست اور کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں ڈوبے لوگ تھے ہماری کوئی کل سیدھی نہ تھی علم و بصیرت اور فہم و فراست سے کوسوں دور تھے اس کے برعکس اہلِ کتاب پڑھے لکھے دانا وضعدار اور مہذب لوگ تھے ایک ڈھب کی زندگی گذار رہے تھے ہمارے اور ان کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں وہ عموماً ہمیں دھمکی دیا کرتے تھے کہ ایک عظیم نبی کی تشریف آوری کا زمانہ قریب ہے ذرا انہیں آجانے دو پھر تمہاری

خبر لیں گے اور تمہارا استیصال کر کے رکھ دیں گے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ۲: ۳۴ برحاشیہ الروض الانف)

لیکن ہوا یہ کہ جب وہ عظیم المرتبت، برکتوں اور رحمتوں والے رسول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو ہم نے ایمان لانے میں سبقت کی اور آنے والی ہستی کو سر آنکھوں پر بٹھا لیا۔ ان کے دیوانے بن گئے ان کے فیضان سے شعورِ زیست حاصل کیا۔ مقصودِ زندگی سے آگاہ ہوئے کاروبارِ حیات میں انسانوں کی طرح حصہ لینے لگے مگر جو ہمیں ڈرایا کرتے تھے وہ خود بدک گئے اور حسد و عناد کا شکار ہو گئے۔ گویا قوم پرستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ حق و صداقت کی انہیں چنداں پرواہ نہیں تھی۔ اگر وہ ان کی نسل سے ہوتے تو ٹھیک تھا مگر چونکہ دوسری نسل سے آگئے تھے اس لئے گوارہ اور قبول نہیں تھے۔

یہود و نصاریٰ نے جس سرگرمی سے نبی آخر الزمان ﷺ' اسلام' قرآن پاک اور اس دین کی مخالفت شروع کی اور جان بوجھ کر خسران و عدوان کی راہ پر گامزن ہوئے اس کا ذکر قرآن پاک نے اس آیتِ کریمہ میں وضاحت سے کیا ہے اور بتایا ہے ان کے لئے یہ گھاٹے کا سودا ہے۔

> بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، فَبَاءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ، وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ.
>
> (البقرۃ ۔ ۲ ۹۰)
>
> "انہوں نے اپنے نفسوں کو جس چیز کے بدلے فروخت کیا ہے وہ بہت بری ہے اور وہ چیز یہ ہے کہ انہوں نے سرکشی کی بنیاد پر اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کیا جو اس نے اپنے بندے پر اپنے فضل و کرم سے اپنی مرضی سے نازل کی' انکار کے باعث یہ لوگ دوہرے غضب کے مستحق ہوئے' ایسے کافروں کے لئے اہانت سے لبریز عذاب ہے۔"

اس کے بعد یہود و نصاری نے جس طرح اسلام اور اہل اسلام کے خلاف

سازشیں کیں اور تمام اخلاقی اور انسانی آداب بالائے طاق رکھ دیئے وہ ایک طویل داستان ہے۔ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اس قوم نے ابھی تک مسلمانوں کو معاف نہیں کیا۔ جب بھی موقعہ ملتا ہے سیاست' معیشت' معاشرت اخلاق و آداب اور دین و مذہب پر کاری ضرب لگانے سے باز نہیں آتی۔ ہر قدر انسانی اور انصاف و دیانت کے تقاضے نظرانداز کرکے دھونس اور دھاندلی کے ساتھ حملہ آور ہو جاتی ہے اور نقصان پہنچا کر راحت محسوس کرتی ہے۔

قصور صرف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تشریف لے آئے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں آئے حالانکہ یہ اللہ کی مرضی اور اس کا اختیار ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کرلیتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(البقرۃ، ۲ : ۱۰۵)

(۱) یہود بنو قریظہ کی ہٹ دھرمی۔

یہود کا ایک بہت بڑا اور متمول قبیلہ بنو قریظہ مدینہ میں رہائش پذیر تھا اسد اسید اور ابن عبید اسی خاندان کے جواں سال چشم و چراغ تھے انہیں اپنے یہودی ہونے پر فخر تھا خود کو بالا قامت اور نمایاں محسوس کرتے تھے اور اپنے علاوہ ہر کسی کو یوں سمجھتے تھے جیسے زمین کی پستیوں میں رینگنے والے کیڑے ہوں۔

ان کے اس جذبۂ تفاخر کو ایک عظیم ہستی نے کچھ اور نمایاں کر دیا تھا اس ہستی کا نام "ابن الھیبان" تھا۔ یہ ایک پردیسی انسان تھے جو ملک شام سے ہجرت کرکے یہاں آباد ہو گئے تھے اور سالہا سال سے یہیں مقیم تھے بڑے ہی عبادت گذار پرہیزگار تقویٰ شعار اور مقبولِ بارگاہِ الوہیت تھے جب بھی قحط کے آثار نمایاں ہوتے تو یہودِ بنو قریظہ ان کے ڈیرے پر پہنچ جاتے اور دعا کرنے کی التجاء کرتے۔

یہ جواب دیتے پہلے صدقہ دو تب دعا کروں گا چنانچہ لوگ کھجوریں' جو اور ستو جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا وہ صدقہ کرکے آجاتے اور ابن الھیبان سے گذارش کرتے

ہم نے آپ کی شرط پوری کر دی ہے راوی کہتا ہے۔

ثم يخرج بنا الى ظاهر حرتنا، فيستسقى الله لنا فو الله ما يبرح مجلسه حتى يمر السحاب ونسقى قد فعل ذالك غير مرة ولا مرتين ولا ثلاث

" وہ ہمیں لے کر کھلے میدان میں آجاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کے لئے دعا کرتے خدا کی قسم ابھی وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہی ہوتے کہ بادل گھر کر آ جاتے اور ہم بارش سے سیراب ہو جاتے تھے یہ ایک دو یا تین مرتبہ کا واقعہ نہیں تھا بلکہ اسے کئی بار آزمایا گیا"

ان کا آخری وقت آگیا ہمیں پاس بلایا اور فرمایا:

اے معشرِ یہود! میں ملکِ شام جیسی سرسبز و شاداب زمین چھوڑ کر یہاں کی پتھریلی اور سنگلاخ زمین پر آباد ہوا جہاں غربت و افلاس کے سائے گہرے ہیں اور خشک سالی عام ہے تمہارے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

حاضرین نے جواب دیا: اس کا سبب آپ ہی بہتر جانتے ہیں آپ ہی اس راز سے پردہ اٹھائیں۔

ابن الھیبان نے جواب دیا۔

انى قدمت هذه البلدة، اتوكف خروج نبى قد اظل زمانه، هذه البلدة مهاجره وكنت ارجو ان يبعث فاتبعه، وقد اظلكم زمانه، فلا تسبقن اليه يامعشر اليهود فانه يبعث بسفك الدماء وسبى الذرارى والنساء بما خالفه فلا يمنعنكم ذالك منه

(السيرة النبوية لابن هشام ۲۱۳)

(الطبقات الكبرى . ۱ : ۱۶۰)

(الوفا باحوال المصطفى ، ۱ : ۵۵)

" نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے میں اس شہر میں اس خاطر آیا تھا کہ

یہاں ان کا انتظار کروں کیونکہ یہ شہر ان کی "ہجرت گاہ" ہے مجھے توقع تھی کہ وہ میری زندگی ہی میں مبعوث ہو جائیں گے اور میں ان کی پیروی کرلوں گا (مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا) دیکھو! اے گروہِ یہود! میں تم کو وصیت و نصیحت کرتا ہوں ان کے ظہور میں آتے ہی فوراً ان پر ایمان لے آنا ایسا نہ ہو دوسرے لوگ سبقت لے جائیں اور تم پر برتری حاصل کرلیں اور تم دیکھتے ہی رہ جاؤ!۔

————— ایک بات اور ذہن نشین کرلو شیطان انسان کو بہت ورغلاتا اور طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے ذہن میں ڈالتا ہے ان سے بچو! غور سے سنو! وہ نبی دشمنوں کی تمام آل اولاد ان کے بیوی بچوں کو بھی قیدی بنالیں گے یہ منظر دیکھ کر کہیں شیطان کے دھوکے میں نہ آجانا کہ وہ تمہیں اس کی آڑ میں ایمان لانے کی سعادت ہی سے محروم کردے۔"

یہود نے یہ بات پلے باندھ لی اور ابن الھیبان کی وفات کے بعد شد و مد سے نبی آخر الزمان ﷺ کا انتظار شروع کردیا۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوگئے اور انہیں پتہ چلا کہ وہ قوم یہود کی بجائے عرب سے تشریف لے آئے ہیں تو انکار کردیا۔ اسد اسید اور ابن عبید حق پسند اور حقیقت شناس نوجوان تھے انہیں حق و صداقت کی جستجو تھی قومی عصبیت' انانیت اور خود پسندی سے کوئی سروکار نہ تھا وہ اپنے یہودی بزرگوں کے پاس گئے اور کہا: ابن الھیبان بزرگ کی وصیت کو یاد کرو ان کی پیش گوئی کے مطابق یہ نبی تشریف لے آئے ہیں ان پر ایمان لاؤ! وہ بڑی سرد مہری اور ڈھٹائی سے بولے۔ تم بچے ہو! چپ رہو یہ وہ نہیں ہیں۔ تینوں نوجوانوں کو اس سفید جھوٹ اور جواب سے بہت صدمہ پہنچا انہوں نے جرات سے کہا۔

یہ وہی ہیں آپ لوگ غلط بیانی اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں اگر آپ لوگ اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہے تو ہم بغاوت کرکے چلے جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی صفات و علامات اور نشانیں ہمارے سامنے بیان کی گئی ہیں۔

وہ جذبے سے اٹھے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔

(الطبقات الکبریٰ ' ۱۶۰' السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۲۱۳' الوفا لابن جوزی '۵۵)

(۲) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا یہودی پڑوسی

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن سلامہ راوی ہیں۔

"عبد الاشہل" خاندان کا ایک یہودی ہمارا پڑوسی تھا جو اپنے علم و فضل کے حوالے سے بڑا شہرت یافتہ اور عوام کا منظور نظر تھا لوگ اس کی علمیت کی وجہ سے اس کا بہت احترام کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی بعثت سے چند روز پہلے کی بات ہے وہ عجیب جوش و جذبے اور عزم و وقار کے ساتھ اپنے حجرے سے برآمد ہوا اور بڑی تمکنت سے چلتا ہوا ہجوم یاراں کے پاس کھڑا ہو گیا اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور متانت چھائی ہوئی تھی اور پیشانی پر عمیق فکر کی لکیریں نمایاں تھیں جیسے آج بہت سے راز فاش کرنا چاہتا ہو اور سب کچھ انڈیلنے کے لئے آگیا ہو۔

اس نے بڑے فلسفیانہ اور ناصحانہ انداز میں بت پرست قوم کے سامنے جو حقائق بیان کئے وہ ان کے لئے بڑے عجیب اور بالکل نئے تھے اور وہ ایسے افکار و عقائد سے قطعی ناآشنا تھے۔سن کر دنگ رہ گئے۔ مقرر نے بڑے عزم و وثوق سے کہا۔

لوگو! ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جب ہم سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے زندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا محاسبہ ہو گا اعمال و افعال تولے جائیں گے اس کے بعد آگ یا باغ میں ٹھکانا ہو گا برے لوگ آگ میں جلیں گے اور پھر جلتے ہی رہیں گے اور اچھے لوگ بہشت بریں میں پہنچیں گے اور پھر ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حاضرین نے بے یقینی سے کہا: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے کئے کی جزا و سزا پانا سمجھ میں نہیں آتا۔

مقرر یہودی نے زور دے کر کہا: یہ سب ممکن ہے۔

جو لوگ آگ میں دھکیلے جائیں گے وہ اس آگ کی حدت اور ہوشربا منظر سے بہت ہراساں ہوں گے اور اذیت محسوس کریں گے اس کی اذیت اور تکلیف سے پریشاں ہو کر وہ یہ تمنا کریں گے بے شک انہیں دنیا جیسی آگ کے تنور میں ڈال کر بند کر دیا جائے مگر اس سے نجات دی جائے۔ حاضرین اس انکشاف پر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے آپ کے پاس اس دعوی کی کیا دلیل ہے؟ یہودی نے مکہ مکرمہ اور یمن کی طرف اشارہ کرکے کہا: ایک نبی اس شہر میں مبعوث ہوں گے اور یہی کہیں گے جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے۔ وہ کب مبعوث ہوں گے؟ ان کی تشریف آوری میں کتنی دیر ہے؟ مقرر یہودی نے حضرت سلمہؓ کی طرف دیکھ کر کہا: اگر اس بچے کی عمر نے وفا کی تو یہ ان کو ضرور دیکھ لے گا۔

پھر ہوا یہ کہ حضور رحمت عالم نبی اکرم رسول معظم ﷺ بصد انداز محبوبی و زیبائی جاہ و جلال کے ساتھ تشریف لے آئے وہ پڑوسی یہودی ابھی زندہ ہی تھا مگر "غیر قوم" سے نبی کی آمد کا سن کر اس کا دل مر گیا سارے جذبے سرد پڑ گئے اور حرارت ایمانی بخشنے والا خون رگوں میں منجمد ہو گیا۔

حضرت سلمہ ؓ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے مگر اس نے حسد و عناد کی وجہ سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے کہا: کیا تو ہمیں مبعوث ہونے والے نبی کے بارے میں نئی نئی باتیں نہیں بتایا کرتا تھا اب ایمان کیوں نہیں لاتا؟

اس نے ڈھیلے منہ سے جواب دیا: ہاں میں تمہیں بتایا کرتا تھا مگر یہ وہ نہیں ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ۱: ۲۳۱، دلائل النبوۃ للبیہقی، ۲: ۷۸، ۷۹)

(۴) انکارِ نبوت کا عجیب بہانہ۔

آسمانی کتابوں کی بنیادی تعلیمات یکساں ہیں کیونکہ ایک ہی خدا کی نازل کردہ ہیں ان میں تضاد و اختلاف اور افتراق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہ حقیقت ہے کہ جب نئی نازل شدہ کتاب کے مضامین و علوم کے بارے میں پتہ چلے کہ یہ پہلی کتابوں میں بھی

اسی طرح ہیں اور یہ کتاب ان کی تصدیق کرنے والی ہے تو عجیب سرور آتا ہے اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس اندازِ خاص سے اپنا ایمان تازہ کرنے کے لئے بعض اوقات گرجا میں جاتے تھے اور تورات کے مؤید مضامین سن کر بہت محظوظ ہوا کرتے تھے۔

ایک بار پادری نے کہا: آپ ہمیں اس لئے بہت اچھے لگتے ہیں کہ یہاں آکر ہماری باتیں سنتے ہیں اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں ایمان کی بالیدگی اور روح کی توانائی کے لئے صرف اس لئے یہاں آتا ہوں کہ تورات میں جو اوصاف و خصائص اور نشانات بیان کئے گئے ہیں وہ سب ہمارے نبی ہمارے دین اور ہماری اسلامی تعلیمات میں موجود ہیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی باتوں میں مصروف ہی تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ ادھر سے گذرے پادری نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور حضرت عمر کو آگاہ کیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انشدکم اللہ وما انزل علیکم من الکتاب أتعلمون أنه رسول اللہ؟

(الوفا باحوال المصطفی، ۱ : ۵۱)

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اور اس نے تم پر جو کتاب تورات نازل کی ہے اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

ان کا سردار بولا: اس شخص نے تمہیں اللہ تعالیٰ اور تورات کی قسم دے دی ہے اس لئے اب اسے سچ سچ بتا دو! انہوں نے سردار سے کہا: آپ ہمارے پیشوا اور سردار ہیں آپ ہی بتا دیں۔ سردار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا:

ہاں ہم جانتے ہیں کہ وہ سچے رسول ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کی اتباع نہیں کرتے اور سچائی کو گلے نہیں لگاتے؟

انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ میکائیل فرشتہ ہمارا دوست ہے وہ خوشحالی' فراوانی' خیر و برکت اور خوشی کا پیغام بر ہے ہم اسے مانتے ہیں لیکن جبریل ہمارا دشمن ہے وہ ہم پر قہر و غضب ڈھاتا رہا ہے چونکہ ان پر وہ وحی لے کر آتا ہے اس لئے ہم ان پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔

یہ عجیب منطق سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے یہ وہی دلیل تھی جو عذر گناہ بدتر از گناہ کے زمرے میں آتی تھی یا خوئے بد را بہانہ بسیار کی مصداق تھی۔

اس بے تکی منطق کا کیا جواب ہو سکتا تھا غصے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے آئے بارگاہ رسالت میں پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا میں تمہیں وہ آیات نہ سناؤں جو ابھی نازل ہوئی ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمہ تن گوش ہو گئے اور سرکار نبی مکرم ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

(البقرة ، ۲ : ۹۷)

"اے محبوب فرما دو! جو جبریل کا دشمن ہے وہ ہوتا رہے اس نے تو یہ قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کیا ہے یہ پہلی تمام کتابوں کا مصدق اور مومنین کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرے آقا ﷺ: میں یہی کچھ بتانے کے لئے آیا تھا لیکن میرے اللہ نے آپ کو پہلے ہی سب کچھ بتا دیا۔

(الوفا لابن جوزی' ۱: ۵۱)

(۴) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور چچا۔

جب خیبر فتح ہوا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو گئیں اور سرکار دو عالم ﷺ نے قدر افزائی فرماتے ہوئے انہیں شرفِ زوجیت سے نوازا اور قدسی نہاد ازواج میں شامل فرمالیا۔

آپ یہودِ خیبر کے سکہ بند سردار ابنِ اخطب کی بیٹی تھیں جو بہت ہی کٹر اور سخت یہودی تھا۔ اسے بھی دوسرے اہل کتاب کی طرح نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کا انتظار تھا اور قرائن واحوال سے جانتا تھا کہ وہ جلد ہی تشریف لانے والے ہیں۔

جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبا شریف میں عارضی قیام فرمایا تو اس کے دل میں آپ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اپنے بھائی ابو یاسر کو ساتھ لے کر صبح سویرے ہی نکل گیا اور سارا دن غائب رہا۔

حضرت صفیہ ؓ بیان فرماتی ہیں جب غروبِ آفتاب کے بعد میرا باپ "ابنِ اخطب" اور چچا "ابو یاسر" واپس آئے تو تھکے تھکے سے تھے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں حیران وپریشان ست اور درماندہ میرے قریب سے گزرے میں احترام واشتیاق کے ساتھ استقبال کیلئے آگے بڑھی مگر وہ اپنی دنیا میں اتنے مگن اور خیالات میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے کہ انہیں پتہ ہی نہ چلا اور انہوں نے میری طرف کوئی دھیان نہ دیا

کالے سیاہ چہرے لئے ست روی سے آگے بڑھتے رہے اور ایک جگہ ڈھیر ہو گئے میرے چچا نے مریل سی آواز میں پوچھا۔

تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ وہی ہیں؟ ہاں اللہ کی قسم! یہ وہی ہیں۔ اس نے بھی توثیق کرتے ہوئے کہا۔ تورات میں لکھی ہوئی تمام نشانیاں ان کی ذات میں موجود ہیں۔

پھر کیا خیال ہے؟ ان پر اب ایمان لے آئیں؟ چچا ابو یاسر نے پوچھا۔

ابن اخطب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک زندہ ہوں دشمنی اور عداوت پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے مخالفت کا یہ سلسلہ بدستور

جاری رہے گا مفاہمت اور ایمان لانا ہمارے پروگرام سے خارج ہے کیونکہ وہ عربی ہیں اور عرب کی برتری تسلیم کرنا ہماری شان کے خلاف ہے سب کچھ قبول کرلیں گے مگر ان کی نبوت برداشت نہیں کریں گے خواہ سچے ہی ہوں۔

(الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی '۱: ۵۷)

(۵) زبیر بن باطا کا حسد و عناد

زبیر بن باطا اور باطا دونوں باپ بیٹا یہود کے مانے ہوئے عالم اور نامور دینی رہنما تھے زبیر کا باپ اپنی زندگی میں درس تورات دیتا رہا اس کا سارا زور بیان ان اوصاف کی تشریح پہ صرف ہوتا تھا جو تورات مقدس میں نبی آخر الزمان ﷺ کے حوالے سے بیان کئے گئے تھے۔ باپ کے بعد یہ قابلِ فخر منصب زبیر نے سنبھال لیا اور اسی حسین موضوع پر لیکچر دیتا رہا یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ حضور نبی الانبیاء' رسول کون و مکان' سرور کائنات' سید العالمین ﷺ تخت رسالت پر جلوہ گر ہو گئے اور اہل عرب کو دعوت دی کہ شرک و کفر اور بت پرستی چھوڑ کر توحید کے دامن میں آ جائیں اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیں۔

جب زبیر بن باطا کو پتہ چلا کہ آنے والے اسرائیلی نہیں ہیں اور "بنی ہاشم" میں پیدا ہوئے ہیں تو اسے گویا سانپ سونگھ گیا اور ہونٹ سل گئے۔ نہ صرف یہ کہ منہ کالا ہوا دل بھی کالا ہو گیا۔ تورات کا نسخہ نکالا اور جہاں جہاں حضور رسالت ماب ﷺ کے اوصاف لکھے ہوئے تھے انہیں بڑی بے دردی سے مٹا دیا دل پر شقاوت اور بدبختی کی نحوست اس طرح چھائی اور حق و صداقت' دیانت و امانت کا اس قدر بھی پاس نہ رہا کہ اس نے اپنی مقدس کتاب کو مسخ کر دیا' محض اس لئے کہ اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی علامات اور خصوصیات موجود تھیں۔ اس کے مردہ ضمیر نے اسے ملامت نہ کی۔ اس کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ وہ چاند پر تھوک رہا ہے جو اسی کے کالے منہ پر آ پڑے گا۔

(طبقات لابن سعد' ۱: ۱۵۹ ؛ الوفا لابن جوزی: ۴۹)

(۶) حضرت سہل رضی اللہ عنہ کا چچا۔

حضرت سہل قبول اسلام سے قبل اپنے نصرانی چچا کی زیر کفالت ایک یتیم بچے تھے ایک روز اپنے چچا کی عدم موجودگی میں تورات کھول کر بیٹھ گئے تاکہ اسے پڑھیں ایک جگہ دو کاغذ آپس میں جڑے ہوئے تھے انہوں نے کوشش کرکے وہ کھول دیئے اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ نیچے حضور ﷺ کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں۔

انه لاقصير ولاطويل، ابيض، بين كتفيه خاتم النبوة لايقبل الصدقة، ويركب الحمار والبعير ويحتلب الشاة ويلبس قميصا مرقوعا وهو من ذرية اسماعيل اسمه احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(انوفا باحوال المصطفى ، ۱ : ۶۰)

وہ بہت لمبے یا بہت چھوٹے قد کے نہیں ہیں رنگ مبارک گورا ہے ان کے مبارک شانوں کے درمیان مہر ختم نبوت ہوگی صدقہ قبول نہیں کریں گے گدھے اور اونٹ دونوں کی سواری فرمائیں گے اتنے متواضع ہوں گے کہ بکری کا دودھ خود دوہ لیا کریں گے پیوند شدہ قمیص زیب تن فرمائیں گے وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ (ﷺ)

جب چچا آیا اور اس نے یہ کھلے ہوئے اوراق دیکھے تو بہت غضبناک ہوا اور کہا:

تجھے یہ اوراق کھولنے کے لئے کس نے کہا تھا؟

انہوں نے شوق اور بھولپن سے کہا جیسے چچا کو پتہ نہ ہو اور یہ اس انکشاف سے اسے حیران و مسرور کرنا چاہتے ہوں۔

چچا دیکھیں اس میں نبی آخر الزمان ﷺ کے وہی اوصاف لکھے ہوئے ہیں جو محمد (ﷺ) میں موجود ہیں۔

چچا نے جب یہ سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی خونخوار نظروں سے سہل کی طرف دیکھا اور دانت پیس کر کہا:

ایک تو تم نے یہ صفحات کھول کر جرم کیا ہے اور اب آگے سے مجھے سمجھا رہے ہو جیسے میں بچہ ہوں اور تم مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے اور تجربہ کار ہو سنو! جو کچھ تم سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں ہے نبی آخر الزماں کسی اور زمانے میں مبعوث ہوں گے یہ وہ نہیں ہیں۔ جن کے متعلق تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ: ۶۰)

(۷) اعترافِ حقیقت اور انکار۔

یہود کا پڑھا لکھا قبیلہ "بنو قریظہ" نبی آخر الزمان ﷺ کی ذات و صفات سے اپنی قوم اور نئی پود کو متعارف کرانے میں سب سے آگے تھا انہوں نے باقاعدہ نصاب مقرر کیا ہوا تھا آنے والے نبی کے اوصاف خود بھی پڑھتے اور اپنی اولاد کو بھی ان کی تعلیم دیتے تاکہ وہ آنے والے کی عظمت و مقام سے واقف ہو جائیں اور ان کی تشریف آوری سے قبل ہی ان کی محبت و عقیدت دل میں جاگزیں کر لیں۔

ابو نملہ راوی ہیں۔

كانت يهود بني قريظة، يدرسون ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم في كتبهم ويعلمونه الولدان بصفته واسمه، ومهاجره إلينا

(الطبقات الكبرى، ۱ : ۱٦٠)

یہود بنو قریظہ اپنی کتابوں میں ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے تھے اور اپنے بچوں کو ان کا نام پاک یاد کراتے تھے ان کی صفات سے آگاہ کرتے تھے اور بتاتے کہ وہ ہجرت کرکے یہیں تشریف لائیں مدینہ ہجرتگاہ ہے

ایک دفعہ حضور علیہ السلام ان کے قلعہ میں تشریف لے گئے تاجدار کائنات ﷺ کو اچانک وہاں دیکھ کر کعب بن اسد کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کا جی چاہا کہ تمام یہود سرکارِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی میں مسلمان ہو جائیں وہ بولا

يامعشر يهود! تابعوا الرجل، فو الله، انه النبى، وقد تبين لكم انه نبى مرسل، وانه الذى كنتم تجدونه فى الكتب، وانه الذى بشر به عيسى وانكم لتعرفون صفته

(الطبقات الكبرى، ۱ : ۱٦٤)

اے گروہ یہود! یہ خدا آگاہ انسان تشریف لائے ہیں ان کی اطاعت کرلو اللہ کی قسم! بے شک وہ نبی ہیں اور تم پر بھی یہ کھل چکا ہے کہ وہ "نبی مرسل" ہیں اور یہ وہی ہیں جن کا تمہاری کتابوں میں تذکرہ ہے اور یہ وہی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی اور جن کی ذات و صفات کو تم خوب پہچانتے ہو۔

تمام یہود نے کعب کی نصیحت اور اخلاص بھرے مشورے سے کوئی اثر نہ لیا اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی صاف انکار کر دیا بولے: یہ وہی نبی ہیں سچے ہیں ہمیں تسلیم ہے مگر ہم اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے۔

(۸) سنجیدہ صداقت اور جھوٹا مزاح۔

ابوالحارث اپنی قوم کا افتخار جہاندیدہ بزرگ اور تورات و انجیل کا ماہر پادری تھا دونوں کے احکام اور تعلیمات پر اس کی گہری نظر تھی حقیقت و صداقت سے بخوبی آگاہ تھا مگر طبعی بدبختی کے باعث اس کے اعتراف سے منحرف تھا ایک دفعہ ایسا حادثہ پیش آیا جس نے اس کی دوغلی پالیسی، مکروہ منافقت اور کھوکھلے کردار کے بھیانک چہرے سے نقاب الٹ دی۔ ہوا یوں کہ

اپنے بھائی کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ اچانک اس کی گھوڑی کا پاؤں پھسلا اور وہ گرنے سے بال بال بچ گیا۔ عرب کا دستور ہے ایسے موقعہ پر اپنے دشمن کو گالی دیتے ہیں۔ ابوالحارث کے بھائی نے بھی اس موقعہ پر ایسا ہی کیا اور کہا۔

تعس الا بعد یعنی جو نامقبول شخص ہے خدا کرے وہ ہلاک ہو جائے۔ اس نے اس سے سرکار دو عالم ﷺ کی ذات مراد لی۔ ابوالحارث نے اسے ڈانٹا اور غصہ سے کہا:

بل تعست انت، اتشتم رجلا من المرسلین، انه الذی بشر به عیسی، وانه لفی التوراۃ

"وہ نہیں بلکہ تو ہلاک ہو جائے کیا تو ایسے شخص کو گالی دے رہا ہے جو رسولوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے؟ یہ وہی رسول ہیں جن کی عیسیٰ علیہ السلام نے

بشارت دی تھی اور یہ وہی ہیں تورات شریف جن کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔"

یہ سن کر ابوالحارث کے بھائی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا حیرت سے بولا: جب آپ کو ان کی اتنی معرفت حاصل ہے اور صداقت کا اس قدر یقین ہے تو آپ ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوالحارث نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر واضح الفاظ میں کہا:

شرفنا هؤلاء القوم واكرمونا، ومولّونا وقد ابوالا خلافه	دیکھو بات یہ ہے کہ ہماری قوم نے ہمیں بے پناہ عزت دی ہے مال و دولت سے نوازا ہے آسائشیں مہیا کی ہیں یہ قوم انہیں نبی ماننے کے لئے تیار نہیں اور ان کی مخالفت پر کمربستہ ہے ان حالات میں ہم ان پر ایمان لا کر اپنا مالی نقصان کیوں کریں؟

اس کے بھائی کی آنکھیں کھل گئیں حقیقت آشکار ہو گئی اس نے کھڑے کھڑے حقیقت پسندانہ فیصلہ کر لیا اور بھائی سے دوٹوک انداز میں کہا۔

میں ابھی مدینہ جا کر مسلمان ہوتا ہوں۔

ابوالحارث کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بھائی اتنا متاثر ہو گا اس نے اپنے بھائی کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے اسی وقت بات بنائی۔

مهلا يا اخي! فانما كنت مازحا	بھائی چھوڑو! میں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔

بھائی نے بڑے عزم و یقین کے ساتھ جواب دیا: اب تیر کمان سے نکل چکا ہے حقیقت کھل گئی ہے مذاق وہ نہیں تھا۔ مذاق یہ ہے جو تم اب کر رہے ہو سنجیدہ صداقت تمہارا بھانڈا پھوڑ چکی ہے۔

وہ سید حامدینہ طیبہ گیا اور وہاں جاکر مسلمان ہو گیا۔

(الطبقات الکبریٰ، ۱:۱۶۵)

(۹) علماءِ یہود کی عصبیت۔

حضور ﷺ اتمامِ حجت کے لئے کبھی کبھی یہودیوں کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تاکہ ان سے گفتگو کریں اور قیامت کے دن ان کے پاس پیش کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

بنے دبستان یا مکتب کو وہ لوگ بیت المدارس کہتے تھے یہاں ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوتا تھا اور ماہر اساتذہ جمع ہو کر اپنے بچوں اور نوجوانوں کو مخصوص تعیم دیتے تھے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ان کے بیت، المدارس میں تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا یہود اچانک آپ کو اپنے سر پر دیکھ کر حیران رہ گئے

سرکار نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا۔ یا معشر الیھود! تم لوگ قہر خداوندی کے نیچے دبے ہوئے ہو۔ بارہ آدمی ایسے لے آؤ جو کلمہ طیبہ پڑھ لیں اللہ تعالیٰ تم سے غضب اٹھالے گا۔

وہ یہ سن کر خاموشی سے بیٹھے رہے جیسے پتھر کے جامد و ساکت بت ہوں اور ان میں حرکت کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

آپ نے مزید سوالات کئے مگر وہ ایسے ہو گئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو آپ نے فرمایا۔

ابیتم فو اللہ لأنا الحاشر، وانا العاقب وانا النبی المصطفی امنتم او کذبتم

(حجۃ اللہ علی العالمین : ۱۱۶)

تم لوگ میری عظمت کا انکار کر رہے ہو یاد رکھو! خدا کی قسم! نبی مصطفیٰ حاشر (حشر برپا کرنے والا) اور خاتم النبیین میں ہی ہوں تم چاہے تسلیم کرو یا نہ کرو۔

یہ فرما کر آپ واپس مڑے قریب تھا کہ ہم بیت المدارس سے باہر آجائیں، اچانک پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی۔ "آپ رک جائیں" سرکار دو عالم ﷺ

وہیں رک گئے۔ وہ شخص اپنی قوم یہود سے مخاطب ہوا۔ اے گروہ یہود! ذرا یہ بتاؤ تمہارے معاشرے میں میری کیا حیثیت ہے؟

انہوں نے جواب دیا آپ ہمارے معاشرے کے سربر آوردہ تعلیم یافتہ اور معزز ترین فرد ہیں آپ کے والد بھی منفرد حیثیت اور خوبیوں کے مالک تھے آپ خاندانی شرافت کے مالک ہیں۔

اس شخص نے کہا: اب میری سنو! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ محمد مصطفیٰ اللہ کے سچے رسول اور آخری نبی ہیں اور وہی ہستی ہیں جن کے ہم منتظر تھے اور تورات میں جن کے اوصاف پڑھا کرتے تھے۔ (صلے اللہ علیہ وسلم)

یہود کے ماتھے پر بل پڑ گئے وہ دو لمحے پہلے والی گفتگو بھول کر خونخوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے گویا ہوئے۔ تم بھی ذلیل ہو اور تمہارا باپ بھی ذلیل تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

تم جھوٹے ہو تمہاری یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جائے گی یہ نوجوان سچ بول رہا ہے۔ (حجتہ اللہ علی العالمین: ۱۱۷)

اسی طرح ایک مرتبہ پھر آپ ان کے بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اپنے سب سے بڑے عالم کو بلاؤ۔ وہ عبد اللہ بن صوریا کو لے آئے۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

میں تمہیں قسم دیتا ہوں تمہارے دین کی ان نعمتوں کی جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کیں ان بادلوں کی جن کو اللہ تعالیٰ نے تم پر سائبان بنایا اور من و سلویٰ کی جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اتارا۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابن صوریا نے جواب دیا:

اللهم نعم، وان القوم ليعرفون ما اعرف، وان صفتك ونعتك لمبين في التوراة ولكن حسدوك

(الوفا باحوال المصطفى : ٥٠)

"ہاں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور بے شک آپ کی صفتیں اور نعتیں تورات میں خوب کھول کر بیان کر دی گئی ہیں اور اس ظاہر و باہر اور واضح حقیقت کو جس طرح میں جانتا ہوں اسی طرح تمام یہود بھی جانتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں آپ کی طرف سے حسد پیدا ہو گیا ہے"۔

سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اگر یہ بات ہے تو تمہیں ایمان لانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اپنی قوم سے الگ نہیں ہونا چاہتا اگر وہ ایمان لے آئی تو میں بھی ایمان قبول کر لوں گا۔

یہود کے امتحانی سوالات

یہود کو حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت و صداقت کا پکا یقین تھا مگر کبھی کبھار امتحان کے لئے وہ حضور ﷺ سے کچھ ایسے سوالات بھی کر لیتے تھے جن کے جوابات انہیں معلوم ہوتے تھے ان کا مقصد اس طرح صداقتِ نبوت کو جانچنا ہوتا تھا لیکن جب حضور نبی اکرم ﷺ شافی جوابات دے دیتے تو ایمان لانے کی بجائے بغلیں جھانکنے لگ جاتے یا چاپلوسی پہ اتر آتے۔ ایک مرتبہ دو یہودی اسی غرض سے حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو نو احکام عطا کئے گئے تھے ان کی تفصیل بتائیں۔ ان کا مجمل ذکر قرآن پاک کی اس آیت میں ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ (الاسراء ۱۷ : ۱۰۱)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح آیات عطا فرمائیں۔

حضور ﷺ نے جواب دیا: وہ نو احکام یہ ہیں۔

لاتشركوا بالله شيئا، ولاتسرفوا، ولاتزنوا، ولاتقتلو النفس حرم الله الا بالحق، ولاتسرحوا، ولاتاكلوا الربا، ولاتمشوا ببرى، الى ذى سلطان ليقتله ولاتقذفوا محصنة وانتم يايهود عليكم خاصة لاتعدوا في السبت

(مشكوة المصابيح، ۱ : ۱۷)
(حجة الله العالمين، ۱۱۸)

"اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ چوری نہ کرو بدکاری نہ کرو ناحق کسی کو قتل نہ کرو جادو نہ کرو سود نہ کھاؤ کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس اس غرض سے نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کردے کسی پا سا عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور اے یہودا تمہارے لئے خصوصی حکم یہ ہے کہ ہفتہ کے روز دنیاوی کاروبار مت کرو اور کسی قسم کا ظلم زیادتی اور سرکشی روا نہ رکھو۔"

جب ان یہودیوں نے یہ مسکت اور ذوا ک جواب سنا تو نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومنا شروع کردیئے اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جب تمہیں سچائی کا علم ہے تو ایمان کیوں نہیں قبول کرلیتے؟

وہ بولے: حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ سنو - انہی کے خاندان میں رہے ہمیں خدشہ ہے اگر ہم مسلمان ہوگئے تو یہود ہمیں مار ڈالیں گے۔

حالانکہ داؤد علیہ السلام نے ایسی کوئی دعا نہیں کی تھی یہ انہوں نے سفید جھوٹ بولا۔

(مشکوۃ المصابیح ۱۷:۱ حجۃ اللہ علی العلمین: ۱۱۸)

ایک اور موقعہ پر اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں:

مدینہ طیبہ کے باہر ہم میدان کے قریب سے گذر رہے تھے میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا اتنے میں ہم یہودیوں کے ایک گروہ کے قریب سے گذرے۔

انہوں نے ایک دوسرے سے کہا آؤ ان سے روح کے بارے میں سوال کریں۔

دوسرے نے جواب دیا نہ ہی پوچھو تو بہتر ہے یہ کوئی ایسا جواب نہیں دیں گے جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور مراد بر آئے۔

مطلب یہ تھا کہ سچے نبی ہیں وہی جواب دیں گے جو درست ہوگا اور ان کی صداقت پر دلالت کرے گا اس طرح تمہارا مدعا فوت ہو جائے گا کیونکہ تم تو کوئی ایسی صورت تلاش کرنا چاہتے ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ سچے نبی نہیں اور ایسی صورت

ناممکن ہے اس لئے سوال کرنا ہی عبث ہے اس سے احتراز کرو۔

مگر دوسرا ساتھی مصر رہا بولا پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔

چنانچہ انہوں نے سوال کر دیا کہ ہمیں روح کی حقیقت سے آگاہ کریں

تورات میں لکھا تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ روح کی حقیقت سے پردہ نہیں اٹھائیں گے اگر پوچھا بھی جائے گا تو پھر بھی جواب نہیں دیں گے۔

یہود کے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر انہوں نے جواب دے دیا اور روح کی حقیقت بتا دی تو اس کا مطلب ہو گا سچے رسول نہیں ہیں اور انہیں پروپیگنڈا کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ ان کے سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيْلاً

(الإسراء، ۱۷ : ۸۵)

اے حبیب! یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ ان سے فرما دیں وہ میرے رب کا امر ہے اور تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے یعنی تم اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہو۔

جب یہود کو یہ جواب ملا تو وہ منہ لٹکا کر رہ گئے اور ایک دوسرے سے گویا ہوئے۔

ہم نے نہیں کہا تھا کہ ان سے سوال نہ کرو یہ کبھی ایسا جواب نہیں دیں گے جس سے تمہارا مطلب حاصل ہو۔

○
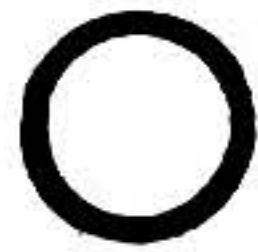
باب۔ ۵

جاہلی رسوم و تہذیب سے طبعی نفرت

شراب و شباب اور عریانی جس تہذیب کے لازمی عناصر ہوں وہاں انسانیت کی قدریں کم اور حیوانیت کی چھاپ زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر جہالت بھی شامل ہو جائے تو اس معاشرے کی حالت اور بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ ان کے سفلی جذبات کی تکمیل کے لئے عریانی' فحاشی' بدکلامی اور آوارگی جیسے امور زندگی کا معمول بن جاتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی ان کی اصلاح کرنا چاہے تو لامحالہ انہیں ان عادات فاسدہ سے پرہیز پر کاربند رہنے کی ہدایت کرے گا لیکن یہ لوگ ایک عرصے سے ان معمولات میں جتے رہنے کی وجہ سے ان افعال کے رسیا اور خوگر ہو جاتے ہیں اس لئے ان عادات و افعال کو ترک کرنا گویا اپنی ساری زندگی کے سابقہ معمولات سے روگردانی اور خلاف طبیعت عمل سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام لوگ ان عادات راسخہ کو ہی عقیدہ و ایمان سمجھ لیتے ہیں اور انہیں چھوڑنے پر کسی قیمت تیار نہیں ہوتے۔

جب برائی عام ہو جائے خواہ وہ کتنی بد زیب اور گھناؤنی ہو وہ برائی نظر نہیں آتی بلکہ معاشرتی قدروں کا ایک حصہ بن جاتی ہے اور اس کے خلاف آواز بلند کرنے والا ان کے نزدیک ذہنی صحت سے محروم ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں عریانی اسی طرح ان کی تہذیب کا ایک حصہ بنی ہوئی تھی اس لئے جو شخص لباس پہنتا تھا یا عریاں ہونے میں جھجک محسوس کرتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی لئے ان کے مذاق کا نشانہ بنے کیونکہ آپ باحیاء سلیم الفطرت انسانی قدروں کے علمبردار اور شریف الطبع انسان تھے ان لوگوں نے اس شرم و حیا اور شرافت کا مطلب یہ لے لیا کہ موسیٰ علیہ السلام جسمانی مرض کا شکار ہیں اس لئے بدصورتی کو چھپانے کی خاطر سب کے سامنے برہنہ ہونے سے

ہچکچاتے اور کپڑے اتارنے سے کتراتے ہیں۔

عرب کے جاہلی معاشرے میں بھی یہ برائیاں اس وقت ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ شراب' بدکاری اور عریانی کے علاوہ بت پرستی بھی عام تھیں اور وہ بڑی بے تکلفی اور فخر سے انہیں سینے سے لگائے زندگی گذار رہے تھے اور ان سے اجتناب کرنے والوں کو مطعون کرتے تھے اور انہیں علانیہ ہدف تنقید بناتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ انہیں حضور علیہ السلام کا بے داغ کردار بعض اوقات کھٹکتا تھا اور وہ آپ کی ذہنی صحت و سلامتی کے بارے میں سوچنے لگ جاتے تھے مریض خود تھے اور مسیحا کو بیمار سمجھتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ بچپن سے لے کر جوانی تک جاہلی دور کی ان تمام خرافات اور لغویات سے بالکل محفوظ رہے کسی جاہلی رسم میں کبھی حصہ نہ لیا۔ قدرت نے انہیں ہر طرح اپنی حفاظت کے مضبوط حصار میں رکھا اگر رشتہ داروں کے مجبور کرنے پر کبھی حالات کے نرغے میں آبھی گئے تو فوراً غیب سے حفاظت اور بچاؤ کے انتظامات ہو گئے۔

قدرت نے طبیعتِ مبارکہ میں ہی ان غیر مہذب کاموں کے لئے نفرت پیدا کر دی تھی اور ان کے قرب ہی سے طبعِ نورانی پریشان ہو جاتی تھی اس لئے خود بھی دوری اختیار فرمائی اور دوسروں کو بھی باز رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

هل عبدت وثنا قط، قال! لا، قال، فهل شربت خمرا قط.
قال: لا ومازلت اعرف ان الذی هم علیه کفر

(الخصائص الکبری . ۱ : ۸۹)

کیا آپ نے (بعثت سے قبل) کبھی بت کی پرستش کی؟ فرمایا: نہیں عرض کی: کیا کبھی شراب پی؟ فرمایا: نہیں۔ ہمیں شروع ہی سے یہ احساس رہا ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ کفر ہے۔

حضور ﷺ کے لے پالک (متبنیٰ Adopted) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک ابتدائی واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

كان صنم من نحاس يقال له "اساف" يتمسح به المشركون اذا طافوا فطاف رسول الله صلى الله عليه وسلم وطفت معه فما مررت مسحت به، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتمسه، قال زيد: فطفنا به، ثم قلت في نفسي لأمسنه حتى انظر مايكون؟ فمسحته، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الم تنه؟ فو الذى اكرمه وانزل عليه الكتاب مااستلمت صنما حتى اكرمه بالذى اكرمه وانزل عليه

(الخصائص الكبرى ، ۱ : ۹۰)

"کعبہ میں تانبے کا ایک بت نصب تھا جسے "اساف" کہتے تھے کعبے کا طواف کرتے وقت چکر مکمل کر کے لوگ اسے بھی ہاتھ لگاتے تھے ایک دفعہ میں اور حضور ﷺ کعبے کا طواف کر رہے تھے جب چکر مکمل ہوا تو میں نے لوگوں کی طرح اسے بھی چھوا حضور ﷺ نے مجھے روکا اور فرمایا اسے مت چھوؤ۔ حضرت زید کہتے ہیں ہم نے پھر طواف شروع کر دیا میں نے دل میں سوچ لیا کہ چکر پورا کر کے پھر اسے ہاتھ لگاؤں گا تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے؟ جب میں نے اسے ہاتھ لگایا تو آپ نے پھر ڈانٹا اور فرمایا: کیا میں نے تجھے اس عمل سے روکا نہیں؟ پس اس ذات پاک کی قسم! جس نے نبی اکرم ﷺ کو عزت و کرامت اور قرآن پاک کی دولت عطا کی پھر میں نے کبھی اس کو نہ چھوا یہاں تک کہ حضور ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں بیانات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ بتوں سے حضور ﷺ کو طبعی نفرت تھی یہاں تک کہ آپ نے بحیرا راہب سے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ان کا تذکرہ میرے سامنے مت کرو میں انہیں بالکل

پسند نہیں کرتا۔

اسی بات کی تائید و وضاحت کرنے والی ایک روایت حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے آپ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

فما نشأت بغضت إلى الأوثان
(کنز العمال)

جب سے ہماری نشو و نما شروع ہوئی ہے اسی وقت سے بتوں کی نفرت ہمارے دل میں ڈال دی گئی ہے۔

ایک لغو اور بے بنیاد اعتراض کی حقیقت

اس شدید اور زبردست نفرت سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی یہ دعوی کرنا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی اہلیہ سونے سے پہلے بت کی پوجا کر لیتے تھے یہ علم و دانش کا منہ چڑانا اور عدل و انصاف کا خون کرنا اور اپنے خبثِ باطن کا ڈھٹائی سے اظہار کرنا ہے۔ مگر دانستہ ایسا لغو اور بے سروپا دعویٰ کیا گیا ہے اور یہ دعوی کرنے والے وہ متعصب مستشرقین ہیں جن کا کام ہی اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ کرنا اور اسلامی تاریخ کا حلیہ بگاڑنا اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہے بہتر ہے کہ ان کی بد دیانتی' جہالت' بے علمی یا تجاہلِ عارفانہ کی ایک مثال یہاں پیش کر دی جائے تاکہ اہلِ اسلام کو پتہ چلے یہ لوگ کس قدر بد دیانت اور دانش کے رہزن ہیں اور کیسے سادہ ذہنوں کو متاثر کرتے اور ان میں زہر بھرتے ہیں۔

پہلے ہم ایک حدیث کا صحیح مفہوم پس منظر اور اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ آپ اس کے معانی سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں پھر جو انگریز دانشورں نے دانستہ یا جہالت کی بنا پر اس سے مفہوم اخذ کیا ہے وہ بیان کریں گے تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ یہ لوگ کس حد تک خائن اور متعصب ہیں مگر اپنی روشن خیالی اور علم دوستی کا ڈھنڈورا کس شد و مد سے پیٹتے ہیں۔ مسند امام احمد میں ایک حدیث ہے۔

حدثني جار لخديجة بنت خويلد، انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول لخديجة خديجة! والله، لااعبد اللات والعزى والله

لاعبد ابدا قال: فتقول خديجة: خل اللات، خل العزى، قال:
كانت صنمهم التي كانوا يعبدون ثم يضطجعون

(مسند احمد حنبل ، ۴ : ۲۲۲)

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک پڑوسی بیان کرتا ہے کہ اس نے حضور ﷺ کی آواز سنی آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرما رہے تھے اے خدیجہ: خدا کی قسم! میں کبھی لات اور عزیٰ کی پوجا نہیں کروں گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: آپ ان دونوں کو چھوڑے رکھیں (یعنی جس طرح پہلے چھوڑا ہوا ہے اسی روش پر قائم رہیں۔) آخر میں راوی نے لات اور عزیٰ کا تعارف کراتے ہوئے بتایا ہے یہ عربوں کے بت تھے جن کی رات کو وہ پرستش کرکے سوتے تھے۔

راوی کے آخری الفاظ تعارفی ہیں جو اس نے عربوں کا طریق کار بتانے کے لئے ذکر کئے ہیں کیونکہ "ھم" ضمیر جمع کے لئے آتی ہے جو قوم کی طرف لوٹ رہی ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کی طرف نہیں ایسی صورت ہوتی تو ضمیر تثنیہ یعنی "ھما" ہونی چاہیے تھی۔

پھر بت پرستی کے بارے میں اسلام کے جذبات واضح ہیں یہاں اس کی پذیرائی کا شائبہ تک موجود نہیں۔ اور یہ سب حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ہی کا اثر ہے۔ ایک مسلمان جان دینا تو گوارا کر سکتا ہے مگر بت کے چرنوں میں جھکنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جن کے پیروکاروں کی نفرت اور بت پرستی سے بیزاری کا یہ عالم ہو اس امت کے امام و مقتدا کے بارے میں ایسا دعویٰ کرنا اور عبارت کے سیاق و سباق اور زبان کے نحوی قانون سے نظر چرا کر اسے غلط مفہوم پہنانا کس قدر زیادتی اور علم و دانش کی تذلیل ہے۔ اس حدیث کا یہ خود ساختہ مفہوم علم و دیانت سے نظریں چرا کر ان انگریز مستشرقین نے بیان کیا ہے جو علم و ادب اور تحقیق (Research) کے میدان میں غیر جانبداری کے دعویدار ہیں خود کو صداقت نگاری کا علم بردار قرار دیتے ہیں اور

شب و روز اپنی اس شان کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے لیکن یہ دعویٰ جھوٹ کی وہ پوٹ ہے جس میں سچائی کی ایک رتی بھی نہیں۔

عرب جاہلی معاشرے میں بت پرستی کے علاوہ عریانی بھی مروج تھی صرف اتنی کسر تھی کہ وہاں ہر سال کوئی ملکہ حسن اور ملکہ عریانی منتخب نہیں ہوتی تھی وگرنہ تہذیب نو کی طرح ثقافت کے نام پر ان کے جاہلی معاشرہ میں وہ تمام قدریں موجود تھیں جو تہذیبِ جدید کا اثاثہ اور فخر ہیں آزادی کے نام پر اس کی ہر "گندی اور بھدی ادا" کو نہ صرف گوارا کیا جاتا ہے بلکہ جائز بھی گردانا جاتا ہے اور جو اس گند سے پہلو تہی کرے اور غیرت و حمیت، شرم و حیاء کا پیکر بنا رہے اسے (Backward) قدامت پرست اور دقیانوسی قرار دے کر ناقابلِ اعتناء سمجھا جاتا ہے۔

اس جاہلی تہذیب کے دلدادگان نے بھی جب پیکرِ عفت و عصمت حضور ﷺ کی شرم و حیاء کو دیکھا تو انہیں بھی عجیب سا لگا اپنی بدبختی، جہالت اور بے حیائی کو عیب سمجھنے کی بجائے یہ تصور کر لیا گیا کہ (نعوذباللہ) حضور ﷺ خود دماغی صحت کھو بیٹھے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے چند واقعات پیش کرتے ہیں اندازہ ہو جائے گا کہ جاہلی تہذیب کی تاریکیوں میں پلے ہوئے کس قدر کج فکر لوگ ہوتے ہیں جو خود کو غلط سمجھنے کی بجائے صحیح کو غلط اور غیر متوازن سمجھتے ہیں۔

(۱) ایک دفعہ "چاہ زمزم" کی مرمت کا مرحلہ تھا لوگ رضاکارانہ طور پر اس مقدس کام میں حصہ لے رہے تھے اور تعمیر کے لئے دور دور سے پتھر لا رہے تھے تاجدارِ کائنات ﷺ کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ حضرت عباس بھی ساتھ تھے۔ دوسرے لوگوں نے دستور کے مطابق پتھروں کی رگڑ سے بچنے کے لئے تہ بند اتار کر کندھوں پہ ڈال لئے اور بغیر کسی تکلف اور احساسِ ندامت کے پتھر ڈھونے لگے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بھی یہی مشورہ دیا جو آپ کو بہت ناگوار گذرا مگر جب انہوں نے شفقت کی بنا پر اصرار کیا تو آپ نے اول ناخواستہ ان کی بات ماننے کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔

بعد میں حضرت ابو طالب نے پوچھا بھتیجے! کیا ہوا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا:

میں نے سفید کپڑوں میں ملبوس ایک شخص کو دیکھا اس نے ہدایت کی: باپردہ رہو عریاں ہونے کی اجازت نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے ذہن میں خیال آتے ہی آپ گر پڑے عباس رضی اللہ عنہ بھاگ کر آپ کے پاس گئے اور پوچھا کیا ہو گیا' آپ فرمانے لگے "نهيت ان امشى عريانا" مجھے عریاں ہو کر چلنے سے روک دیا گیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔ خود فرماتے ہیں

كنت اكتمها الناس مخافة ان يقولوا مجنون	میں یہ بات لوگوں سے چھپایا کرتا تھا۔ مبادا کہ آپ کو مجنون سمجھنا شروع کر دیں۔

(۲) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

"بوانہ" عربوں کا محبوب بت خانہ تھا اس بت خانے پر آکر وہ ہر سال عید منایا کرتے تھے لوگ حضور ﷺ کو بھی مجبور کرتے کہ قومی میلہ اور اجتماعی عید میں شرکت کریں مگر آپ ﷺ ہمیشہ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ آپ کی پھوپھیاں سخت ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم ہمارے خداؤں سے نفرت کرتے ہو یہ اچھی بات نہیں اگر کسی دیوتا کا غضب نازل ہو گیا تو کیا بنے گا؟ ابو طالب نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا لہٰذا مجبوراً ان کی عید میں شریک ہونا پڑا۔

وہاں جا کر لوگ اپنے کاموں میں لگ گئے اور کسی کو آپ کا خیال ہی نہ رہا۔ لہٰذا آپ وہاں سے غائب ہو گئے جب تمام لوگ اپنی رسوم و روایات سے فارغ ہو گئے تو آپ بھی آ گئے مگر سخت پریشان تھے۔ پھوپھیاں قربان ہو گئیں اور پوچھا کیا بات ہے؟

آپ نے فرمایا: میں جب بھی کسی بت کے قریب کھڑا ہوتا تھا تو ایک حسین و جمیل لمبا جوان نمودار ہو کر زور سے چیختا: اے محمد! پیچھے رہو اس کے قریب نہ جاؤ!

وہ کہنے لگیں تمہاری شان عجیب ہے ہم آئندہ تمہیں اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد انہوں نے کبھی آپ کو عید میلہ میں شرکت پر مجبور نہ کیا۔
یہ دوسرا موقعہ تھا کہ آپ نے کسی غیبی ہستی کو اس روپ میں دیکھا۔

(۳) بتوں کے پجاریوں نے کعبہ معظمہ کے اندر بھی بت سجائے ہوئے تھے آپ کے چچا زاد بھائی وہاں اکٹھے تھے انہوں نے سرکار صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے پاس بلایا آپ وہاں گئے کچھ دیر تک کعبہ کو دیکھتے رہے پھر واپس مڑے دوسرے نوجوان بھائی اس انداز پر حیران رہ گئے اور پوچھا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ! کیا بات ہے ؟

آپ نے فرمایا: **نھیت ان اقوم عند ھذا الصنم** مجھے اس بت کے قریب کھڑا ہونے سے منع کر دیا گیا ہے۔

منع کرنے والا کون ہے اسے دیکھنے اور اس حقیقت کو سمجھنے سے وہ قاصر تھے اس لئے آپ ﷺ چپ ہی رہے۔

نبی اکرم ﷺ جاہلی تہذیب سے بیزار اور اس کی رسوم و روایات سے سخت متنفر تھے۔ قدرت نے آپ کو اس کے زہر سے بالکل محفوظ رکھا تاکہ آپ ایک مثالی نمونہ اور کامل اسوہ پیش کر کے اس کی اصلاح کر سکیں اور اسے صالح تہذیب میں بدل سکیں اور آپ نے بہت مختصر مدت میں واقعی اسے بدل کر رکھ دیا۔

وصلی اللہ تعالی علي حبیبه ونور عرشه سیدنا محمد وعلی آله واصحابه وذریاته وعلی جمیع امته اجمعین من یومنا ھذا الی یوم الدین

باب-٦

خلوت پسندی کا غلبہ

حضور نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک جوں جوں چالیس سال کی طرف بڑھ رہی تھی آپ کی طبیعت مبارکہ میں بڑی تبدیلی آتی جا رہی تھی جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑی شدت سے محسوس کیا اور دل ہی دل میں خوش بھی ہوئیں کیونکہ ان کا آئیڈیل محبوب نبی تھا اور انہوں نے اسی خیال سے شادی کی تھی کہ اس عظیم ہستی سے وابستگی عزت و شوکت کی معراج ہے اس لئے وہ عرصہ سے اسی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں دس بارہ سال کی ازدواجی رفاقت کے بعد جب انہیں اس کے نمایاں آثار نظر آنا شروع ہوئے تو وہ خود بھی اس معاملہ میں مدد و معاون بن گئیں اور ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے لگیں تاکہ آپ ﷺ کی یکسوئی ذہنی رجحان اور قلبی میلان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہ جدھر جا رہے ہیں تیزی سے ادھر بڑھتے ہی رہیں۔

سرورِ دو عالم ﷺ کی طبعِ حسین یہ چاہنے لگی کہ شہری ہنگاموں، معاشرتی دھندوں اور دنیاوی بکھیڑوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر کسی کونے میں جا بیٹھیں۔ ہر وقت تصورِ جاناں میں مستغرق رہیں۔ جہاں کوئی مخل ہونے والا نہ ہو۔ وہ ہوں اور محبوب کی یاد ہو۔ اس کے لئے، آپ "کوہِ حرا" پر تشریف لے گئے جب "غارِ حراء" کے دہانے پر پہنچے تو رک گئے دل نے کہا یہی منزلِ مقصود ہے یہیں سے اس حسنِ ازل تک رسائی نصیب ہوگی یہی وہ راحت کدہ ہے جہاں جلووں کی بارات اترے گی اور قلب و نظر کو قرار و تسکین کی دولت میسر آئے گی آرزوئے دید کی امید میں آپ اس میں اتر گئے واقعی وہ راحت گاہ تھی کیوں نہ ہوتی؟ حسنِ ازل نے اپنے جلووں کے لئے انہی خوش قسمت پتھروں کا انتخاب کر لیا تھا۔ اس لئے طبعی طور پر آپ کے قلب و نگاہ نے بھی اسی خلوت گاہ کو جلوہ گاہِ محبوب بنا لینے کے لئے قبول کر لیا۔ اور پھر آپ اس میں

آنے جانے لگے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چند روز کا کھانا تیار کر دیتیں۔ آپ اسی مقدس غار میں آکر معتکف ہو جاتے اور کئی کئی روز تک واپس نہ جاتے محبوب کی لافانی ذات اس کی شانِ خالقیت اس کی صفات اور مخلوقات کے تنوع میں تفکراور عبادت و مناجات میں استغراق وظیفۂ حیات بن گیا۔ شب و روز اسی کی یاد میں منہمک رہنے لگے اس یاد کی لذت نے ہر یاد فکر اور لذت سے بے نیاز کر دیا اس میں وہ کیف و سرور تھا جسے الفاظ میں نہیں ڈھالا جا سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

دن بیتتے رہے آخر یہ خلوت رنگ لائی جس مقصد کے لئے دنیا سے الگ تھلگ ہو کر یہاں گوشہ نشیں ہوئے تھے اس کی ظرف قدم تیزی سے بڑھنے لگے آپ نے محسوس کیا جیسے غار میں دور کوئی چراغ روشن ہو گیا ہے اور اس کی روشنی ماحول کو منور کر رہی ہے۔ آہستہ آہستہ آپ اس روشنی سے مانوس ہو گئے پھر وہ روشنی بڑھنے اور قریب آنے لگی اور پھر وہ معمول کا ایک حصہ بن گئی۔

روشنی اور آواز

اس کے بعد بات کچھ اور آگے بڑھی جب بھی آپ تنہا ہوتے تو بڑی میٹھی اور دلکش آواز سنائی دیتی جیسے کوئی پاس بیٹھا ہو اور پیار سے پکار رہا ہو **یا محمد! یا محمد**: اس نداء میں محبت و عقیدت اور پیار کی چاشنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی مگر پکارنے والا نظر نہ آتا اور پھر یہ نئی بات بھی معمول کا حصہ بن گئی۔ آپ نے گھر آکر حضرت خدیجہ کو بتایا:

یاخدیجۃ! انی اری ضوء — اے خدیجہ! مجھے روشنی نظر آتی ہے

واسمع صوتا (الطبقات الکبریٰ ۱۰۰۵) — اور غیبی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: آقا ﷺ : یہ اچھی علامت ہے آپ میں جو حمید خصائل موجود ہیں اور انسانیت کا درد پایا جاتا ہے اس کا اچھا نتیجہ نکلے گا گھبرانے کی کوئی بات نہیں یہ اندیشے تو ان لوگوں کو ہوتے ہیں جن کی زندگی بے مقصد،

بے فائدہ اور بے کار ہو۔ آپ تو معاشرے کے ماتھے کا جھومر اور قوم کا افتخار ہیں۔ غرباء کے ہمدرد اور مساکین کے خیر خواہ ہیں یتیموں اور بیواؤں کا ماویٰ و ملجا ہیں۔ آپ کو کوئی خطرہ کیسے ہو سکتا ہے اللہ نے چاہا تو ہر طرح خیر ہی خیر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفل تھے جو اس دورِ جاہلیت میں حق کے سچے طلبگار اور کسی صادق رہنما کے متلاشی تھے اور اسی تلاش و جستجو میں زندگی کی تمام بہاریں دیکھ چکے تھے اور اب گور کنارے بیٹھے تھے۔

اس وقت حق و صداقت تک رسائی کے لئے دو ہی کتابیں تھیں چنانچہ وہ تورات و انجیل کے مطالعہ ہی میں غرق رہتے تھے اس کے نتیجے میں انہیں پتہ چل چکا تھا اب اس دنیا کی رہنمائی کے لئے صرف نبی آخر الزمان ﷺ کی تشریف آوری باقی ہے اور وہ مبعوث ہونے ہی والے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چونکہ ورقہ بن نوفل کی قابلیت دانائی اور معلومات کی وسعت سے آگاہ تھیں اس لئے انہوں نے مناسب سمجھا کہ یہ بات ان کے کانوں سے بھی نکال دی جائے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو بے اختیار پکار اٹھے یہ تو نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی ابتدائی علامات ہیں، انہوں نے کہا:

> اے محمد! اب اگر وہ آواز سنائی دے تو آپ وہیں بیٹھے رہیں اور توجہ سے اس کی بات سنیں حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

(الطبقات الکبری، ۱: ۱۹۵)

حضرت عمرو بن شرجبیل رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

فلما خلا ناداہ یا محمد! اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ	پس جب حضور ﷺ خلوت میں گئے تو آواز آئی! اے محمد: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اسی کے بندے اور رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)
(الطبقات الکبری، ۱: ۱۵۷)	

حضور ﷺ نے گھر آکر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتائی تو وہ خوشی سے جھوم گئیں انہیں اپنی خواہش پوری ہوتی نظر آنے لگی وہ اسی خوشی میں پھر حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچ گئیں اور ساری بات بتادی۔

ورقہ بن نوفل بھی بہت خوش ہوئے ان کی معلومات کے مطابق نبی آخر الزماں ﷺ کی تمام علامتیں حضور علیہ السلام میں موجود تھیں انہوں نے قبل از وقت ہی بتادیا۔

ابشر، ثم ابشر، فانا اشهد انك الذی بشر به ابن مریم وانك علی مثل ناموس موسی وانك نبی

(دلائل النبوة لابی نعیم : ۱۷۰)

(دلائل النبوة للبیهقی : ۱۲۷)

(الخصائص الکبریٰ ، ۱ : ۹۵)

"آپ کو بشارت ہو! آپ کو دوہری بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں آپ ہی وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے جن کی آمد کی خوش خبری دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو فرشتہ آیا کرتا تھا وہی آپ کے پاس بھی آنے والا ہے اور یہ کہ آپ بے شک نبی ہیں۔"

(۲) جو روشنی دور سے نظر آتی تھی اب وہ بالکل قریب آگئی اور پھر اس میں سے ایک حسین صورت ابھرنے لگی جیسے روشنی اور رعنائی پیکر میں ڈھل گئی ہو اور حسن و نور کو ایک مجسّمے کی صورت دے دی گئی ہو اس پیکرِ نور کی ہر ادا دلکش اور مسکراہٹ عقیدت و محبت سے لبریز تھی اس نے جھلک دکھائی اور پھر غائب ہوگیا۔

حضور ﷺ نے گھر آکر نئی صورت حال اور انکشاف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا وہ اپنے خوابوں کی تعبیر کو قریب پاکر پھر کھل اٹھیں انہیں سو فیصد یقین تھا روشنی میں نمودار ہونے والا پیکر نور اللہ کے فرشتے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حضور کریم ﷺ کی نورانی عادات اور نادر خصائل سے آگاہ تھیں ان کے

نظریئے کے مطابق کسی شریر قوت کے آپ ﷺ کے نزدیک آنے کی گنجائش ہی نہیں تھی کسی جن بھوت پریت شیطان میں کہاں طاقت تھی کہ اس سرچشمہ حق وصداقت اور منبع خیر و برکت کے قریب بھی بھٹک سکے وہ اسی یقین کے سہارے ایک صاحبِ علم سے بھی اس کی تصدیق کرانے کے لئے پھر ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچ گئیں اور نئے تجربات سے آگاہ کیا۔

حضرت ورقہ بن نوفل نے کہا:

واللہ انہ لصادق ان ھذا لبدء نبوۃ واللہ انہ لیاتیہ الناموس الاکبر (الخصائص الکبریٰ، ۱ : ۹۷)

خدا کی قسم! وہ سچے ہیں اور یہ ان کی نبوت کی ابتدائی علامات ہیں خدا کی قسم! ان کے پاس "ناموسِ اکبر" فرشتہ آتا ہے۔

مطلب یہ تھا کسی غلط اور شریر قوت کا یہاں امکان نہیں ہے انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: پھر بھی اگر آپ اس کے فرشتہ ہونے کا امتحان لینا چاہتی ہیں تو اس کا طریقہ میں بتائے دیتا ہوں۔

اذھبی الی المکان الذی رای فیہ مارای، فاذا راہ فتحسری فان یکن من عند اللہ لایراہ

جس جگہ انہوں نے اس پیکرِ نور کو دیکھا ہے آپ بھی وہیں چلی جائیں پس جب وہ پیکرِ نور ان کو دکھائی دے تو اپنے سر سے دوپٹہ اتار دیں اگر وہ آنے والا پیکرِ نور اللہ کی طرف سے ہے تو غائب ہو جائے گا اور دکھائی نہیں دے گا۔

یہ نسخۂ کیمیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل کو لگا پاک اور ناپاک قوت کو پہچاننے کا یہ ایک موثر ذریعہ تھا انہوں نے حضور ﷺ سے کہا!

یا ابن عم! تستطیع ان تخبرنی بصاحبک ھذا الذی یاتیک اذا جاءک، فقال: نعم، قالت: اذا جاءک فاخبرنی فبینا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عندها اذ جاء جبريل فقال: ياخديجة! هذا جبريل: قالت اتراه الآن؟ قال: نعم قالت: فاجلس على شقى الايمن، فتحول فجلس قالت: هل تراه الآن؟ قال: نعم قالت: فاجلس فى حجرى فتحول فجلس قالت: هل تراه الآن؟ قال نعم فتحسرت عن راسها، فألقت خمارها ورسول الله جالس فى حجرها قالت: هل تراه الآن؟ قال: لا قالت: ماهذا شيطان ان هذا لملك يا ابن عم! فاثبت ابشر، ثم امنت به وشهدت ان الذى جاء به لحق

(دلائل النبوۃ للبیھقی، ۲ : ۱۵۲)

"آقا ﷺ گذارش ہے جب آپ کے پاس وہ پیکرِ نور آئے تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں بتا سکتا ہوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اب وہ جب بھی آئے تو مجھے بتائیں۔ چنانچہ کسی موقعہ پر حضور کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے اتنے میں جبریل امین نمودار ہوئے آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! وہ پیکرِ نور آگیا ہے۔ سیدہ خدیجہ نے پوچھا: کیا اب وہ نظر آرہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: آپ میری دائیں جانب آکر بیٹھ جائیں۔ حضور ﷺ ان کی دائیں جانب جاکر بیٹھ گئے انہوں نے پوچھا: کیا اب بھی دکھائی دے رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں انہوں نے عرض کی اب آپ میری گود میں آکر بیٹھ جائیں۔ حضور ﷺ ان کی گود میں جاکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے پوچھا: کیا اب بھی آپ اسے دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر مبارک سے دوپٹہ اتار کر پرے پھینک دیا سر ننگا ہوگیا پوچھا: کیا اب بھی وہ دکھائی دے رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ چلا گیا۔ عرض کی: میرے آقا ﷺ آپ ثابت قدم رہیں اور مبارک و بشارت قبول فرمائیں پھر آپ حضور ﷺ پر ایمان لے آئیں اور گواہی دی کہ جو کچھ آپ کے پاس آیا ہے وہ حق ہے۔ (۳) جب

ظہور نبوت کا وقت بہت قریب آگیا تو اس میں ایک چیز کا اضافہ ہو گیا۔

فلایمر بحجر ولا شجرة الا قالتْ السلام عليك يارسول الله فيلتفت رسول الله صلى الله عليه وسلم خلفه وعن يمينه وعن شماله ولايرى احدًا الا الشجر وما حوله من الحجارة

(الطبقات الکبریٰ، ۱ : ۱۵۷)

جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی پتھر یا درخت کے قریب سے گذرتے تو وہ آپ کو سلام عرض کرتا **"السلام علیک یا رسول اللہ"** آپ سن لیتے اور دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتے مگر درختوں اور ارد گرد پھیلے ہوئے پتھروں کے سوا کوئی نظر نہ آتا۔
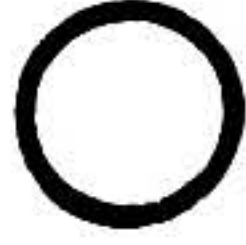
باب ـ ۷

سچے خوابوں کا سلسلہ

عالم نور سے ربط و تعلق کے اس اعزاز سے وہی سرفراز ہو سکتا ہے جو اپنی ذات میں نور کو جذب کر لے اور بشری عوارض سے بالا تر ہو کر نور کی کائنات میں داخل ہو جائے یہ حضرات انبیاءِ کرام کی امتیازی شان ہے اس کو حضرت قاضی عیاض نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ظواهرهم مع البشـر وبواطنهم مع الملائكة (الشفاء)

ان کے ظاہر لوگوں کے ساتھ اور باطن فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

عالم نور ہی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے یہ روحانی اور نورانی حضرات خلوت میں جاتے ہیں اور نور جذب کر کے مرکز نور کی طرف پرواز کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ایک تدریجی اور دیر طلب عمل ہے اس لئے ملائکہ کا نزول یکدم نہیں ہوتا بلکہ پہلے ان کے قوائے فکر و شعور اور ظاہر و باطن کو باقاعدہ تیار کیا جاتا ہے۔ غیبی آوازیں آنا روشنی دکھائی دینا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اسی طرح خواب بھی اسی ارتقائی عمل کا ایک حصہ ہیں۔ حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں۔

ان اول ما يوتى به الانبياء في المنام حتى تهدا قلوبهم ثم ينـزل الوحی بعد (الخصائص الکبری، ۱ : ۹۳)

"انبیاء کرام کو جو کچھ بھی عطا کیا جائے وہ سب سے پہلے خواب میں عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کلی طور پر مطمئن اور مانوس ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد وحی نازل ہوتی ہے۔"

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں حضور ﷺ کو بھی باقاعدہ نزول وحی سے پہلے خواب آنا شروع ہو گئے تھے آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدہ سحر کی طرح

نمودار ہو جاتا یعنی جو کچھ رات کو خواب میں دکھائی دیتا وہ دن کے اُجالے میں بیداری کی حالت میں اسی طرح وقوع پذیر ہو جاتا۔"

اول ما بدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة في النوم فکان لایری رؤیاء الاجاءت مثل فلق الصبح

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ، ۱۶۸)

وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی آپ نیند میں جو کچھ دیکھتے تھے وہ طلوعِ صبح کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا۔

ان خوابوں کا فائدہ یہ ہے کہ فرشتوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ اور شوق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نبی اجنبی مخلوق کو سامنے دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ طبیعت میں فرحت و تسکین اور ٹھنڈک پاتا ہے۔

اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے راوی حضرت عروہ بن زبیرؓ ہیں۔

رأی انہ بینما ھو في مکة اتی الی سقف بیتہ فنزع شبحة شبحة، حتی اذا نزع، ادخل فیہ سلم من فضة نزل الیہ رجلان. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاردت ان استغیث فمنعت الکلام، فقعد احدھما علی راسی والآخر الی جنبی، فادخل احدھما یدہ في جنبی فنزع ضلعین منہ فادخل یدہ في جوفی وانا اجد بردھا، فاخرج قلبی فوضعہ علی کفہ، فقال لصاحبہ نعم القلب، قلب رجل صالح، ثم ادخل القلب مکانہ ورد الضلعین، ثم ارتفعا ورفعا سلمھما فاستیقظت

(الخصائص الکبریٰ ، ۱ : ۹٤)

آپ نے خواب دیکھا جیسے مکہ میں موجود ہیں اور آپ کے گھر کی چھت پر کوئی آیا اور اس نے چھت کی کڑیاں ایک ایک کر کے اکھاڑنا شروع کر دیں یہاں

تک کہ جب تمام چھت اکھاڑ لی تو اس میں چاندی کی سیڑھی داخل کی پھر دو آدمی نیچے اترے حضور ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں کسی کو پکارنا چاہا مگر آواز نہ نکلی۔ ایک آدمی سر کے پاس اور دوسرا ہمارے پہلو کے قریب بیٹھ گیا اور پہلو میں ہاتھ داخل کر کے جیسے دو پسلیاں نکال لیں پھر دل نکالا اور ہتھیلی پہ رکھ کر کہا صالح انسان کا کتنا پاکیزہ دل ہے اس کے ہاتھ کی ٹھنڈک ہم نے باقاعدہ محسوس کی پھر اس نے دل دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا اور پسلیاں بھی جوڑ دیں پھر وہ دونوں اوپر چڑھ گئے اور سیڑھی بھی اٹھالی۔

پھر یہ خواب دن کے اُجالے میں وقوع پذیر ہوا جبریل و میکائل واقعتاً تشریف لائے اور شق صدر کر کے قلبِ اطہر نکالا دھویا اور جو علوم و اسرار بھرنا تھے وہ اس میں بھرے پھر اپنی جگہ رکھ دیا۔

اسی روایت میں ہے۔

ثم انه خرج من عندها ورجع فاخبرها ان بطنه شق ثم طهر وغسل ثم اعيد

حضور ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس سے باہر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو بتایا پہلے پیٹ مبارک کو چاک کیا گیا پھر دھو کر پاک کر کے پہلے کی طرح کر دیا گیا۔

○
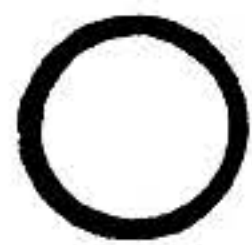
باب۔۸

پیکرِ نور سے مانوسیت اور اضطراب

نور کے ہالے میں جو پیکر نظر آنے لگا تھا اب اس نے ہمکلام ہونا شروع کر دیا یہ ایک نیا نشاط انگیز اور قرار بخش تجربہ تھا اس نے ذوق و شوق اور کیف و سرور کو فزوں تر کر دیا طبیعت چاہنے لگی کہ اب وہ پیشِ نظر اور ہمکلام ہی رہے یعنی میں تیرے روبرو رہوں تو میرے روبرو رہے۔

وہ پیکر نور عرض کرتا۔

یامحمد! انت رسول الله، وانا جبریل

اے پیارے محمد ﷺ ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔

حضور ﷺ اس سے پوری طرح مانوس ہو گئے اور اس سے اجنبیت کا احساس ختم ہو گیا جب وہ سامنے آتا تو اسے دیکھتے ہی رہتے اور دیدِ مظہرِ جاناں میں استغراق کے باعث وقت کا بھی پتہ نہ چلتا۔

حضور ﷺ ایک دفعہ کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

رفعت راسی الی السماء انظر، فاذا جبریل في صورة رجل صاف قدمیه في افق السماء یقول یامحمد! انت رسول الله وانا جبریل وشغلنی ذالك عما ارید، فوقفت وما اقدر ان اتقدم ولا اتاخر وما اصرف وجهی في ناحیة من السماء الا رایته فیها. فمازلت واقفا حتی کاد النهار یتحول ثم انصرف عنی وانصرفت راجعا الی اهلی

(سبل الهدی والرشاد ، ۲ : ۳۱۳)

(دلائل النبوة للبیهقی ، ۲ : ۱٤۸)

"سر اٹھا کر دیکھا تو ایک عجیب منظر نظر آیا جبریل آسمانی افق پر چھائے ہوئے تھے (ایک روایت میں ہے کہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھے تھے جیسے کوئی بادشاہ تخت پر شاہانہ انداز سے بیٹھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ "چوکڑی" مار کر بیٹھے تھے) وہ پکارے: اے محمد ﷺ ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ اس حسین نظارے نے ہمیں ہر نظارے اور ارادے سے بے پرواہ کر دیا اور ہم وہیں بے حس و حرکت کھڑے ہو گئے نہ آگے بڑھتے تھے نہ پیچھے ہٹتے تھے آسمان میں جدھر بھی نگاہ اٹھا کر دیکھتے وہی نظر آتا پس ہم اسی طرح کھڑے رہے یہاں تک کہ دن ڈھلنے کے قریب ہو گیا پھر وہ گیا اور غائب ہوا تو ہم بھی واپس گھر آئے۔

پھر یہ موانست اور دوستی بڑھتی رہی حضرت جبریل امین روپ بدل بدل کر ہر شکل و صورت میں آتے رہے تاکہ آپ ملکوتی جمال کے ہر رنگ و روپ سے آگاہ و مانوس ہو جائیں اور ملکوتی جلال و ہیبت بھی بار بار دیکھنے سے ختم ہو جائے اور اس حد تک انس بڑھ جائے کہ عادتِ ثانیہ بن جائے اور اجنبیت کی دیوار بالکل گر پڑے چنانچہ ایک وقت آیا کہ یہ دیوار بالکل گر گئی اور ملنے کے وعدے ہونے لگے۔

اس کیفیت اور صورتِ حال کی وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے آپ بیان فرماتے ہیں۔

خرجت مرة اخرى فاذا انا بجبريل على الشمس جناح له بالمشرق وجناح له بالمغرب فهلت منه فجئت مسرعا له فابطا على فاردت انا ارجع

(دلائل النبوة لابي نعيم : ۱۷۱)

ہم دوسری بار نکلے تو اچانک دیکھا جیسے جبریل سورج پر سوار ہے اس کا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے اس شوکت و جلال نے عجیب ہول سا طاری کر دیا چنانچہ ہم گھر کی طرف لوٹے تو دیکھا وہ دروازے کے درمیان کھڑا ہے اس نے گفتگو شروع کر دی یہاں تک کہ ہم اس کے ساتھ مانوس ہو

گئے (اور پہلا اثر جاتا رہا) پھر اس نے ایک وقت مقررہ پر آنے کا وعدہ کیا پس ہم وعدہ کے مطابق وہاں پہنچ گئے لیکن اس نے دیر کر دی ہم نے چاہا کہ واپس لوٹ جائیں۔

محبوب کے پیامبر اور قاصد سے محبت اور دوستی پیار اور یگانگت کے یہ رشتے اسی طرح مستحکم ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ یہ محبت اپنے عروج پر پہنچ گئی اور وہ ساعت سعید آگئی جس کے لئے یہ سارے انتظامات کئے گئے تھے اور اس روشنی خواب اور غیبی آوازوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔

دل دھڑکنے کا سبب

اہل دل کو حضور ﷺ کے ساتھ اتنی قلبی و روحانی وابستگی ہے کہ وہ بعض اوقات یہ تصور کرتے ہیں کہ یہ دل کا دھڑکنا' آپ کی عظمت وشان اور مقام قرب وحضور کے منافی ہے۔ وہ جب یہ پڑھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قلبِ اطہر دھڑکنے لگا تو خود ان کا اپنا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے وہ آپ ﷺ کی طرف اتنی سی نسبت بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ ان کے جذبات محبت و وارفتگی ہیں جس میں خیر ہی خیر ہے اور عشق ومحبت کا جذبہ کار فرما ہے مگر حقیقت سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے تاکہ انہیں تسلی ہو اور وہ دھڑکنے کی اس نسبت کو منافیٔ نبوت وعظمت تصور نہ کریں۔

بات یہ ہے کہ ہمارا جہان "عالم ناسوت" یعنی ایک مادی جہان ہے' جو عالم لاہوت کے مقابلے میں ہے' عالم لاہوت ایک جہانِ نور ہے' جس میں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے' انبیاءِ کرام اور دیگر نوری وجود رہتے ہیں جو طہارت وقدسیت کے پیکر اور نور ونکہت کے خوگر ہیں' قدرتِ کریم نے انہیں ظاہری و باطنی پاکیزگی عطا کی ہے اور اپنا مقرب بنایا ہے۔

اس عالمِ نور کی مخلوق کے کچھ اپنے خصائص اور وہاں کے ماحول کے کچھ اپنے ضابطے اور آداب ہیں' عالم مادی کے باسی کے لئے ان سے تعلق ان کی دید اور ان سے استفادہ ممکن نہیں تاآنکہ وہ بھی ان ہی کے رنگ میں رنگا جائے اور نور و سرور کی پرکیف فضاؤں سے مانوس ہو جائے' اگر اچانک کسی کے سامنے وہ جہانِ نور منکشف ہو جائے یا

اس کی مخلوق کو وہ اصلی روپ میں دیکھ لے تو عام انسان کا اپنے حواس میں رہنا ممکن ہی نہیں' قوائے فکر و شعور اور ذہن و دماغ پر اس کا اثر ہونا لازمی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ کریم ﷺ کو اس جہان نور سے علیحدہ ہوئے' چالیس سال بیت چکے تھے' اس عالمِ ناسوت اور اس کی مخلوق کے ساتھ وابستگی اور تعلقات نے یہاں کا رہائشی بنا دیا تھا' آپ ﷺ بشریت کے تمام تقاضے پورے فرماتے تھے' جب اچانک اس جہانِ نور سے رابطہ قائم ہوا' اور وہاں کی عظیم الشان مخلوق نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ظہور فرمایا اور آپ کو جو ذمہ داری سونپی گئی اس کا تصور فرمایا اور جہلاء کی مخالفت اور عدمِ قبولِ حق کا خیال آیا تو دل دھڑکنے لگا۔ یہ بشری تقاضے کے عین مطابق تھا اور حضور ﷺ اس دنیا میں بشری روپ میں ہی جلوہ گر تھے' انسان تھے اور ایسے مواقع پر انسان کے دل کا دھڑکنا کسی تعجب کا باعث نہیں' اس لئے اگر آپ کا دل مبارک ان حالات میں دھڑکنے لگا تو یہ کوئی مقام و مرتبہ سے فروتر بات نہیں تھی' محبوب کے ساتھ رابطہ قائم ہو جائے بلکہ اس کی یاد ہی آ جائے تو دل بے قابو ہو جاتا ہے۔ یہ دھڑکن لگن کی علامت ہے۔

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

یہی وجہ تھی کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد' کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا' تاکہ اس سے دو فوائد حاصل ہوں' اچانک فرشتے کے ظہور اور وحی کے ثقل سے نیز مستقبل کی ذمہ داری اور فرائض نبوت کی انجام دہی کے احساس سے جو رعب سا طاری ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے اور اس کی جگہ شوق اور انتظار لے لے' کیونکہ وحی' قولِ ثقیل ہونے کے باوجود ایک کیفیتِ سرور اور "مقامِ حضور" بھی ہے' جو انتہائی قرب کا ترجمان ہے' اس لئے طبعی طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ رابطہ اور تعلق ضرور قائم ہو جائے' چنانچہ یہی ہوا وہ جو اضطراب یا رعب کی کیفیت تھی وہ تو بہت جلد زائل ہو گئی اور اس کی جگہ یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ پیغامِ یار

پھر آئے اور وہ فرستادۂ حبیب اور مظہرِ حسنِ یار جبریلِ امین بار بار آئے ، محبوب کا کلام سنائے اور اس کا پیغام پہنچائے۔ مگر اس عمل میں جان بوجھ کر تاخیر کی گئی یہاں تک کہ انتظار کے شوق کی جگہ اضطراب نے لے لی، اور یہ اضطراب شدت اختیار کر گیا۔

شوقِ فراواں کے باعث، صورتِ حال یہ ہو گئی کہ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اگر "پیغامِ یار" نہ آیا تو آپ پہاڑ کی چوٹی سے کود جائیں گے، اور واقعی آپ اس ارادے سے پہاڑ پر چڑھ گئے مگر اچانک وہ پیکرِ نور نمودار ہو گیا جیسے وہ ساتھ ساتھ ہو مگر شوقِ دید بڑھانے کے لئے خود کو چھپائے ہوئے ہو، تاکہ شوقِ دید انتہائی حدوں کو چھو لے اور وہ اسے سامنے پا کر خائف ہونے کی بجائے خوش ہوں اور اس کے ظہور کو غنیمت و نعمت سمجھیں۔

"صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں" کی اس کیفیت سے یہی سماں پیدا کرنا مقصود تھا، چنانچہ وہ پیدا ہو گیا، جبرئیل امین علیہ السلام نے ظاہر ہو کر کہا:

یا محمد انك رسول الله حقا "اے محمد! آپ تو اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مطلب یہ کہ ناامید اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جس نے نبوت عطا کر دی ہے، وہ آپ کے حالات سے بے خبر نہیں اگر رابطہ قائم نہیں کر رہا تو اس میں کچھ حکمتیں ہیں، جب وقت آیا تو خود ہی حکم دے دے گا اور خصوصی پیغام سے نوازے گا۔

یہ دور جس میں وحی نازل نہیں ہوئی اسے "دورِ فترتِ وحی" کہتے ہیں یعنی وحی کی بندش کا زمانہ۔ تقریباً اڑھائی سال پر پھیلا ہوا تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتیاق فزوں تر ہو گیا۔ آپ قبول وحی کے لئے دل و جاں سے تیار ہو گئے پھر جونہی وحی نازل ہوئی تو آپ میدانِ عمل میں اتر آئے باطل نظام کے ساتھ زبردست تصادم کا تاریخی سلسلہ شروع کر دیا اور پھر وحی بھی لگاتار نازل ہونے لگی۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں **حمی الوطیس** "یعنی وحی کا تنور گرم ہو گیا" اور اس کے نزول میں سرگرمی اور تیزی پیدا ہو گئی اور انقطاع کا دور ختم ہو گیا۔
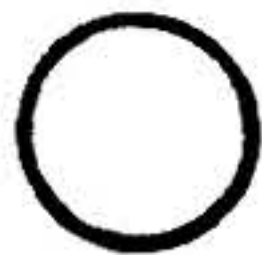
حصہ سوم

○

بعثت ورسالت اور نزول وحی کا آغاز

باب-۱

آفتابِ نبوت کا ظہور

کتب سیر کے مطابق یہ پیر کا دن اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی کہ غار حرا نور سے جگمگا اٹھی ملکوتیوں نے اس غار کو حصار میں لے لیا اور نورانی فضاؤں میں وہاں عالم بالا کے شایان شان جواہر و یاقوت سے مرصع تخت بچھا دیا حضرت جبریل امین آگے بڑھے سرکار دو عالم ﷺ کو سینے سے لگایا حکم ربانی سے آگاہ کیا کہ آپ کو رسالت کا منصب سونپا گیا ہے آپ اللہ کے رسول ہیں اور انہوں نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

نزل الملك على رسول الله صلى الله عليه وسلم بحراء يوم الاثنين لسبع عشرة خلت من شهر رمضان، ورسول الله يومئذ ابن أربعين سنة وجبريل الذي كان ينزل عليه بالوحي

(الطبقات الكبرى لابن سعد، ۱ : ۱۹٤)

فرشتہ غار حرا میں پیر کے دن نازل ہوا رمضان کی سترہ تاریخ تھی اور حضور ﷺ کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال تھی اور وحی لے کر آنے والے جبریل امین علیہ السلام تھے۔

تاریخ نبوت کے اس نادر اور سب سے عظیم و جلیل واقعہ کی تفصیلات بیہقی اور ابو نعیم کی روایات میں ہیں۔

ثم استعلن له جبريل عليه السلام وهو باعلى مكة فاجلسه على مجلس كريم معجب، كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول اجلسني

على بساط كهيئة الدرنوك فيه الياقوت واللؤلؤ فبشره برسالة الله حتى اطمأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال له جبريل اقرأ، فقال كيف اقرأ۔ قال اقرأ باسم ربك الذي خلق، وقبل الرسول رسالة ربه وانصرف منقلبا الى بيته جعل لايمر على شجرة ولاصخر الا سلم عليه فرجع مسرورا الى اهله موقنا قد رأى امرا عظيما

(دلائل النبوة للبيهقي ، ۲ : ۱٤۲)

حضور ﷺ مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں تھے کہ جبریل امین علیہ السلام نمودار ہوئے اور بڑی ہی شاندار اور حیرت انگیز نشست گاہ پر بٹھایا حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ لعل و جواہر اور یاقوت سے آراستہ شاندار قالین نما کوئی شے تھی جبریل امین علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اللہ کا رسول ہونے کی بشارت دی سرور دو عالم ﷺ کا دل مطمئن ہوگیا جبریل علیہ السلام نے کہا پڑھئے؟ جواب دیا: کیسے پڑھوں؟ جبریل نے کہا۔ اللہ کے بابرکت نام کے ساتھ پڑھنے کا آغاز کیجئے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے سب کچھ تخلیق فرمایا اور انسان کو منجمد لوتھڑے سے پیدا کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کریم کی رسالت کو قبول کیا اور واپس تشریف لائے اب صورت حال یہ تھی کہ جس پتھر اور درخت کے قریب سے گذرتے وہ سلام نیاز پیش کرتا یہ ایک حسین و مسرت بخش تجربہ تھا جس نے بے کراں خوشیوں سے ہمکنار کردیا شاداں و فرحاں گھر تشریف لائے اس عظیم واقعہ کا قلب اطہر پر گہرا اثر تھا۔

المواہب اللدنیہ میں ایک حدیث یوں نقل کی گئی ہے۔

ان جبريل تبدى له صلی اللہ علیہ وسلم في احسن صورة واطيب رائحة فقال يا محمد ان الله يقرئك السلام ويقول لك انت رسولي الى الجن والانس، فادعهم الى قول لا اله الا الله، ثم

ضرب برجله الارض فنبعت عين ماء فتوضأ منها جبريل عليه السلام ثم امره ان يتوضأ وقام جبريل يصلي وامره ان يصلي معه فعلمه الوضوء والصلوة

(الانوار المحمدية من المواهب ، ٤١)

حضرت جبریل امین علیہ السلام حسین ترین صورت میں نمودار ہوئے آپ سے خوشبو کی لپیٹیں آ رہی تھیں انہوں نے آکر کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو تمام جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپ انہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نظریہ قبول کرنے کی دعوت دیں۔ پھر جبریل امین علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا وہاں سے انہوں نے وضو کیا مقصود یہ تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ دیکھ لیں وضو کا طریقہ کیا ہے چنانچہ اس نے سرکار سے عرض کی: آپ بھی اسی طرح وضو کریں پھر جبریل امین نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور سرکار سے کہا آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں چنانچہ اس طرح انہوں نے آپ ﷺ کو وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔

حضور ﷺ جب گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو منصب رسالت عطا کئے جانے کی خوشخبری سنائی اور بتایا کہ انکو تخت و تاج نبوت کا تاجدار بنا دیا گیا ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خوشی سے بے خود ہو گئیں۔

ثم امر بها فتوضات وصلى بها كما صلى به جبريل

(الانوار المحمدية ، ٤١)

پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کو بھی حکم دیا کہ وضو کریں اور نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پڑھائی اور سکھائی تھی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علمی و معنی خیز اسلوب

میں ابتدا سے لے کر تخت رسالت پر جلوہ گر ہونے تک کی کچھ اور تفصیلات بھی بیان فرمائی ہیں جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں آپ فرماتی ہیں۔

اول ما بدئ بـه رسـول الله صلی اللہ علیہ وسلم مـن الوحـي الرؤيـا الصالحة في النوم فكان لايرى رؤيا الاجاءت مثل فلـق الصبـح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلوا بغار حراء فيتحنـث فيـه وهـو التعبد الليالى ذوات العدد قبل ان ينزع الى اهله ويتزود لذالك ثم يرجع الى خديجة فيتزود لمثلها حتى جاءه الحـق وهـو فـي غار حراء فجاءه الملك فقال اقرأ فقال فقلت ما انا بقارئ قـال فاخذني فغطني حتى بلغ مني الجهد ثم ارسلني فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذني فغطنـي الثانيـة حتـى بلـغ منـي الجهـد ثـم ارسلني فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذني فغطني الثالثة ثم ارسلني فقال إقرأ باسم ربك الذي خلق خلـق الانسـان مـن علق إقرأ وربك الاكـرم فرجـع بهـا رسـول الله صلی اللہ علیہ وسلم يرجف فواده فدخل على خديجة بنـت خويلـد رضـى الله عنهـا فقال زملونـي زملونـي فزملـوه حتـى ذهـب عنـه الـروع فقـال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسي فقالت خديجـة كلا والله مايخزيك الله ابدا انـك لتصـل الرحـم وتحمـل الكـل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق

(صحیح البخاری ، ۱ : ۲)

وحی کا آغاز سچے اور حسین خوابوں سے ہوا جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ "نور سحر" کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا پھر آپ کے قلب منور میں خلوت کی محبت ڈال دی گئی چنانچہ آپ "غار حرا" میں خلوت فرمانے لگے وہاں آپ "تحنث"

فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں لگاتار شب و روز آپ عبادت فرماتے تھے ایک بار گھر والوں کے پاس تشریف لے آتے اور کھانا لے کر پھر وہیں جا کر معتکف ہو جاتے پھر حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لاتے اور کھانا لے کر پھر وہیں چلے جاتے (یہ ایک معمول بن گیا تھا) یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک روز پیکر حق و صداقت نمودار ہوا اس وقت آپ غار حرا میں تھے فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھیے! آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑ کر سینے سے لگایا اور پوری قوت سے دبایا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا اب پڑھیے۔ میں نے کہا: میں تو پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ پکڑ کر سینے سے چمٹا کر زور سے دبایا اور کہا اب پڑھیے۔ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری بار پھر پکڑ کر زور سے بھینچا اور کہا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ اَلَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝

(العلق، ۹۶، ۱-۵)

اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھنا شروع کیجیے جس نے انسان کو اس چیز سے پیدا کیا جو رحم مادر میں معلق ہوتی ہے۔ اپنے رب کریم کے بابرکت نام کے ساتھ پڑھنے کا آغاز کیجیے جس نے قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپ یہ احکامات ربانی لے کر گھر تشریف لائے (مستقبل کی ذمہ داری کے احساس سے) دل مبارک دھڑک رہا تھا۔ چنانچہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا "ہمیں کپڑا اڑھا دو! ہمیں کپڑا اڑھا دو!" چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی: اور چادر اڑھا دی (آپ لیٹے رہے یہاں تک کہ کچھ دیر بعد) اضطراب و رعب کی وہ کیفیت جاتی رہی۔ تب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تمام حالات سے آگاہی بخشی اور فرمایا اس راستے میں جاں جانے کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حقائق کی روشنی میں جواب دیا: میرے سرتاج! ایسی بات ہرگز نہیں ہے اللہ تعالٰی آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا (اور اس انقلابی مشن میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا) کیونکہ آپ رشتہ داروں کے حقوق پوری طرح ادا کرتے ہیں بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں نادار لوگوں کی مالی امداد کرتے ہیں مہمان نواز ہیں اور اگر کوئی آدمی حق پر ہو لیکن مشکلات میں پھنسا ہو تو آپ اس کی امداد فرماتے ہیں۔

فانطلقت به خديجة حتى اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزى ابن عم خديجة وكان امرأ تنصر في الجاهلية وكان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب وكان شيخا كبيرا قد عمى فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك فقال له ورقة يا ابن اخي ما ذا ترى فاخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم خبر ما رأى فقال له ورقة هذا الناموس الذي نزل الله على موسى ياليتنى فيها جذعا يا ليتنى اكون حيا اذ يخرجك قومك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجي هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ما جئت به الاعودى وان يدركني يومك انصرك نصرا مؤزرا ثم لم ينشب ورقة ان توفى (صحيح البخاری، ۱ : ۳)

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور دور جاہلیت میں تلاش حق میں نصرانی ہو چکے تھے اور ماشاء اللہ ان دنوں انجیل شریف کا عبرانی سے ترجمہ کرنے میں مصروف تھے عمر بہت زیادہ ہو جانے کے باعث بینائی زائل ہو چکی تھی۔ ورقہ نے پوچھا: اے میرے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بتا دیا ورقہ بن نوفل نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ پاک نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا کاش! میں جوان ہوتا اور جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے ہجرت پر مجبور کرے گی اس وقت میں زندہ ہوتا (حضور ﷺ نے پوچھا) تو کیا یہ لوگ مجھے اس سرزمین سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا: ہاں جو دین آپ لے کر آئے ہیں ایسا دین اور پیغام اور مشن جو شخص بھی لے کر آئے لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں اگر وہ دن مجھے نصیب ہو گیا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ مگر حضرت ورقہ بن نوفل کو وہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ فوت ہو گئے۔

چونکہ حضرت ورقہ بن نوفل نے سرکار دوعالم ﷺ کو پہچان کر ایمان لانے اور امداد کرنے کا اظہار کر دیا تھا اس لئے یہ خوش قسمت اور نیک بخت انسان ناجی اور جنتی ہے حضرت عمرو بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد رایت القس علیہ ثیاب الحریر، لانہ آمن بی وصدقنی

ہم نے ورقہ بن نوفل کو ریشمی لباس میں دیکھا ہے کیونکہ وہ ہم پر ایمان لے آئے تھے اور تصدیق کر دی تھی۔

(الخصائص الکبری، ۱ : ۹۵)
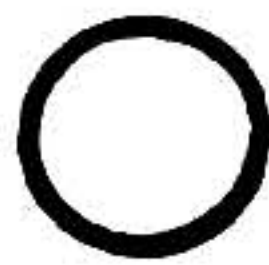
باب۔۲

نزول وحی کا آغاز

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے جب نزول قرآن کا آغاز ہوا تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور حدیث مبارک سے پتہ چلتا ہے وہ پیر کا دن تھا اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔

(۱) اس سلسلے کی پہلی آیت یہ ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ (البقرة ، ۲ : ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن پاک اتارا گیا۔

(۲) دوسری آیت کریمہ یہ ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر ، ۹۷ : ۱)

ہم نے قرآن پاک کو شب قدر میں نازل کیا۔

ظاہر ہے "شب قدر" رمضان ہی میں آتی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا۔

(۳) تیسری آیت کریمہ کا مضمون بھی یہی ہے۔

حٰمٓ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ (الدخان ۴۴ : ۳)

کتاب مبین کی قسم! ہم نے برکت والی رات میں اسے نازل کیا ہے۔

(۴) چوتھی آیت کریمہ یہ ہے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ (الأنفال ، ۸ : ۴۱)

اور جو ہم نے نازل کیا اپنے بندے پر "حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے دن" جس دن کہ دونوں گروہ آپس میں ٹکرائے تھے۔

یہ جنگ بدر کا تذکرہ ہے جس دن دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے تھے اور حق و باطل کے درمیان خط امتیاز قائم ہو گیا تھا اس میں یہ بتایا گیا ہے نزول قرآن کا زمانہ وہی ہے جو جنگ بدر کا زمانہ ہے اور جنگ بدر کے برپا ہونے کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ سترہ رمضان کو برپا ہوئی تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب نزول قرآن کا آغاز ہوا اس دن رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

نزل الملك على رسول الله صلى الله عليه وسلم، بحراء يوم الاثنين لسبع عشرة خلت من شهر رمضان

(الطبقات الكبرى ، ۱ : ۱۹٤)

حضور رسول اکرم ﷺ پر غار حرا میں پیر کے دن فرشتہ نازل ہوا اس روز رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔

ایک اور حدیث پاک سے بھی پیر کے دن کے تعین کا پتہ چلتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ پیر کو ضرور روزہ رکھتے تھے صحابہ کرام علیہم السلام نے اس اہتمام کو بطور خاص محسوس کیا اور اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔

فيه ولدت، وفيه انزل عليَّ

(صحيح المسلم ، ۱ : ۳٦۸)

اسی دن ہم پیدا ہوئے تھے اور اسی دن ہم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

اس حدیث مبارک سے یہ حقیقت کھل گئی کہ تاجدار کائنات ﷺ کی ولادت مبارکہ اور نزول قرآن کا دن پیر ہے۔
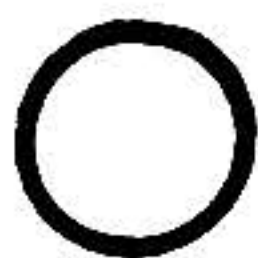
باب۔۳

وحی اور اس کی اقسام

بعثت کے بعد حضور ﷺ کی رسالت و نبوت اور حیات مبارکہ کی تفصیلات شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ وحی کا معنی' اس کے نزول کی صورتیں اور کیفیات کو سمجھ لیا جائے کیونکہ یہی رسالت کا مصدر اور اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔

وحی کا معنی

وحی کا معنی اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام بھیجنا یا پہنچانا' دل میں ڈالنا اور دوسروں سے چھپا کر بات کہنا نیز جو کچھ بھی کسی دوسرے کے خیال میں ڈالا جائے وحی کہلاتا ہے۔

وحی قرآن کی صورت میں متلو اور جلی ہو یا حدیث کی صورت میں غیر متلو اور خفی ہو' ذہنوں میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ وہ کن کن صورتوں اور کن کن شکلوں میں حضور ﷺ پر نازل ہوتی رہی' اس سوال کے جواب پر غور کریں تو وحی کی نوعیت سے قطع نظر آٹھ صورتیں بیان کی جا سکتی ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق نزول وحی کے عمومی حال سے ہے اور باقی تین خصوصی حال سے متعلق ہیں' جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے انہیں بیان کیا ہے۔

نزول وحی کی عمومی صورتیں

ا۔ سچے خواب

پہلی صورت یا حالت جس میں حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا۔ اس کا تعلق ان رؤیائے صادقہ سے ہے جو خواب یا نیند کی حالت میں آپ کو پیش آتے تھے۔ ایسا اعلان نبوت سے قبل کے ابتدائی ایام میں ہوتا تھا۔ آپ بستر پر آرام فرما رہے ہوتے تو سوتے میں سچے خواب دکھائی دیتے جن کی تعبیر آپ بیداری کی حالت میں

دیکھ لیتے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث کے الفاظ ہیں آپ فرماتی ہیں۔

اول ما بدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ في النوم فکان لایری رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح
(صحیح البخاری، ۱ : ۲ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز جس چیز سے ہوا۔ وہ سچی خوابیں تھیں حضور ﷺ خواب میں رات کو جو کچھ دیکھتے اس کی تعبیر دن کو صبح کے اجالے کی طرح سامنے آجاتی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا۔

يَابُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى
(الصافات، ۳۷ : ۱۰۲)

اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا، تیری کیا رائے ہے۔

اس خواب کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وحی الٰہی سمجھتے ہوئے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریئے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

یہی حال دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ اسی واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

رؤیا الانبیاء وحی
(صحیح البخاری، کتاب الوضوء

انبیائے کرام کا خواب وحی ہوتا ہے۔

۲۔ القاء فی القلب (دل میں ڈالنا)

وحی کی دوسری صورت القاء فی القلب کی ہے یعنی فرشتہ حضور ﷺ کے

قلب انور میں جاگتے میں کوئی بات القاء کر دیتا۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے۔

الثانية ان ينفث في روعه الكلام نفثا كما قال صلى الله عليه وسلم إن روح القدس نفث في روعي
(الإتقان في علوم القرآن ، ۱ : ٤٤)

وحی کی دوسری قسم آپ ﷺ کے دل پر کلام القاء کیا جاتا ہے جیسا ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ روح القدس میرے دل پر کلام القاء کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ان روح القدس نفث في روعي انه لن تموت نفس حتى تستكمل رزقها فاتقوا الله واجملوا في الطلب ولايحملنكم على ان تطلبوه بمعصية الله فان ما عند الله لاينال الا بطاعته

(زاد المعاد لابن قيم ، ۱ : ۷۹)

روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی کہ کوئی نفس مر نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے اس لئے اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور طلب رزق میں بہتر طریق اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی معصیت کے ذریعے تلاش کرو کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

وحی کی اس صورت کے دوران آپ ﷺ آلات جسمانیہ کو بالکل معطل فرما کر صرف قوائے روحانی اور حواس قلبی سے کام لیتے تھے۔ اس وقت آپ دل کی آنکھوں سے فرشتے کو دیکھتے اور دل کے کانوں سے اس کی آواز سنتے تھے۔

۳۔ صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی مثل آواز)

وحی کی تیسری صورت صلصلۃ الجرس کی ہوتی تھی۔ حضور ﷺ آرام فرما ہوئے تو یکایک گھنٹی کی آواز سے آپ کے کان آشنا ہو جاتے اور خدا کا کلام گھنٹی کی آواز

کی صورت میں آپ کے قلب مبارک میں جاگزیں ہو جاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔

احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال

(صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

کبھی کبھی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی ہے اور وہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے پھر وہ مجھ سے جدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نزول وحی کی کیفیت جب ختم ہو جاتی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ آجاتا۔

(صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

اگر سواری کی حالت میں وحی آجاتی تو سواری کا اونٹ بیٹھ جاتا اور گردن زمین کے ساتھ لگا دیتا۔

(مسند احمد بن حنبل" ۶: ۱۱۸)

کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر اس حال میں وحی آئی کہ میرا زانو آپ کے زانوئے مبارک کے نیچے تھا مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا زانو ٹوٹ جائے گا۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر، باب لا یستوی القاعدون حدیث: ۴۳۱۶)

وحی کی صورتوں میں اختلاف اقتضائے وحی کے مطابق ہوتا تھا مثلاً اگر وحی وعدہ خیر اور بشارت میں نازل ہوتی تو فرشتہ آدمی کی صورت میں آتا، اور اگر وحی وعید شر اور کسی امر سے ڈرانے کے بارے میں نازل ہوتی تو صلصلۃ الجرس کی مثل ہوتی۔

(زرقانی علی المواہب، ۱: ۲۳۴)

۴۔ فرشتے کا آدمی کی شکل میں آنا

وحی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں یوں بیٹھے ہوتے جیسے چاند ستاروں کے جھرمٹ میں ہوتا ہے تو جرائیل امین بشری لباس میں کسی غلام کا روپ دھار کر آپ کے قدموں میں آ بیٹھتے اور محبوب کا کلام آقائے کائنات ﷺ تک پہنچا دیتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو وہ گھنٹی کی آواز کی صورت میں آتی ہے اور

احیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی مایقول
(صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

بسا اوقات فرشتہ میرے سامنے آدمی کی شکل میں آتا ہے وہ مجھ سے کلام (وحی) کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔

احادیث مبارکہ میں ہے کہ اکثر و بیشتر حضرت جرائیل پیغام خداوندی بصورت وحی لے کر حضور ﷺ کے ایک جانثار صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشبہ دحیۃ الکلبی بجبریل علیہ السلام (الاستیعاب لابن عبدالبر، ۱:۱۶۲)

رسول اللہ ﷺ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو جبرئیل علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ (پردے کے پیچھے سے) وحی فرمانا

وحی کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کے فرشتے کے واسطے کے بغیر بھی آپ ﷺ سے براہ راست گفتگو فرمانا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

گفتگو فرمائی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا
(النساء، ۴: ۱۶۴)

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

وحی کی یہ صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے نص قرآنی سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کا ثبوت (قرآن کی بجائے) معراج کی حدیث میں ہے۔ (زاد المعاد لابن قیم، ۱: ۸۰)

نزول وحی کی خصوصی صورتیں

وحی الٰہی کی مذکورہ پانچ عمومی صورتوں کے علاوہ تین خصوصی صورتیں بھی تھیں جو پیغام خداوندی کی ترسیل کے لئے آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے مختص تھیں۔ یہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

ا۔ فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا

وحی الٰہی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ آپ فرشتے (جبرائیل) کو اس کی اصلی اور پیدائشی صورت میں دیکھتے تھے۔ اور اسی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی حسب مشیت آپ کی طرف وحی کرتا تھا۔ یہ صورت آپ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ النجم میں فرمایا ہے۔ (زاد المعاد، ۱: ۸۰)

حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی اور پیدائشی صورت میں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ زمانہ بعثت میں فترت وحی کے بعد اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرہ کے پاس۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جبرائیل امین کو اس کی اصلی صورت میں دو ہی بار دیکھا ہے۔ ایک بار اس وقت جب کہ آپ نے خود ان سے ان کے دیکھنے کو کہا اور انہوں نے دکھایا تو آسمان کے کنارے ان سے بھر گئے اور دوسری بار شب معراج میں سدرہ کے پاس۔ (زرقانی علی المواہب، ۱: ۲۳۰)

بعض علماء کرام کا قول ہے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت حقیقی ہے اور دوسری مثالی ہے۔ حضرت جرائیل امین علیہ السلام کی حقیقی صورت کو نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کا دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ یعنی یہ بھی حضور ﷺ کی خصوصیت ہے جبکہ مثالی صورت کو دیگر انبیائے کرام نے بلکہ بعض صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے بھی دیکھا ہے۔ (زرقانی علی المواہب ' ۱: ۲۳۴)

۲۔ شب معراج کی وحی

وحی الٰہی کی ایک صورت وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آپ ﷺ پر نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں فرمائی۔ جب کہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے۔ (زاد المعاد ' ۱: ۱۸)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی بلا واسطہ و بلا حجاب وحی

وحی الٰہی کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ و بلا حجاب وحی فرمانا ہے۔ حضور سید دو عالم ﷺ کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور بلا واسطہ کلام فرمایا چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

رأيت ربی في احسن صورة قال فيم يختصم الملأ الاعلى قلت انت اعلم يارب فوضع كفه بين كتفی فوجدت بردها بين ثديي فعلمت ما في السموات والارض

(سنن الدارمی كتاب الرؤيا باب في رؤية الرب تعالى في النوم)

میں نے اپنے رب عزوجل کو بہترین صورت میں دیکھا رب ذوالجلال نے مجھ سے فرمایا کہ ملائکہ مقربین کس بات پر جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی مولا تو ہی خوب جانتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا میں نے اس (کے وصول

فیض) کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

رأی ربه مرتین مرة ببصره ومرة بفؤاده

حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔

(الخصائص الكبرى، ۱ : ۱۶۱)

قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو الحسن اشعری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

ورأى ربه بعيني رأسه

کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

(زرقانی علی المواهب ، ۱ : ۳۰۷)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

الراجح منه عند اكثر العلماء انه رآه

اکثر علماء کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے (شب معراج میں) اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

(زرقانی علی المواهب ، ۱ : ۲۳۲)

شب معراج میں نبی اکرم ﷺ قرب کے اس مقام پر پہنچے کہ وہاں تک جرائیل امین کو کیا کسی مخلوق کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی وہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ حجاب نہ تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى

(النجم، ۵۳ : ۱۰)

پھر اس نے اپنے بندہ خاص کو وحی کی جو کی۔

اب کوئی بتلائے اور کیا بتلائے کہ وہاں طالب و مطلوب اور محب و محبوب کے درمیان راز و نیاز کی کیا کیا باتیں ہوئیں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کہ جرائیل امین راہم خبرنیست

نزول قرآن کے مراحل

نزول قرآن کے دو مراحل ہیں۔

۱۔ مرحلہ انزال

۲۔ مرحلہ تنزیل

۱۔ مرحلہ انزال

مرحلہ انزال وہ ہے جس میں الحمد سے لے کر والناس تک پورے کا پورا قرآن جو لوح محفوظ میں محفوظ تھا، خدائے ذوالجلال نے اپنے دست قدرت سے لیلۃ القدر میں آسمان دنیا پر ایک ایسے عزت والے مقام پر اتار دیا جسے بیت العزت کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

(القدر، ۹۷ : ۱)

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو قدر والی رات میں اتارا۔

۲۔ مرحلہ تنزیل

دوسرے مرحلے کا آغاز حضور خاتم الرسلین ﷺ کی بعثت مبارکہ سے ہوا۔ اعلان نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ کی تیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں قرآن حکیم بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے جبرائیل امین کی وساطت سے آپ ﷺ کے قلب انور پر نازل ہوتا رہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

(البقرہ، ۲: ۹۷)

بے شک اس نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا اس (قرآن) کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے۔

یہ کلام الٰہی مختلف النوع احوال کے مطابق سفر و حضر میں، جنگ یا دوستی کے ماحول میں، دن اور رات کے کسی حصے میں جیسے جیسے ضرورت ہوتی جبرائیل امین وحی لے کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہے اور قرآن بیت العزت

سے رفتہ رفتہ آقائے نامدار ﷺ کے قلب انور پر نازل ہوتا رہا۔ نزول قرآن کے اس مرحلے کو مرحلہ تنزیل کہتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں دونوں مراحل کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انزل القرآن جملة واحدة من اللوح المحفوظ في ليلة القدر من شهر رمضان الى بيت العزة في السماء الدنيا ثم نزل به جبرائيل عليه السلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم نجوما

(التفسير المظهرى ، ١ : ١٩٤)

قرآن پاک یکبارگی لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بیت العزت میں ماہ رمضان کی لیلۃ القدر کو نازل کیا گیا پھر جبرائیل امین علیہ السلام اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے حضور ﷺ (کے قلب اطہر) پر اتارتے رہے۔ لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر واقع بیت العزت پر قرآن حکیم کی منتقلی کو اصطلاحاً "انزال قرآن" اور بیت العزت سے حضور ﷺ کے قلب اطہر پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن حکیم کے نازل ہونے کو اصطلاحاً "تنزیل قرآن" کہتے ہیں۔

(المفردات للامام راغب اصفہانی، ۴۸۹)

جہاں تک پہلے مرحلہ انزال کا تعلق ہے، اس میں نہ تو جبرائیل امین اور نہ ہی کوئی دوسری مخلوق درمیانی واسطہ تھی، اس لئے اس کی تفصیلات کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔ دوسرے مرحلے یعنی مرحلہ تنزیل کے بارے میں علماء محققین کی دو آرا ہمارے سامنے ہیں۔

حضرات علماء کرام میں سے بعض کا نقطہ نظریہ ہے کہ نوری الاصل جبرائیل امین علیہ السلام دو تین آیات سے لے کر دس دس آیات تک (لے کر) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ چونکہ وہ فرشتہ ہونے کی حیثیت میں نور تھے اور آپ ﷺ کا ظہور مطلع بشریت پر تھا لہٰذا قرآنی پیغام وصول کرنے کے لئے آپ کا حالت بشریت سے حالت ملکیت کی طرف منتقل ہو جانا بنا بریں ضروری ہو جاتا تاکہ دونوں

حالتوں میں ہم آہنگی اور یک جنسی کی کیفیت پیدا ہو سکے۔ اور آپ پیغام خداوندی بلاکم وکاست من و عن اخذ و وصول کر سکیں۔ ان کا نقطہ نظر امام سیوطیؒ الاتقان میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انخلع من صورۃ البشریۃ الی صورۃ الملکیۃ واخذہ من جبریل
(الاتقان فی علوم القرآن، ۱ : ۴۳)

نبی اکرم ﷺ بشری حالت سے ملکوتی حالت کی طرف منتقل ہو جاتے اور جرائیل امین سے (پیغام الٰہی) وصول فرمالیتے۔

علماء کے دوسرے گروہ کا نقطہ نظر اس کے برعکس یہ ہے کہ ہم آہنگی و مطابقت کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے حضور ﷺ اپنی بشری حالت سے ملکی حالت کی طرف نہیں لوٹتے تھے بلکہ جرائیل امین علیہ السلام اپنی حالت ملکوتی کو چھوڑ کر بشری حالت میں منتقل ہو جاتے تھے۔ تاکہ حضور ﷺ کے قلب انور پر نزول قرآن کامل یکسوئی سے ہو سکے۔ ان کا نقطہ نظر بھی امام سیوطیؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

ان الملک انخلع الی البشریۃ حتی یاخذہ الرسول منہ
(الاتقان فی علوم القرآن، ۱ : ۴۳)

فرشتہ (ملکوتی حالت سے) بشریت کی طرف منتقل ہو جاتا تاکہ حضور ﷺ اس سے (پیغام ربانی) حاصل کر سکیں۔

مذکورہ دونوں نقطہ ہائے نظر میں سے جنہیں علماء و آئمہ تفسیر بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ دوسرا نقطہ باہمی تقابل پر زیادہ وزنی اور قابل قبول نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام کی حیثیت ایک قاصد اور پیغام رساں کی تھی جو پیغام ایزدی لے کر محبوب خدا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ بلاشبہ قدسیان افلاک میں قدر و منزلت کے اعتبار سے حضرت جرائیل بلند ترین مرتبہ کے حامل ہیں اور سردار ملائکہ ہیں مگر جب وہ محبوب حقیقی کا پیغام سرمدی لے کر بارگاہ مصطفوی ﷺ میں حاضری دیتے تو ان کی حیثیت سردار ملائکہ کی نہیں بلکہ خادم کی ہوتی تھی۔ مقام و منصب مصطفوی ﷺ کی عظمت کا یہ تقاضا تھا کہ ادب گہ رسالت میں حاضر ہوتے وقت حضرت جرائیل علیہ السلام اپنی اصل حالت چھوڑ کر حضور ﷺ کی بشری حالت میں اترتے۔

ہمارا نقطہ نظر

ہمارے خیال میں نزول قرآن کی ان دونوں صورتوں میں نہ تو حضرت جرائیل امین علیہ السلام کو محبوب خدا ﷺ تک پیغام پہنچانے کے لئے بشری حالت میں آنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضور ﷺ کو اسے اخذ اور وصول کرنے کی خاطر حالت بشری سے حالت ملکوتی کی طرف رجوع کرنا ضروری تھا اس لئے کہ حسب ارشاد ربانی

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
(البقرۃ ، ۲ : ۹۷)

بے شک اس نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اس (قرآن) کو اتارا آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے

قرآن حکیم حضور ﷺ کے دماغ یا جسم اقدس کے کسی اور حصے پر نہیں بلکہ قلب انور پر اتارا جاتا تھا۔ اور آپ ﷺ کے قلب انور کو حالت بشری میں رہتے ہوئے بھی وہ بلند ترین اور ارفع روحانی مقام حاصل تھا کہ جرائیل علیہ السلام جیسا مقرب فرشتہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس بنا پر ہمارا خیال ہے کہ دونوں کا اپنی اپنی حالت پر قائم رہنا پیغام رسانی میں مانع نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ کا قلبی تعلق بہر حال ذات باری تعالیٰ سے قائم تھا اور مذکورہ بالا آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے قلب اطہر کو وہ طاقت اور استحکام حاصل تھا جو قرآن اخذ کرنے کی مکمل صلاحیت سے بہرہ ور تھا۔

عرفائے کاملین اور صوفیاء و اولیائے کرام نے سید المرسلین ﷺ کی تین شانیں بشری، ملکی اور حقی بیان کی ہیں۔ ان میں حضور ﷺ کی بشری شان وہ شان ہے جو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر میں تھی اور ان کی مشتاقانہ نگاہیں محبوب کی اسی شان کو ہمیشہ شب و روز تکتی رہتی تھیں۔ آپ ﷺ کی شان ملکیت اور شان حقیقت کا ظہور تو عالم ملائکہ اور عالم لامکاں میں ہوتا تھا۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا ترا

اس کائنات ارضی کو تو آپ کی شان بشریت سے معراج نصیب ہوا۔ جبکہ آپ کی روح طیبہ کا فیضان ازل سے تمام عالم ارواح کے مکینوں کو پہنچ رہا تھا۔ آنحضور ﷺ سے پوچھا گیا (یا رسول اللہ ﷺ) آپ کب نبی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد (المستدرک للحاکم: کتاب التاریخ، ۲ : ۶۰۹)

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام جسم اور روح کے مرحلے میں تھے۔

اس امر پر دال ہے کہ حالت بشری سے پہلے آپ کے وجود اقدس سے تمام عالم موجودات فیض یاب تھا اور ابدالاباد تک رہے گا۔ جہاں تک حضور ﷺ کی حقیقت کا تعلق تھا تو اس کا ادراک عالم ملکیت و بشریت کا کوئی فرد نہیں کر سکتا۔ اس لئے نزول قرآن کے لئے حضور ﷺ کو نہ تو ملکیت کی ضرورت تھی اور نہ ہی بشریت کی

کہ دونوں مقامات آپ کی حقیقت محمدیہ ﷺ سے ادنیٰ اور فروتر ہیں۔ لیکن نظام خداوندی کے تحت دیگر انبیاء کرام کی طرح سیدنا جبرائیل امین اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کے درمیان آتے جاتے رہے تاکہ عالم نورانیت، ملکوتیت کو بھی شرف سے نوازا جاتا رہے۔
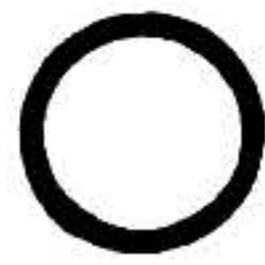
باب ـ ۴

قرآن حکیم کے تدریجاً نزول کی حکمتیں

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن حکیم کو تدریجاً کیوں نازل کیا گیا۔ دفعتاً اور یکبارگی سارے کا سارا کیوں نہ نازل کر دیا گیا جیسا کہ کفار و مشرکین نے بھی یہ اعتراض کیا اور یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد کی تیئس سالہ حیات مبارکہ میں اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کی کیا حکمت تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنے میں بنیادی طور پر سات حکمتیں کار فرما تھیں۔

پہلی حکمت

نزولِ قرآن کے تدریجی اور مرحلہ وار ہونے کی پہلی حکمت یہ ہے کہ عرب معاشرے میں وہ ماحول جس میں قرآن حکیم نازل ہوا' اس صدیوں سے لگے بندھے نظام زندگی کے تابع تھا جس کی اپنی منفرد تہذیب و ثقافت تھی۔ وہ ماحول مخصوص قبائلی رسم و رواج کی پیداوار تھا۔ ظہور اسلام سے قبل عربوں کے ہاں اپنے اصول' خرید و فروخت اور تجارت کے مقررہ قواعد و ضوابط تھے۔ ان کی نجی اور کاروباری زندگی ایسے سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھی جسے آناً فاناً یکسر تبدیل کرنا ممکن نہ تھا۔ اگر قرآن حکیم کے احکام جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں تدریجی مراحل کی بجائے بیک مشت ایک ہی قسط میں نازل کر دیئے جاتے تو لامحالہ ان کو بیک قلم منسوخ کر کے ایک نیا نظام فوری طور پر نافذ کرنا پڑتا' جو فطرت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ انسانی طبیعت تبدیلی کا عمل آہستہ آہستہ قبول کرتی ہے۔ یک لخت سابقہ نظام کو اکھاڑ کر نیا نظام نافذ کر دینے کے نتائج خاطر خواہ نہیں ہوتے بلکہ ایک غیر ہموار اور ناخوشگوار صورت ناگزیر طور پر جنم لیتی ہے۔ کسی برائی کو ختم کرنے کی غرض سے کسی باطل حکم کو منسوخ کرنے سے پہلے زمین

ہموار کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ نیکی کو فروغ دینے کے لئے نیا حکم جڑ پکڑ سکے۔ وہ کام جو ہنگامی اور وقتی نوعیت کے ہوں ان کو دفعتاً ختم کر دینے سے نتیجہ تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن اگر دائمی اور مستقل نوعیت کا تغیر انسانی زندگی میں پیدا کرنا مقصود ہو اور ایک نظام کی جگہ دوسرا دیرپا نظام لانا مطمع نظر ہو تو پھر اس کے لئے تدریجی اور رفتہ رفتہ اقدام کرنے لازمی ولابدی ہوں گے۔ تاکہ لوگ نئے حکم (ORDER) اور نئے نظام کو کسی مجبوری کے تحت نہیں بلکہ رضا و رغبت سے تسلیم کر لیں اس سے بہتر نتائج پیدا ہوں گے اور وہ برائی جس کا قلع قمع کرنا مقصود ہے جڑ سے اکھڑ جائے گی۔

اس کی ایک بین مثال حرمت شراب کا حکم ہے۔ شراب نوشی عرب معاشرے کی گھٹی میں سما چکی تھی اور یہ عربوں کی تہذیب و ثقافت کا جزو لاینفک تھی۔ وہ ان کے لئے کاروباری منفعت کا ذریعہ بھی تھی۔ اس لئے جب شراب کے بارے میں قرآن حکیم کا پہلا حکم اترا تو اس میں شراب کے فائدے اور نقصانات گنوائے گئے اور فائدے کے مقابلے میں اسکی ضرر رسانیوں کا زیادہ ذکر کر کے لوگوں کو شراب ترک کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

(البقرة، ۲ : ۲۱۹)

اے محبوب ﷺ آپ سے وہ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے کہیں بڑھ کے ہے۔

کچھ عرصہ بعد نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا اور نماز باجماعت کی پابندی مسلمانوں کے لئے لازم ٹھہری تو بندش شراب کا دوسرا حکم بارگاہِ ایزدی سے ان الفاظ میں نازل ہوا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

(النساء، ٤ : ٤٣)

اے ایمان والو تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

یہ حکم اہل ایمان کو سنا دیا گیا اور انہیں متنبہ کر دیا گیا کہ خبردار نشے کی حالت میں میری مساجد کے اندر قدم نہ رکھنا۔ اس حکم سے ان صحابہ کے لئے جو ابھی تک شراب پیتے تھے ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ان کے لئے نماز جو دیدار فرحت آثار مصطفوی ﷺ کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا' چھوڑنا محال ہو گیا اور ناچار انہیں اس ام الخبائث سے کنارہ کشی کرنا پڑی' لیکن اب بھی حضور ﷺ کے جانثاروں میں خال خال ایسے تھے جن کے لئے شراب ع چھٹتی نہیں یہ ظالم منہ سے لگی ہوئی والا معاملہ تھا۔ وہ ابھی راتوں کو چوری چھپے شراب کو منہ لگا لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے لئے تیسرے درجے پر مخالفت شراب کا حکم بایں الفاظ قرآن حکیم میں نازل ہوا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(المائدة، ۵ : ۹۰)

اے ایمان والو بے شک شراب' جوا 'بت اور پانسے شیطان کے ناپاک عمل میں سے ہیں پس ان سے اجتناب کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس حکم کی رو سے شراب نوشی' جوا' بت پرستی اور فال نکالنے وغیرہ جیسے شیطانی افعال ایک جیسے جرم قرار پائے اور اہل اسلام کے لئے ان کے قریب پھٹکنا حرام ٹھہرا دیا گیا۔ چنانچہ اس آخری درجے میں شراب کلیتاً حرام کر دی گئی چونکہ نبی اکرم ﷺ کے فیضان محبت اور نگاہ رحمت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ظاہری و باطنی تربیت مکمل ہو چکی تھی۔ اس لئے حرمتِ شراب کا حکم سنتے ہی سب نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور جس جس گھر میں شراب موجود تھی اسے بے محابا انڈیل دیا گیا۔ یہاں تک کہ مدینے کی گلیوں میں سرخ شراب نالیوں میں بہنے لگی۔ یہ اتنا زبردست رد عمل محض اس بناء پر ہوا کہ اس حکم کے نازل کرنے سے پہلے اہل ایمان کے دلوں کو خصوصی توجہ اور تربیت سے بتدریج اس کے لئے تیار کر دیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد کوئی اس ام الخبائث کے پاس

پھٹکنے کا تصور بھی نہ کر سکا۔

اس ضمن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قابل ذکر ہے۔

سمعنا منادیا ینادی الا ان الخمر قد حرمت قال فما دخل علینا داخل ولا خرج منا خارج حتی اھرقنا الشراب وکسرنا القلال (التفسیر الطبری، ۷ : ۲٤)

ہم نے نداء دینے والے کو سنا وہ نداء دے رہا تھا کہ خبردار (آج سے) شراب حرام ہو گئی ہے۔ تو ہم نے کسی داخل ہونے والے کے داخل ہونے اور کسی باہر جانے والے کے باہر جانے سے پہلے ہی شراب انڈیل دی اور مٹکے توڑ ڈالے۔

اخلاقی تربیت اور تہذیب باطن کے اس قرآنی اسلوب نے رفتہ رفتہ عربوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ تدریجاً نزول قرآن کی یہی حکمت تھی کہ ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے قرآنی آیات نازل ہوتی رہیں جنہیں شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام فیضان توجہ اور تربیت سازی کے عمل سے اپنے اصحاب کے قلوب میں اتارتے رہے یہاں تک کہ ان کا قالب قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل گیا۔ قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے یہ امر ناگزیر تھا کہ بقدر ضرورت تھوڑی مقدار میں آیتیں اترتی رہتیں تا کہ ان پر عمل پیرا ہو کر ایک ایسی ملت معرض وجود میں آسکے۔ جسے پوری کائنات کی امامت کا فریضہ سونپا جانا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی معلمانہ حیثیت کی حامل ہے۔ آپ ﷺ نے تدریج کے اس قرآنی فلسفہ و حکمت کو بروئے کار لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جن کی حیثیت شاگردوں کی تھی' ایسی تربیت فرمائی کہ وہ تا ابد سب آنے والے ادوار کے قائد بن گئے۔ وہ بلا شبہ رشد وہدایت کے ایسے درخشندہ ستارے ہیں جن کے نور سے آج بھی دنیائے شرق و غرب کسب فیض کر سکتی ہے۔ ان کی تعلیمات کی اساس پر آج بھی ایک ایسا عالمگیر انسانی معاشرہ تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ جو جنگ اور نفرت سے تباہی کے کنارے پہنچی ہوئی دنیا کو پھر سے گہوارہ امن و آشتی میں

بدل دے۔

دوسری حکمت

جس وقت قرآن پاک کا نزول ہو رہا تھا اس وقت مسلمان بلکہ کافر بھی بہت کم پڑھے لکھے تھے۔ تعلیم عام نہیں تھی اور نہ ہی پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج تھا۔ شہر مکہ جس کی آبادی کتب تاریخ کے مطابق کئی لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ اس میں صرف سترہ افراد ایسے تھے جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس سے تعلیم کے تناسب کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ سے لے کر آپ کے وصال مبارک تک محض تیئس برس کے عرصہ میں اُمت مسلمہ کے افراد میں کوئی مفسر تھا تو کوئی محدث، کوئی فقیہہ تو کوئی مجتہد۔ علماء، مفسرین، محدثین اور مجتہدین کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی۔ کوئی ابوبکرؓ تھا تو کوئی عمر فاروقؓ، کوئی عثمان ذوالنورینؓ تھا تو کوئی علی شیر خداؓ، کوئی عبداللہ بن مسعودؓ تھا تو کوئی عبداللہ بن عباسؓ تھا۔ الغرض علم و عرفان کی ان جیسی ہزاروں شمعیں روشن ہو چکی تھیں۔ صرف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی ذات میں علم و عرفان کا ایسا سرچشمہ تھیں کہ تقریباً آٹھ ہزار افراد نے ان سے اپنی علمی تشنگی کو دور کیا اور علم کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

تیئس برس کے مختصر سے عرصے میں یہ سارا انقلاب اس رسول امی ﷺ کے وسیلے اور صدقے سے آیا تھا۔ جنہیں علم کی ساری دولت اپنے رب کی بارگاہ سے براہ راست ملی تھی۔ چنانچہ انہوں نے علم کی ایسی شمع روشن کی کہ جہاں جہاں آپ بلکہ آپ کے غلاموں کے قدم پڑتے گئے اجالا اور نور آتا گیا اور جہالت کی تاریکیاں کافور ہوتی گئیں۔

مگر نزول قرآن کے ابتدائی دور میں جہالت اپنی انتہا پر تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اس قابل نہ تھے کہ جتنا قرآن اترتا وہ سارے کا سارا لکھ کر یاد کر لیتے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے سب سے پہلے صحابہ کرام کی تعلیم اور لکھنے پڑھنے پر توجہ دی۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لکھنا جانتے تھے انہیں قرآن پاک لکھ کر محفوظ کرنے کو

کہہ دیا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لکھنا نہیں جانتے تھے انہیں آپ نے قرآن پاک زبانی یاد کرنے اور اپنے سینے میں محفوظ کرنے کا حکم فرمایا کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ وہ رسول (ﷺ) جو نہ خود لکھتا ہے نہ پڑھتا ہے اور جس نے دنیا میں کوئی کتاب نہیں پڑھی وہ ساری کائنات کی کتابوں کی حکمتوں کا منبع اور سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ چنانچہ جو صحابہ کرام لکھنا جانتے تھے وہ لکھ لیتے اور جو لکھنا نہیں جانتے تھے وہ زبانی یاد کرنے لگے۔ چاروں خلفائے راشدین' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور کم وبیش چالیس دیگر نامور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی مبارکہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما فرماتے کہ قرآن ہماری سہولت کے لئے تھوڑا تھوڑا کر کے اترتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب ﷺ کے غلاموں پر کتنی کرم نوازی تھی کہ ان کی سہولت کے لئے دو دو چار چار کر کے آیتیں اترا کرتیں تاکہ صحابہ آسانی کے ساتھ حفظ کر سکیں۔ اگر مکمل قرآن پاک یا اس کی بہت سی سورتیں بیک وقت اترتیں تو نہ صرف یہ کہ وہ کسی کو یاد نہ ہوتیں بلکہ خلط ملط بھی ہو جاتیں۔

تھوڑے تھوڑے نزول قرآن سے جہاں حفظ اور یاد کرنے کی آسانی تھی۔ وہاں یہ فائدہ بھی تھا کہ حضور ﷺ ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی فرماتے جاتے۔ اپنے اپنے موقعوں پر سورت کو یاد رکھنا' ان کے مطالب اور احکام کو سمجھنا اس طرح کے اتنے کام تھے کہ جن کا تکمیل کو پہنچنا تھوڑے تھوڑے نزول قرآن کے بغیر ممکن نہ تھا۔

یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ نے محض قرآن پاک کو لکھنے اور اسے یاد کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ آپ نے تعلیم کو عام فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام صرف عربی ہی نہیں بلکہ دوسری زبانیں بھی جانتے تھے۔ دوسری زبانوں کا علم حاصل کرنے کا آپ ﷺ نے باقاعدہ حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے عربی کے علاوہ دیگر زبانوں پر دسترس حاصل کی وہ آپ ﷺ کے پاس دیگر زبانوں میں آنے والے خطوط کا جواب سن کر انہی زبانوں میں جواب لکھ کر بھیجتے تھے۔

اور ان علاقوں سے آنے والے وفود کی ترجمانی بھی کرتے تھے۔

قرآن پاک کا تدریجاً نزول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آسانی کے لئے تھا تاکہ یکبار قرآن پاک کے نزول سے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور اسکی کتابت' ترتیب اور حفظ میں کہیں کچھ خلط ملط ہونے کا امکان کم سے کم رہ جائے۔

تیسری حکمت

قرآن حکیم اس امت کے افراد کی روحانی علاج گاہ ہے۔ نزول قرآن حکیم کے وقت لوگ مختلف روحانی بیماریوں کا شکار تھے۔ کوئی شرک کی بیماری میں مبتلا تھا تو کوئی انکار نبوت و رسالت کی بیماری میں' کوئی حسد اور بغض کی بیماری کا شکار تھا تو کوئی عصبیت کا شکار تھا۔ الغرض طرح طرح کی روحانی بیماریاں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ ایک روحانی طبیب بن کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور قرآن ایک نسخہ کیمیا تھا۔ آپ غمزدہ اور پریشان حال لوگوں کے طبیب تھے اور قرآن ہر مرض کے لئے کامل نسخہ تھا۔

بالکل اسی طرح جیسے طبیب اپنے مریضوں کو ان کے عام امراض اور شکایتوں کے لئے بیک وقت سارے کا سارا نسخہ نہیں دے دیتا بلکہ وہ تدریجاً علاج کرتا ہے۔ پہلے تشخیص کرتا ہے پھر مرض کا کھوج لگاتا ہے کہ یہ کہاں سے پیدا ہوا؟ پھر مرض کی علامات کو دیکھتا ہے' یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ ترجیحات مقرر کرتا ہے کہ پہلے کس چیز کا علاج کیا جائے۔ پھر علاج کے ساتھ ساتھ وہ غذائی پرہیز بھی تجویز کرتا ہے' پہلے مریض کو نرم غذا کھانے کو کہتا ہے پھر جوں جوں مریض کا معدہ اس لائق ہوتا جاتا ہے کہ وہ دیگر غذا کو بھی ہضم کر سکے وہ دیگر غذا کھانے کی بھی اجازت دے دیتا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ علاج میں بھی تبدیلی آتی جاتی ہے۔ تو جس طرح علاج میں حکمت کا تقاضا ہے کہ مریض کا علاج بتدریج کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے اگر ساری بیماریوں کا علاج بیک وقت شروع کر دیا جائے تو وہ اس مریض کے لئے نقصان دہ ہو۔

بالکل یہی معاملہ انسانیت کے مرض کا ہے۔ اس مرض کے علاج کے لئے بھی تدریج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے حلال و حرام کے سارے نسخے' روح کی

غذا کے لئے طاقتور غذائیں' عقائد کے لئے ساری کی ساری اچھائیاں اور اعمال کے لئے تمام فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات کا شیڈول یک دم نہیں دے دیا کہ اس سے انسان کو وحشت ہوتی اور بجائے علاج کے ہلاکت کی صورت پیدا ہو جاتی۔ انسان اتنے سارے جمع احکامات کو دیکھ کر بیزار ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے نسخہ دیا' قرآن کو تدریجاً نازل کیا تاکہ لوگ ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کرتے چلے جائیں اور جب روح اگلے نسخے کو حاصل کرنے کے قابل ہو جائے تو اگلا نسخہ دے دیا جائے۔

ہنگامی مرضوں کو دور کرنے کے لئے ہنگامی احکام بھی نازل ہوئے۔ پھر ہنگامی احکام کو دور کر کے مستقل احکام دے دیئے گئے یہ تنسیخ ہے۔ یعنی وہ احکام جو ہنگامی صورتوں کے بلئے آئے تھے جب وہ پورے ہو گئے تو انہیں منسوخ کر کے مستقل علاج کا نسخہ دے دیا گیا۔

قرآن پاک چونکہ اس اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک علاج اور نسخہ تھا۔ لہٰذا اس کا تقاضا تھا کہ اسے حضور ﷺ کی ظاہری زندگی میں ہی پورا کیا جائے۔ جب آنحضرت ﷺ کے وصال مبارک کے دن قریب آئے تو یہ نسخہ مکمل طور پر نازل ہو چکا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس طبیب حاذق کی زبان اقدس سے کہلوا دیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ ، ۵ : ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔

گویا اعلان فرما دیا کہ طرح طرح کی امراض کا شکار ہونے والو! آج کے دن ہم نے تمہیں اپنے دین کا سارا نسخہ بتا دیا اور اپنی نعمتوں کو تمہارے اوپر تمام کر دیا اور ابدالاباد تک تمہارے زندگی بسر کرنے کے لئے اسلام کو بطور نظام حیات منتخب کر دیا۔ اسی آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

آج کافر تمہارے دین کی طرف سے

دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (المائدۃ، ۵ : ۳)

مایوس ہو گئے۔ پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

جو کچھ تمہارے بہتری کے لئے تھا وہ حضور ﷺ کے توسل سے تمہیں عطا کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک امت مسلمہ کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی' قومی زندگی ہو یا بین الاقوامی۔ اس میں کوئی جسمانی اور روحانی مرض ایسا نہیں ہو سکتا جس کا مداوا اور علاج قرآن نہ کر سکے۔

چوتھی حکمت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انقلابی مجاہد تھے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں دین کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے میدان کارزار میں اتر چکے تھے۔ ان کا چلنا پھرنا' اٹھنا بیٹھنا اپنے خدا کے لئے تھا۔ تلوار اور کردار ان کا اسلحہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ **فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ** (پس اہل حق ہی کامیاب ہیں) کو سچ کرنا ان کا مقصد زندگی تھا۔ اگرچہ ان کے پاس ظاہری اسباب کم تھے۔ جنگ ہوتی تو ان کی تعداد کم ہوتی جبکہ دشمن بے حد وحساب ہوتے۔ اسلحہ کا معاملہ ہوتا تو ان کے پاس چند تلواریں جبکہ دشمنوں میں سے ہر آدمی پوری طرح مسلح ہوتا۔ سواری کا مسئلہ درپیش آتا تو چار چار آدمیوں کے حصے میں ایک سواری آتی جبکہ دشمن کو کسی ایسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ وسائل کا مسئلہ درپیش ہوتا تو ان کی شامیں فقر اور دن روزے کے ساتھ گزرتے جبکہ کفار کے پاس خورد و نوش کی کوئی کمی نہ ہوتی۔

ان سب ظاہری اسباب کے اعتبار سے مسلمانوں کا اور کفار کا آپس میں کوئی مقابلہ نہ تھا۔ وسائل اور اسباب کی عدم دستیابی کے باوجود انکو اگر کسی شے پر بھروسہ تھا تو وہ اللہ کی رحمت تھی۔ مسلمانوں کے پیش نظر اللہ کا یہ فرمان تھا کہ کامیابی اور کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔ لہٰذا کئی ایسے مواقع آئے کہ ظاہری اعتبار سے انہیں پریشانی دامنگیر ہوتی مگر جب بھی پریشانی لاحق ہوتی' قرآن پاک کی آیات کا نزول ہوتا کہ اے میرے بندو! پریشان نہ ہونا اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ پس جب اللہ کی آیت اس کی

مدد کا وعدہ لے کر اترتی تو اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل بڑھ جاتے' ہمتیں جوان ہو جاتیں اور اپنے رب کی ذات پر توکل پختہ ہو جاتا۔ چنانچہ جب وہ میدان کارزار میں جاتے اور دیکھتے کہ حالات تو ہماری مخالفت میں ہیں تو یہ آیت اترتی۔

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

(آل عمران ، ۳ : ۱۲۵)

کہ اے میرے حبیب ﷺ کے غلامو! تم پریشان کیوں ہوتے ہو اگر تم تھوڑے ہو تو ہم پانچ ہزار فرشتوں کو تلواریں دے کر اتار دیں گے وہ تمہارے ساتھ مل کر جنگ لڑیں گے۔ ادھر آیات کا نزول ہوتا ادھر فرشتے تلواریں لے کر میدان میں جنگ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ایک صحابی نے عرض کیا کہ آقا سمجھ میں نہیں آتا کہ ابھی تلوار فلاں کافر کی گردن تک پہنچی بھی نہ تھی۔ کہ اس کا سر قلم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے مدد فرمانے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا ہے۔

قرآن پاک کا نزول تدریجاً اس لئے ہوا کہ ضرورت کے وقت قرآن پاک کی آیات اُترتیں تو صحابہ کی ڈھارس بندھ جاتی۔ انہیں ایک نیا حوصلہ مل جاتا اور پھر جب وہ اپنے رب کی رحمت کا نظارہ دیکھتے تو ان کا ایمان کامل سے کامل تر ہوتا چلا جاتا۔ اگر سارا قرآن دفعتاً ایک ہی مرتبہ نازل کر دیا جاتا تو غزوات کے موقع پر جو آیات کے نازل ہونے سے صحابہ کا حوصلہ جوان اور تازہ رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر جو یقین کامل حاصل ہوتا تھا یہ نہ ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تدریجاً نازل فرمایا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارادے اور ولولے جوان اور تازہ رہیں اور حضور ﷺ کے تصدق سے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر ان کا ایمان لحہ بہ لحہ پختہ تر ہوتا رہے۔

پانچویں حکمت

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کی حالت مبارکہ دیکھنے والی ہوتی تھی۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جان لیتے کہ محبوب کو محبوب کا پیغام آ رہا ہے۔ قرآن اتر تو آپ ﷺ پر ہوتا مگر اس نظارے کو دیکھ کر صحابہ کرام کے دل تڑپ اٹھتے' ان کے دل میں محبت اور عشق کی آگ بھڑک اٹھتی۔ وحی کا لمحہ لمحہ اُترنا اور آقا دو جہاں ﷺ کا دیدار کرنا صحابہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت اور لگن کو قائم و دائم رکھتا تھا۔ ان کے اندر ایک تڑپ پیدا ہوتی کہ ہمارا بھی اللہ کے ساتھ تعلق قائم رہے اور اس کے حسن و جمال صفاتی کی ایک جھلک ہم کو بھی نصیب ہو جائے۔ لہٰذا تھوڑے تھوڑے کر کے قرآن پاک کا اترتے رہنا ان کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رکھنے کا ایک مستقل ذریعہ تھا۔

گویا اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانی تربیت کی جا رہی تھی۔ مقامات' عنایات اور ثمرات اگر ٹھہر ٹھہر کر تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ ملیں تو وہ پختہ نتائج پیدا کرتے ہیں اور اگر سب کچھ ایک ہی مرتبہ جھولی میں ڈال دیا جائے تو جو تحمل اور برداشت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے وہ پورا نہیں ہو پاتا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق کو محبت اور عشق کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھنے کے لئے قرآن پاک کا تدریجاً نزول ہوا۔

چھٹی حکمت

قرآن حکیم کو جناب رسالتمآب ﷺ پر بجائے یکبارگی نازل کرنے کے تھوڑا تھوڑا اُتارنے میں جو حکمت کارفرما تھی اسے حسب ارشاد ربّانی ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا

(الفرقان ، ۲۵ : ۳۲)

اس طرح (ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل کیا) تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

اعلان بعثت کے بعد جب کفار و مشرکین حضور ﷺ کے درپے آزار تھے۔

اور آپ کو گزند پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے تو آپ کے قلب انور کو کلام الٰہی سے تقویت پہنچائی گئی اور اس طرح سخت ترین نامساعد حالات میں بھی آپ استقلال اور ثابت قدمی سے اس مشن کی تکمیل کے لئے مصروف عمل رہے جو ذات باری تعالیٰ نے آپ کو سونپا تھا۔ اعلان نبوت کے بعد کم وبیش تین سال تک حضور ﷺ خفیہ انداز سے تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ دار ارقم میں آپ ﷺ کے ایک صحابی کا گھر اس خفیہ دعوت و تبلیغ کا مرکز تھا۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے مٹھی بھر صحابہ چھپ چھپ کر جمع ہوتے اور آپ ﷺ سے اسلام کے بنیادی عقائد' توحید و رسالت' آخرت اور اصلاح احوال سے متعلق تعلیمات حاصل کرتے۔ پھر جب نماز کا وقت آتا تو سرکار دوجہاں ﷺ اور آپ کے نام لیوا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور چھپ کر اپنے رب کی عبادت کر لیتے۔ چونکہ ابھی تک کھلے بندوں سرعام دعوت و تبلیغ کا کام شروع کرنے کا حکم نہیں آیا تھا اور اس امر کا انتظار تھا کہ طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں کچھ قوت مجتمع ہو جائے۔ اسلامی تحریک سست رفتاری اور رازداری کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ تاہم دعوت حق کی اس خفیہ آواز نے عربوں میں اہل فکر حضرات کے قلب وباطن پر اپنے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیئے تھے۔ کم وبیش تین سال اسی طرح گزر گئے۔ بالاخر بارگاہ ایزدی سے وہ حکم نازل ہوا۔ جس میں آنحضور ﷺ سے اچھوتے انداز میں خطاب کرکے باری تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرِ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

(المدثر ۔ ٧٤ : ١-٣)

اے کپڑے میں لپٹنے والے (محمد ﷺ) اٹھئے (اور پھر) لوگوں کو خدا کا خوف دلائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان فرمایئے۔

اس حکم کے آنے کی دیر تھی کہ احتیاط و رازداری کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ سب مصلحتیں بالائے طاق رکھ دی گئیں۔ اور دعوت و تبلیغ اسلام کا کام کھلے بندوں کیا جانے لگا۔ یہ حکم خداوندی گویا ایک پکار تھی کہ اے میرے پیارے اٹھ اور باطل طاغوتی قوتوں سے بے نیاز ہو کر اپنی رسالت اور اپنے رب کی کبریائی کا آوازہ بلند

کر کہ اب یہ سارا جہاں تیری جولان گاہ ہے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

یہی وہ حکم تھا جس کے آنے کے بعد داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ صفا کے دامن میں تمام اہل قریش کو جمع کر کے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کی دعوت کی یہ آواز بت پرست صحرا نشینوں کے دلوں پر بجلی بن کر گری اور ان کے رگ وپے میں یوں اتری کہ وہ لرزہ براندام ہو کر رہ گئے۔ بقول مولانا حالی

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

جب اہل کفر وشرک اس حق گو آواز کے اثر سے نکلے اور ان کے کان اس حقیقت سے آشنا ہوئے کہ وہ اور ان کے آباؤ اجداد صدیوں سے جن تصورات اور نظریات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ سب جھوٹے ہیں تو وہ تلملا اٹھے اور آتش غیض وغضب میں واہی تباہی بکتے ہوئے اپنے گھروں کی طرف پلٹ گئے۔ یہ پہلا دن تھا جب حق وباطل کی آویزش اور ٹکراؤ کا آغاز ہوا اور باطل کے مزعومہ مفادات کے علم برداروں کی طرف سے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے خلاف منظم سازشوں کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اس دن کے بعد حق وباطل کے نظریات کے درمیان مصالحت کے سارے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے اور وادی مکہ میں نئے دین کے خلاف مخالفت ومخاصمت کا ایک طوفان اُمڈ پڑا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی مشقتوں سے دوچار کیا گیا۔ آپ اور آپ کے صحابہ پر تکلیفوں اور اذیتوں کا ایک باب کھل گیا۔ مصائب وآلام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب آقا علیہ الصلوٰۃ کی زندگی میں مخالفتیں شروع ہوئیں۔ دکھ اور مصیبتوں کے دور کا آغاز ہوا تو آپ کے قدموں کے سامنے کانٹوں کا جال بچھا دیا جاتا۔ آپ کو کبھی ننگے پاؤں بھی کانٹوں پر چل کر جانا پڑتا اور پھول کی پنکھڑیوں سے بھی بڑھ کر نرم

ونازک تلوے کانٹوں سے لہولہان ہو جاتے جب آپ نماز پڑھنے کے لئے حرم کعبہ میں تشریف لے جاتے تو ساری کائنات کی غلاظتوں کو طہارتوں میں بدلنے والے پر کافر بدبخت آکر گندگی اور غلاظت کے ڈھیر پھینک جاتے۔ الغرض آپ کو گزند' تکلیف اور دکھ پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی۔

اس مصائب و آلام کے دور میں قرآن پاک کے تدریجاً نزول کی سمجھ آتی ہے۔ کہ قرآن پاک کی آیات تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد رفتہ رفتہ کیوں اترتی تھیں؟ وجہ یہ تھی کہ اس دکھ اور تکلیف کے دور میں جب آپ دکھی اور شکستہ دل لے کر آب دیدہ نگاہوں سے گھر پہنچتے تو جبرائیل امین انہی لمحوں میں خدا کا پیغام لے کر آجاتے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَايَقُوْلُوْنَ (الحجر ، ۱۵ : ۹۷)

اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم تنگ دل ہوتے ہو۔

اے پیارے نبی ﷺ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں پر آپ کا دل دکھی اور شکستہ ہے لیکن ساتھ ہی اس ذات نے پیغام بھیجا ہے کہ

فَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (ق ، ۵۰ : ۳۹)

پس آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہیے۔

پیارے ان کی زہر آلود باتوں پر تو اپنے دل کو رنج اور ملال سے پر نہ کر بلکہ اپنے رب پر صبر کر اسی کی یاد میں ہمہ وقت مگن رہ اور ان تکلیفوں کو اپنے رب کی خاطر بھول جا۔

جب ایک عاشق کو اپنے محبوب کا پیغام دکھ' تکلیف اور کلفت کے لمحوں میں میسر آجائے تو پھر اسے اپنی کوئی تکلیف یاد نہیں رہتی۔ آپ طائف کی گلیوں میں جاکر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے' پتھروں کی بارش سے سرانور سے لے کر قدم مبارک تک سارا جسم لہولہان ہو جاتا۔ اس حال میں جب آپ شکستہ دل واپس لوٹتے تو

محبوب کا پیغام میٹھی میٹھی زبان میں حضور ﷺ کو سنائی دیتا۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآاَصَابَکَ اِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان، ۳۱ : ۱۷)	اور جو تکلیف تجھ کو پہنچے اس پر صبر کر بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

پیارے تجھے جو دکھ اور مصیبتیں پہنچ رہی ہیں ان پر تو میری خاطر صبر کر اور بے شک ایسے حالات میں صبر کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دکھوں اور مصیبتوں سے آزردہ دل ہو کر آقا علیہ السلام گھر پہنچتے تو محبوب حقیقی کا پیغام دل کے سارے دکھ اور بوجھ ختم کر دیتا، کلفتوں کی فضائیں چھٹ جاتیں اور آپ کو ایک مسرت، انبساط اور سرور حاصل ہونے لگتا۔

غزوات میں پتھروں اور تیروں سے آپ ﷺ کا چہرہ انور اور جسم اقدس لہولہان ہو جاتا۔ شکستہ دل خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا تو محبوب کی ندا آتی۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور، ۵۲ : ۴۸)	اور اپنے رب کے حکم کا انتظار فرمائیے۔ بہر حال آپ تو ہماری نظروں میں ہیں۔

محبوب ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم پر پتھروں اور تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن تو کسی اور کی خاطر نہیں بلکہ اپنے محبوب رب کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا چلا جا۔ اگر تجھے کفار و مشرکین دکھ پہنچاتے ہیں تو کوئی بات نہیں تو پرواہ نہ کر۔ ہمیں دیکھ کہ ہماری نظریں ہر وقت تیری طرف لگی رہتی ہیں تم پر پتھروں اور تیروں کی بارش ہو رہی ہو تو یہ خیال مت کرنا کہ ہم اس چیز سے غافل ہیں۔ اگر لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں تو یہ مت سوچنا کہ ہمیں خبر نہیں۔ بلکہ ہماری نظریں تو ہمہ وقت تجھی کو تک رہی ہیں ہم تو ہر ہر گھڑی تجھے تکتے رہتے ہیں۔ تو کملی لپیٹ کر چارپائی پر لیٹتا ہے تو مجھے تیری یہ ادا پسند آجاتی ہے میں جبرائیل کو بھیجتا ہوں کہ جبرائیل جا میرے محبوب کی یہ ادا بھی مجھے پسند آگئی ہے تو اسے یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (اے کملی اوڑھنے والے) کہہ کر پکار۔ تو رات کو میری

عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور تیرے قدموں پر ورم آجاتا ہے تو میں جبرائیل کو حکم دیتا ہوں کہ جا اور میرے محبوب سے کہہ

مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى
(طٰه ، ۲۰ : ۲)

(اے میرے محبوب) ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لئے تو نہیں اتارا کہ آپ محنت شاقہ میں پڑ جائیں۔

فترت وحی کا زمانہ آتا ہے لوگوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ محمد (ﷺ) کے رب نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا ہے۔ اس طعنے سے آپ ﷺ کے نازک دل کو رنج اور ملال ہوا سو ہوا مگر خود خدا کی ذات لوگوں کا یہ طعنہ برداشت نہ کر سکی۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جبرائیل جا اور اعلان کر دے کہ

وَالضُّحٰى ● وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ● مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ●
(الضحی ، ۹۳ : ۱-۳)

اے چاشت کی طرح چمکنے والے پیارے چہرے والے' تیرے پیارے چہرے کی قسم اور اے سیاہ رات کی طرح بکھری ہوئی سیاہ زلفوں والے تیرے گیسوئے عنبریں کی قسم نہ تیرے رب نے تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔ وہ تجھ سے بھلا کیوں ناراض ہو' وہ تو ہر وقت تجھے تکتا رہتا ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى
(الضحی ، ۹۳ : ٤)

اور آپ کی ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر ہے۔

اور اگر کچھ دیر بھی گزر جائے تو فکر نہ کیا کر کہ تیرے لئے تو ہر بعد میں آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے کہیں بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى
(الضحی ، ۹۳ : ٥)

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو وہ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اے محبوب ﷺ ہم تو عنقریب تم کو اتنا کچھ عطا کرنے والے ہیں کہ تو اپنی

زبان سے پکار اٹھے گا کہ اے خدا میں راضی ہو گیا۔

چونکہ حضور ﷺ کی زندگی میں قدم قدم پر تکلیفیں، مصیبتیں، دکھ اور آلام آ رہے تھے اور "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" (ہر تنگی کے بعد فراخی ہے) کے مصداق ہر تنگی کے بعد فراخی آیا کرتی ہے، ہر دکھ کے بعد سکھ آیا کرتا ہے، ہر پریشانی کے بعد خوشی اور مسرت آیا کرتی ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جب بھی آپ ﷺ کا دل کسی دکھ، تکلیف، مصیبت اور رنج و ملال میں مبتلا ہو تو اس وقت محبوب حقیقی کا پیغام آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لئے آ جائے کہ پیارے شکستہ دل نہ ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد کی تیئس برس پر مشتمل پیغمبرانہ زندگی قدم قدم پر دکھوں کا شکار ہو رہی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ قدم قدم پر محبوب حقیقی کا پیغام وحی کے ذریعے آ تا رہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا

(الفرقان، ۲۵ : ۳۲)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (محض) پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل کیا گیا اس طرح (ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوا) تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

ان ناواقفوں کو کیا خبر کہ ہم اپنا قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے کبھی دن اور کبھی رات کو بار بار کیوں بھیجتے ہیں یہ ہمارا تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کرنا تو اس سبب سے ہے کہ اے محبوب ﷺ تیرا دل مضبوط ہو تیرے دل کو راحت اور اطمینان نصیب ہو۔

ساتویں حکمت

قرآن مجید کے تدریجاً نزول کی ساتویں حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضور ﷺ کی بارگاہ کا ادب سکھایا جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین سے فرمایا کہ تو تھوڑا تھوڑا قرآن لے کر میرے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں جایا کر۔ تیرے آنے جانے اور میرے محبوب کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ بیٹھنے سے میرے محبوب کے صحابہ کو بھی بارگاہ مصطفےٰ ﷺ کا ادب آ جائے گا۔ چنانچہ جبرائیل امین تھوڑا تھوڑا قرآن پاک لے کر کثرت کے ساتھ بارگاہ مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوتے اور قدم ٹیک کر دست بستہ غلاموں کی طرح بیٹھتے تو دیکھنے والوں کو پتہ چل جاتا کہ محبوب خدا ﷺ کی بارگاہ میں کس طرح بیٹھنا ہے۔ گویا جبرائیل امین آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ کا ادب سکھانے میں صحابہ کرام کے استاد ہیں۔

قرآن پاک کی کل چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ ایک وقت میں عموماً تین سے لے کر دس آیات تک قرآن کریم کا نزول ہوتا تھا۔ اگر صرف قرآن پاک کے نزول کے لئے ہی جبرائیل امین کے زمین پر اترنا ہوتا تو یہ نزول قرآن کے کم و بیش تیئس برس کے دوران ایک ہزار مرتبہ کے لگ بھگ بنتا ہے۔ مگر حدیث اور سیرت کی کتب میں جبرائیل امین کا چوبیس ہزار مرتبہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونا مذکور ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جبرائیل امین کئی مرتبہ آیات لے کر نہیں آتے تھے بلکہ وہ کبھی حضور ﷺ سے سمجھنے آتے تھے کبھی وضاحت لینے آتے تھے، کبھی صحابہ کرام کو آپ کی بارگاہ میں آنے، جانے اور اٹھنے بیٹھنے کا ادب سکھانے آتے تھے۔ جیسا کہ متعدد آثار اور روایات اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

حضرت جبرائیل امین مختلف شکلوں میں، مختلف روپ دھار کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ کبھی حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں اور کبھی کسی اعرابی کا روپ دھار کر مسافر بن کر آتے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک مسافر آیا، وہ آکر دو زانو ہو کر مؤدب بیٹھ گیا، اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دیئے اور سوال کرنے لگا۔ اس کے سوال پر جب نبی اکرم ﷺ جواب دیتے تو وہ کہتا آپ نے سچ فرمایا ہم حیران ہوئے کہ یہ کیسا سائل ہے کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی سچ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ جب وہ سوالات پوچھ کر چلا گیا تو حضور ﷺ

نے فرمایا کہ یہ جبرائیل تھا۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان)

گویا جبرائیل امین صحابہ کرام کو یہ سکھانے آئے تھے کہ بارگاہ مصطفوی ﷺ میں سوال کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

اس طرح قرآن پاک کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے میں یہ حکمت اور مصلحت کار فرما تھی کہ قرآن کے ذریعے حضور ﷺ کی بارگاہ کے ادب کے مضامین بیان ہوتے رہیں اور جبرائیل کی آمد کے ذریعے ان ادب کے مضامین کی عملی تفسیر لوگوں کے سامنے آتی رہے مثلاً قرآن پاک میں ادب مصطفوی ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ	اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔

(الحجرات، ۴۹ : ۲)

اور اس مضمون ادب کی عملی تفسیر جبرائیل امین اس طرح پیش کرتے کہ وہ ہمیشہ ادب کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں آتے۔ ادب کے ساتھ آہستہ گفتگو کرتے۔ اور اس طرح آپ کے غلاموں کو یہ ادب سکھاتے کہ آپ کی بارگاہ میں آواز بلند نہیں ہونی چاہئے۔

جبرائیل علیہ السلام کو بار بار آپ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ جا کر حضور ﷺ کے ساتھ گفتگو کرے تو میرے بندوں کو آپ کے ساتھ گفتگو کرنے کا طریقہ آ جائے۔ وہ جا کر آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھے تو غلاموں کو آقا کی بارگاہ میں بیٹھنے کا قرینہ آ جائے۔ جبرائیل حضور ﷺ کے پاس آتے جاتے تو صحابہ کو آپ کی بارگاہ میں آنے جانے کا سلیقہ آ جائے۔ قرآن کسی اور صورت میں بھی نازل ہو سکتا تھا مگر اس کے تدریجاً نازل فرمانے میں یہ حکمت بھی کار فرما تھی کہ جبرائیل کی آمد سے قرآن آئے تو مصطفٰے ﷺ کی بارگاہ کے مضامین ادب بیان ہوتے رہیں اور خود جبرائیل علیہ السلام کی آمد سے بارگاہ مصطفوی ﷺ کے ادب کی عملی شکل لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آتی رہے۔

○

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخری حصہ ششم میں ملاحظ فرمائیں۔

حصہ چہارم

انقلاب کی زیرِ زمین تیاری کا تین سالہ دور

(۴۰ سن ولادت سے ۴۳ سن ولادت تک)

○

باب۔ ۱ خفیہ دعوت و تبلیغ اور اسکی حکمت۔

باب۔ ۲ راہ انقلاب کے اولیں مسافر "السابقون الاولون"

باب۔ ۳ مصطفوی تحریک کا پہلا تربیتی مرکز (دار ارقم)

باب۔ ۴ مصطفوی تحریک کے آغاز میں جواں سال نسل کا بنیادی کردار۔

باب۔ ۵ مصطفوی تحریک کے جانباز اور سربکف مبلغین۔

باب۔ ۶ مصطفوی تحریک کے حاسدین و منحرفین۔

باب۔ ۷ باطل طاغوتی طاقتیں مصطفوی تحریک کی زد میں۔

باب-۱

خفیہ دعوت و تبلیغ اور اس کی حکمت

غار حرا کی پر نور و پر سکون ملکوتی فضاؤں میں حکم ربانی پالینے اور نبوت کی ذمہ داریوں سے سرفراز ہونے کے بعد اب پیش نظر ایک ہی مقصد تھا کہ حکم خداوندی کی تعمیل اور دعوت و تبلیغ کے کام کا آغاز کہاں سے اور کیسے کیا جائے؟ سردست جاہلی فضاؤں کے پروردہ لوگوں میں یہ مسئلہ نہیں رکھا جاسکتا۔ تھا وہ مادہ پرست لکیر کے فقیر اور شراب و شباب کے رسیا بت پرست لوگ اپنے ناقص ذہنوں کے ساتھ اس حقیقت کبریٰ کا ادراک ہی نہیں کرسکتے تھے۔ ان کی چندھیائی ہوئی آنکھیں اس شمع فروزاں کے سامنے کھل ہی نہیں سکتی تھیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے فیصلہ فرمالیا کہ سب سے پہلے یہ صحیفہ صداقت ان حقیقت پسندوں کے سامنے کھولا جائے جو محرم راز اور شب و روز کی جلوتوں اور خلوتوں کے امین ہیں۔ جن کے سامنے کردار و سیرت کا عیاں ہے۔ اور زندگی کا کوئی گوشہ ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اس پیغام سے آگاہ کیا وہ جیسے پہلے ہی سے منتظر بیٹھی تھیں۔ اشارہ پاتے ہی خاتون اول کی حیثیت سے اسلام کے دامن میں آگئیں۔

مردوں میں سب سے پہلے یہ پیغام حق قبول کرنے کی سعادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی کسی قسم کے تردد اور ہچکچاہٹ کے بغیر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آپ نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور اسلام کے دائرے میں آکر "صدیق اکبر" کا لقب پایا۔

بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت و عزت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ارزانی ہوئی اور غلاموں کی صف میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔

پھر ان حضرات کی کوششوں سے ایک مختصر سا کاروان حق تیار ہو گیا جس نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیر نگرانی روحانی تربیت اور صدق و صفا کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیں اور جادہ نور پر گامزن ہو گئے۔

پھر اکا دکا مسافر انفرادی کوششوں کے ساتھ شریک قافلہ ہوتے رہے اور یہ چپکے چپکے بڑھتا پھیلتا اور جوش و جذبہ حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ اس رواں دواں قافلہ نے کچھ رونق حاصل کر لی اور اہل کارواں کچھ سکون اور خوشی محسوس کرنے لگے کہ اب ماشاء اللہ ان کی تعداد خاصی ہو گئی ہے۔

اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں دعوت و تبلیغ خفیہ رکھی گئی مجمع عام میں پہنچ کر اعلانیہ کسی کو نہ کہا گیا کہ وہ ہمارا "ہم سفر" بنے اور بتوں کی غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد فضاؤں میں آجائے اس خفیہ اور رازدارانہ کاروائی میں ایک خاص حکمت تھی۔ جو قائد تحریک ﷺ کے تدبر دور اندیشی اور ماہرانہ قیادت پر دلالت کرتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی تحریک کو یکدم نہیں بلکہ آہستہ آہستہ افرادی قوت حاصل ہوتی ہے اور ابتدائی سفر میں ایک فرد کا ضیاع بھی تحریکی نقطہ نظر سے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے اس لئے عاقبت اندیش کامیاب اور جہاندیدہ قائد اتنی سی قوت بھی ضائع ہونے نہیں دیتا اور اسے آنے والے وقت کے لئے سنبھال کر رکھتا ہے۔

اس مرحلے میں فتنہ پرداز اور شرپسند لوگ کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور جن کے مفادات پر زد پڑے وہ بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ چاہتے ہیں اس قوت کو ابھرنے سے پہلے ہی کچل دیں اور اس پودے کو تناور درخت بننے سے پہلے ہی اکھاڑ دیں۔ اس لئے وہ جذبہ رحم سے عاری ہو کر میدان میں آتے ہیں اور ہر ظلم و ستم روا رکھتے ہیں۔ تحریک کے جان نثاروں پر بطور خاص ان کی نظر ہوتی ہے تاکہ دہشت گردی اور ہر ممکنہ طریقہ سے انہیں ہراساں کر کے تحریک سے علیحدہ اور بددل کرنے کی کوشش کریں بصورت دیگر راستہ سے ہٹا دیں۔ یہ ابتلاء و آزمائش کا دور ہوتا ہے دم خم رکھنے والے جواں ہمت اور مضبوط عزم و ایمان والے جیالے ہی اس میدان

میں ثابت قدم رہتے ہیں اور محبت کے امتحان میں سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔ اس لئے دانا قائد وقت سے پہلے اظہار اور تصادم (PREMATURE CLASH) سے کلیتاً اجتناب کرتا ہے اور ساری توجہ افراد میں اضافہ اور ان کی تربیت پر مرکوز رکھتا ہے حقائق مابعد سے آگاہ کر کے ان کے حوصلے بڑھاتا رہتا ہے تاآنکہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے جب اس کی قوت ایک سیل تند و تیز اور "موج تند جولاں" کی صورت اختیار کر لیتی ہے یا افراد اتنے تربیت یافتہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں دھونس دھاندلی لالچ اور تعذیب سے منحرف کرنا ممکن نہیں رہتا۔ تب سالار کاروان میدان میں آتا ہے اور اپنی تربیت اور فیض صحبت کے اعجاز دلربا کا مظاہرہ کرتا ہے۔ دشمن اس کے ساتھیوں پر مظالم ڈھاتے ہیں۔ بے رحمی سے تابڑ توڑ حملے کرتے ہیں ناقابل برداشت اذیتیں دیتے ہیں جنہیں مظلوم اہل حق صبر و استقامت سے برداشت کرتے ہیں مگر زبان سے "اف" تک نہیں کرتے اس وقت ظالم لوگ دل میں ان کے کردار کو سراہتے حیران ہوتے اور منہ میں انگلیاں دباتے ہیں کہ یہ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں' جو کسی سختی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے جان دینا گوارا کر لیتے ہیں مگر اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہ صدیقی اور بلالی کردار ہوتا ہے۔

تین سال تک دعوت و تبلیغ کا یہ خفیہ طریقہ اور زیر زمین تربیت کا یہ پوشیدہ عمل یونہی جاری رہا' نبی اکرم ﷺ نے کسی ٹکراؤ کو پسند نہ فرمایا اور علانیہ تبلیغ سے احتراز کیا تاکہ کسی فرعون سے براہ راست تصادم نہ ہو اور وہ غرباء و مساکین کے درپئے آزار نہ ہو جائے دعوت و تبلیغ کا عمل خفیہ رکھنے میں یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اہل حق افرادی قوت حاصل کر لیں اور ایمان کی بشاشت اور مشن کی محبت دلوں میں رچ بس جائے اور وہ دین و ایمان کے لئے ایثار و قربانی اور فدائیت کے اس درجہ کمال تک پہنچ جائیں کہ ہر نوع کا نقصان برداشت کر سکیں جانیں دے دیں لیکن جو کالی کملی والے آقا ﷺ کا دامن پکڑ لیا ہے اسے چھوڑنا گوارا نہ کریں۔

چنانچہ اللہ کے فضل سے بہت مختصر عرصہ میں ایسے جانباز اور سرفروش تیار

ہو گئے جو عشق و محبت کے اس معیار پر پورے اترتے تھے۔

اس فہرست میں نمایاں نام خود داعی انقلاب اور قائد تحریک رہبر اعظم پیغمبر انقلاب سید المجاہدین حضور حبیب کبریا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا آتا ہے جنہیں ظالموں نے روح فرسا اذیتیں دیں بے ادبی اور بد تمیزی کی انتہائی حدوں کو چھو لیا۔ ــــــ اپنے وطن میں رہنا دوبھر کر دیا بلکہ قتل کے درپے ہو گئے اور اپنے طور پر اس منصوبے کے تمام انتظامات بھی مکمل کر لئے۔

دوسرا نام صاحب صدق و صفا سیدنا ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے اثر و رسوخ اور قوت و دولت کے باوجود راہ ایمان و انقلاب میں بے حد و حساب مشکلات اور شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ دشمنوں کے مظالم کا بطور خاص ہدف بنے اور ان کے قہر و غضب کے شکنجے میں آئے مگر کوئی اذیت اور تکلیف ان کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی اور آپ اپنے انقلابی موقف پر سختی سے ڈٹے رہے۔

چونکہ آپ ملک کے نامور تاجر اور بیرون ملک آنے جانے والے بارسوخ انسان تھے اس لئے آپ کی کوششوں اور مخلص مشوروں سے کچھ اور لوگ بھی اسلام لے آئے جو معاشرے میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور قابل ذکر شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان میں سرفہرست حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے پھر آپ ہی کی تبلیغ سے حضرت زبیر بن العوام' حضرت عبد الرحمان بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر فرزندان قوم بھی حلقہ اسلام میں شامل ہو گئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ ' حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور آپ کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبد اللہ ' حضرت عبیدہ بن حارث ' سعید بن زید اور آپ کی اہلیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں سب نے مصطفوی قافلہ میں شمولیت اختیار کر لی۔

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد خواتین میں سے جو عورتیں اس دور میں مسلمان ہوئیں ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (حضور کریم ﷺ کی چچی) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ سرفہرست ہیں۔

بگڑے ہوئے اور بھٹکے ہوئے معاشرے کے پیدا کردہ ان نامساعد حالات میں ایمان لانا اور پرانی قدروں کا "جوا" گلے سے اتار پھینکنا کوئی کھیل تماشا اور آسان کام نہ تھا بلکہ اپنی جان پر کھیلنے کے مترادف تھا۔ اس لئے ایسے ماحول سے ٹوٹ کر آنے والوں کو قدرت نے ایک خصوصی اعزاز بخشا اور عظمت و بزرگی کا ایسا تمغہ عطا کیا جس کے سامنے دنیاوی تمغے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ قرآن پاک نے انہیں "سابقین و اولین" قرار دیا اور قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے انہیں منفرد و ممتاز قرار دے دیا۔

ان ممتاز اور "افضل و اول" سعادت مندوں کا قدرے تفصیل سے تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ دور انقلاب اپنے پورے خدوخال کے ساتھ سامنے آجائے راہ انقلاب کے ساتھیوں کو جوش و جذبہ ملے اور ان کا عزم توانا اور حوصلہ جوان ہو۔

○

باب - ۲

راہ انقلاب کے اوّلیں مسافر

"السّابقون الاوّلون"

(۱) حضرت ام المؤمنین، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم ﷺ کی محبوب ترین اور قابل احترام بیوی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی بہت قدر کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ یہ شروع ہی سے انقلاب کی راہوں کی ساتھی اور تحریک کے راستے میں پیش آنے والی تمام مشکلات میں قدم سے قدم ملا کر چلنے والی خاتون تھیں یہی نہیں کہ دشمنوں کے لگائے ہوئے چرکے بڑی خندہ پیشانی اور صبر واستقامت سے سہتی اور ہر دکھ درد بڑے استقلال سے برداشت کرتی رہیں بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کو بھی اخلاقی اور مالی مدد فراہم کی۔ حوصلہ شکن حالات میں ڈھارس بندھائی۔ دلائل کے ساتھ روشن مستقبل دکھایا کہ آپ خوبصورت اوصاف، پسندیدہ خصائل، قابل تعریف اور مہذب عادات واطوار کے مالک ہیں اس لئے راہ انقلاب میں ناکامی سے دوچار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کامیاب اور روشن مستقبل خود بھاگا ہوا آئے گا۔ اور آپ کے مبارک قدموں پر نثار ہو جائے گا یہ ابتلاء و آزمائش کے لمحات عارضی ہیں جب انقلاب کے قدم مضبوط ہوئے اور لوگوں نے اس کی ضرورت واہمیت محسوس کی تو از خود ان کا رجحان اس طرف ہو جائے گا اور وہ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگیں گے اور ذوق و شوق کے ساتھ اس کارواں انقلاب اور قافلہ شوق و مستی میں شریک ہو جائیں گے۔

مشن اور تحریک کے لئے ان ہی عظیم، ناقابل فراموش اور ٹھوس خدمات کی وجہ سے حضور ﷺ نے انہیں افضل ترین خاتون قرار دیا اور بتایا "وہ دنیا جہان کی عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔" اہل نظر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ حضرت سیدہ ام

المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو احادیث سے استدلال کیا ہے۔

(۱) حضور نبی کریم ﷺ اعتراف خدمات کے طور پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اتنا زیادہ کہ حضرت عائشہ کو ان کی ذات پر رشک آنے لگا آخر ایک مرتبہ انہوں نے عرض کر ہی دی کہ: آقا ﷺ! آپ ایک بوڑھی خاتون کو اتنا کیوں یاد کرتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے سرکار کو ان سے بہتر جوان بیوی عطا فرما دی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اے عائشہ! تمہارا خیال غلط ہے خدیجہ سے بہتر اللہ پاک نے مجھے کوئی بیوی عطا نہیں فرمائی۔ خدیجہ خدیجہ ہی تھی قوم نے میری تکذیب کی تو اس نے میری تصدیق کی لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انحراف کیا تو وہ صدق دل سے ایمان لائی اپنی دولت دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی نامساعد حالات میں وہ جرأت و ہمت اور تدبر کے ساتھ مضبوط دیوار بن کر کھڑی ہو گئی اور میری ذات پر کیا جانے والا ہر وار اپنی ذات پر سہا بت پرستوں کے حوصلوں کو پست کیا اور انہیں کوئی بڑی کاروائی کرنے کی جرأت نہ ہونے دی بھلا اس جیسا کون ہو سکتا ہے؟

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل خدیجہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا حدیث: ۷۲۴۳)

(۲) حضرت جبرئیل امین علیہ السلام جناب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی بارگاہ میں باریاب ہونے کے لئے تشریف لا رہی ہیں، ان کے ہاتھ میں کھانا ہے جو انہوں نے بڑی چاہت سے آپ ﷺ کے لئے بنایا ہے جب وہ تشریف لے آئیں تو انہیں بتا دیں، اللہ تعالیٰ انہیں سلام فرماتا ہے اور میرا سلام بھی ان کی خدمت میں پیش فرما دیں۔

اس نوعیت کا ایک اور واقعہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھیں حضور ﷺ نے انہیں بتایا: اے عائشہ! اس وقت میرے پاس جبرئیل امین بیٹھے ہوئے ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نیاز مندی سے عرض کی: آقا! آپ کی بڑی شان ہے حضور

وہ کچھ ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہم نیاز مند نہیں دیکھ سکتے آپ بھی جبریل امین کو میرا سلام کہہ دیں۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، حدیث: ۳۰۴۵)

اہل تحقیق نے ان دونوں واقعات سے یہ استنباط فرمایا ہے کہ حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ سے افضل ہیں کیونکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سلام کے ساتھ ساتھ بارگاہِ صمدیت سے بھی سلام بھیجا گیا جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فقط حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کا سلام موصول ہوا۔

اس سے ان دونوں عظیم خواتین کے مقام و مرتبہ میں جو فرق ہے وہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور تقریباً ہم عمر بھی تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ طبع و مزاج میں بڑی ہم آہنگی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شروع ہی سے بت پرست قوم کے جاہلانہ اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ شراب سے انہیں نفرت تھی۔ طبیعت پر متانت کا غلبہ تھا۔ انہوں نے قتل و غارت اور لوٹ مار میں کبھی حصہ نہ لیا تجارت کے ذریعے حلال کمائی کو ترجیح دی اور دیانت و امانت کے بل بوتے پر کاروبار کو اتنا پھیلایا کہ آپ کا شمار مکہ کے امراء میں ہونے لگا۔ آپ پورے عرب میں بڑے اثر و رسوخ کے مالک انسان تھے اور سب انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

(البدایہ والنھایہ لابن کثیر، ۳: ۲۹)

ان سلجھے ہوئے خصائل نے انہیں حضور ﷺ کے بہت قریب کر دیا تھا یہ بھی حضور ﷺ کی ذات گرامی کی یکتائی اور کردار و سیرت کی انفرادیت سے بہت متاثر تھے ان کے ہر عمل میں دلکشی، پاکیزگی اور ندرت ہوتی تھی۔ یہ محسوس کرتے تھے کہ محمد ﷺ بڑی ہی غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں زمانے کی جہالت کے باعث وہ اس کی صحیح توجیہہ کرنے سے قاصر تھے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ حقیقت واضح ہونے

لگی اور سربستہ اسرار کھلنے لگے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے دوست مستقبل کے بہت بڑے انسان ہیں اتنے بڑے کہ موجودہ حالات میں وہ اس بڑائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

یہ حقائق ان پر اس وقت منکشف ہوئے جب انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا اور راہبوں اور عالموں کی باتیں سنیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ آخر الزماں نبی ہیں اور وہ وقت آنے والا ہے جب نبوت کا تاج ان کے سر اقدس پر سجا دیا جائے گا اور حکم ہو گا کہ ربانی پیغام مخلوق تک پہنچاؤ اور انہیں دعوت توحید دو:

ایک دفعہ انہوں نے خواب دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آ گرا ہے خواب بڑا حسین اور حیرت انگیز تھا ان کا دل کہتا تھا اتنا خوبصورت خواب بے معنی نہیں ہو سکتا اس کی تعبیر کی جستجو ہوئی بالآخر ایک راہب سے تعبیر پوچھی اس نے انہیں دیکھ کر اچنبھے کا اظہار کیا اپنا صحیفہ کھول کر بیٹھ گیا صحیفۂ آسمانی میں لکھی ہوئی تمام علامات ان میں موجود تھیں اس نے بتایا: نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت و ورود کا زمانہ قریب ہے آپ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کے خلیفہ ہوں گے خواب میں چاند دیکھنے کی یہی تعبیر ہے۔

ان واقعات نے انہیں ایک حتمی فیصلے تک پہنچا دیا انہوں نے دل میں ٹھان لی کہ جونہی عظیم دوست دعوائے نبوت فرمائیں گے تو وہ کسی توقف کے بغیر فوراً ایمان لے آئیں گے اور دوستی کو غلامی میں بدل دیں گے۔ وقت آنے پر انہوں نے ایسا ہی کیا جس کا اعتراف خود حضور نبی کریم ﷺ نے بارہا فرمایا اور ان کی اس عظمت کو سراہا۔

(الروض الانف '۱: ۱۶۵)

آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کا اعزاز آپ ہی کو حاصل ہے بچوں میں یہ اعزاز پانے والے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر '۱: ۴۳۷)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں۔

ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: سب سے پہلے اسلام قبول

کرنے والے آپ ہیں یہ بڑی عزت کی بات ہے پھر مہاجرین و انصار نے آپ کے ہوتے ہوئے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کیسے کر لی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

"اس قسم کا دعویٰ حقیقت سے انحراف کے مترادف ہے اصل بات یہ ہے کہ چار باتوں میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکمل سبقت حاصل ہے۔"

وہ سب سے پہلے اسلام لائے حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کی غار ثور کی خلوتوں میں ساتھ رہے جبکہ وہاں حضور ﷺ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا اور چوتھی بات یہ کہ مکہ مکرمہ میں اعلانیہ نماز پڑھتے رہے جبکہ میں شعب ابی طالب میں محصور تھا۔

(حاشیہ زینی دحلان' السیرۃ الحلبیہ' ۱: ۱۷۳)

جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ یہ اس دور کے حوالے سے اتنی بڑی رقم ہے جسے خزانہ کہا جاسکتا ہے مگر آپ نے اپنے دین کے فروغ کے لئے یہ خزانہ عامرہ بے دریغ لٹا دیا۔

چونکہ کاروباری حلقوں میں جانے پہچانے امیر کبیر اور بااثر آدمی تھے اس لئے اپنے قریبی حلقے تک آپ نے مصطفوی مشن کی بات پہچانا شروع کر دی اور انہیں بتایا کہ ہم لوگ تاریکیوں کے مسافر ہیں اور بے مقصد زندگی گذار رہے ہیں۔ ہمارے موجودہ معاشرے کی حرکتیں اور خصلتیں حیوانوں اور درندوں سے مختلف نہیں۔ یہاں جنگل کا قانون نافذ ہے کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں بے لگام زندگی کے جاہلانہ اطوار پوری انسانیت کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ انسانی شرف و مقام حاصل کرنے کے لئے ہمیں یہاں ایک صالح انقلاب کی ضرورت ہے جو موجودہ معاشی معاشرتی اور اخلاقی قدروں کو بدل ڈالے اور انسان کو قعرِ ذلت سے نکال کر عظمت سے آشنا کرے اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیغمبر انقلاب ﷺ عطا فرمادیا ہے وہ اپنی تمام تر خوبیوں اور جلوؤں کے ساتھ منصۂ شہود پر آگئے ہیں اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس آفتاب کرم سے ہدایت کی کرنیں لے کر اپنے دلوں کے شب کدوں کو اُجالوں میں

بدیس اور انسان بنیں۔ یاد رکھو! اگر ہم نے یہ زریں اور حسین موقعہ کھو دیا تو ہماری طرف سے کوئی عذر مقبول نہیں ہو گا۔

آپ کی موثر گفتگو اور ترغیب نے جن خوش نصیبوں کو اسلام کے دائرے میں آنے کا موقعہ فراہم کیا ان میں ایسی شخصیات بھی ہیں جن کی صلاحیتوں نے اسلام کی قابل قدر اور نمایاں خدمات انجام دیں اور تاریخ کے صفحات پر گہرے نقوش ثبت کئے جن کا نام سن کر آج بھی مسلمانوں کی آنکھیں عقیدت و محبت سے جھک جاتی ہیں اور دل ان کی عظمتوں کو سلام کہتے ہیں۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سرور کائنات ﷺ نے جب دعوائے نبوت فرمایا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک دس سال تھی مگر قدرت نے ذہن رسا اور فہم ثاقب عطا فرمایا تھا اس تھوڑی سی عمر میں بھی بات کی گہرائی اور معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اس لئے آپ کو حق و صداقت کی روشنی پہچاننے اور منزل مقصود تک پہنچنے میں دیر نہ لگی قدرت نے بھی کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یہ راہ آسان ہو گئی اور آپ چل کر ادھر آ گئے ہوا یوں کہ ان ہی دنوں سرزمین عرب کو قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا' معاشی حوالے سے وہاں کے حالات اتنے دگرگوں اور ابتر تھے کہ ذرا سی خشک سالی ان کے ہوش اڑا دیتی تھی اور وہ سب کچھ فراموش کر کے روٹی کی فکر میں لگ جاتے تھے اس وقت ان کے سامنے ایک ہی مسئلہ ہوتا تھا کہ پیٹ کی آگ کیسے بجھائی جائے۔

حضور ﷺ کو اپنے چچا ابو طالب کے گھریلو حالات کا علم تھا وہ عیال دار آدمی تھے مگر آمدن کے ذرائع محدود تھے اس لئے عسرت اور تنگی سے گذر بسر ہوتی تھی جب تک حضور ﷺ وہاں رہے انہوں نے بھی آسودگی کا منہ دیکھ لیا تھا مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے بعد حضور ﷺ نے اپنا گھر الگ بسا لیا تھا اور حضرت ابو طالب کے گھر میں پھر پہلے جیسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

قریش میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خوشحال اور کھاتے پیتے آدمی

تھے اپنے بھائی ابو طالب کی وہ اکثر و بیشتر مالی امداد کرتے رہتے تھے مگر جب تک معقول ذرائع آمدن نہ ہوں کسی کی محدود امداد کب تک فائدہ دے سکتی ہے؟ اس لئے حضرت ابو طالب کے شب و روز وہی تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ حضرت عباس کے پاس گئے اور فرمایا:

آپ جانتے ہیں اس وقت ملک میں قحط پڑا ہوا ہے اور خشک سالی کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں آپ کے بھائی ابو طالب صورت حال سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئے ہیں میرا خیال ہے ہم دونوں مل کر ان کا بوجھ ہلکا کریں اور ان کا ایک ایک بیٹا لے لیں تاکہ ابو طالب پر قدرے معاشی بوجھ کم ہو اور وہ سکھ کا سانس لیں۔ حضرت عباس کو یہ ہمدردانہ تجویز بہت پسند آئی چنانچہ دونوں حضرات ابو طالب کے پاس گئے اور اپنی تجویز سے آگاہ کیا وہ بہت خوش ہوئے اور کہا: عقیل اور طالب کو میرے پاس رہنے دیں باقی بچوں کو بے شک لے جائیں۔

اس وقت ان کے چار بچے تھے سب سے چھوٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے ان سے دس سال بڑے حضرت جعفر تھے ان سے بڑے حضرت عقیل تھے یہ تینوں حضرات بعد میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے لیکن چوتھا بیٹا طالب اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جعفر کو اور حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی کفالت میں لے لیا اس طرح قسمت نے یاوری کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لڑکپن ہی میں صحبت نبوت سے براہ راست فیض یاب ہونے کا موقعہ مل گیا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ کو حق قبول کرنے میں ذرا دیر نہ لگی اور آپ فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

تاحال یہ ساری کاروائی ابو طالب اور ان کی قوم سے مخفی تھی کسی کو علم نہیں تھا کہ انقلاب آچکا ہے اور زیر زمین کام ہو رہا ہے۔ پوشیدہ طور پر ایسے ذہن تیار کئے جا رہے ہیں جو آوازۂ حق سن کر لبیک کہیں اور حق و صداقت کے پرچم تلے آجائیں، مصطفوی تحریک میں حصہ لینے کے لئے اس کے رفیق بن جائیں تاکہ جب وقت آئے تو

وہ بپھرے ہوئے سمندر کی طرح نکلیں اور باطل نظام اور اس کے علم برداروں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں۔ ان کے سیل تند رو کے سامنے کوئی جاہل سرمایہ دار، فرعون سرشت رسہ گیر، بے اصول وڈیرا، اور انسانیت سے عاری سرغنہ نہ ٹھہر سکے۔

جب بھی نماز ادا کرنا ہوتی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مہربان و مربی اور شفیق آقا اور بے مثال و کامل رہنما ﷺ کے ہمراہ، بیرونی پہاڑیوں پر تشریف لے جاتے اور وہاں چھپ کر نماز ادا فرماتے، عرصہ تک یہی معمول جاری رہا ایک روز اتفاق سے ادھر ابو طالب آ گئے یہ قیام و رکوع اور جلسہ و سجدہ اور عبادت کا انداز دیکھ کر دنگ رہ گئے ان کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی ایسی عبادت اور پر کشش حرکات سے وہ واقف نہ تھے کھڑے دیکھتے رہے جب دونوں حضرات فارغ ہوئے تو پوچھا:

یا ابن اخی ما هذا الدین

اے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے؟ جس پر میں تجھے کاربند دیکھ رہا ہوں؟

حضور ﷺ نے جواب دیا:

اے چچا یہ اللہ کا دین ہے اس کے فرشتوں اور رسولوں کا دین ہے اور ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دین کے ساتھ بندوں کی طرف بھیجا ہے اور اے چچا! آپ زیادہ حق دار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور ہدایت کی طرف بلاؤں اور آپ کا بھی یہ حق بنتا ہے کہ اس دعوت کو قبول کریں اور اس راہ میں میری امداد کریں۔

ابو طالب نے جواب دیا:

ای ابن اخی! انی لااستطیع ان افارق، دین ابائی وما کانوا علیه ولکن واللہ لایخلص الیك بشیء تکرهه مابقیت

اے میرے بھائی کے بیٹے! میں اپنے آباؤ اجداد کا دین اور ان کا طریق کار نہیں چھوڑ سکتا لیکن اتنی بات ضرور ہے جب تک میں زندہ ہوں تیری ذات پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

جب حضرت ابو طالب نے اپنے بیٹے علی سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

یاابت، امنت باللہ، وبرسول اللہ، وصدقته بما جاء به وصليت معه لله واتبعته

اے باپ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اور ان کی تعلیمات کو دل و جان سے قبول کر لیا ہے ان کا پیروکار بن گیا ہوں اور اللہ کی رضا کے لئے ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھتا ہوں۔

ابو طالب نے بیٹے سے کہا:

اما إنه لم يدعك الا الى خير فالزمه

(السيرة النبوية لابن هشام، ۱ : ۲٤۷)

بے شک یہ تجھے "خیر و فلاح" کی طرف ہی لے کر جائیں گے لہٰذا جو یہ کہتے ہیں اس پر لازمی طور پر عمل کر۔

(۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

حضرت زید قبیلہ کلب کی ایک شاخ "عبدود" کے خوش خصال فرزند تھے قدرت نے اس نونہال بچے کو جاذب نظر خد و خال سے نوازا تھا۔ بچہ اگر خوبصورت ہو تو وہ ویسے ہی پیارا لگتا ہے اگر اس کی عادات بھی پیاری اور من موہنی ہوں تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا ہے۔ زید بن حارثہ کی عمر آٹھ سال کے قریب تھی کہ یہ اپنی ماں کے ہمراہ ماموں سے ملنے گیا۔ وہاں دشمنوں نے حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی قیدی بنالیا بعد ازاں عکاظ کے میلے میں حکیم بن حزام کے پاس فروخت کر دیا۔

حکیم بن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے وہ اس بچے کو مکہ مکرمہ لے آئے۔ ان کے پاس اور غلام بھی تھے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ سے کہا: پھوپھی جان! ان میں سے جو غلام چاہیں چن لیں وہ میری طرف سے آپ کی نذر ہو گا۔

زید کے ہوتے ہوئے کوئی اور بچہ ان کی نظر میں کیسے جچ سکتا تھا لہٰذا انہوں

نے اسے ہی منتخب کر لیا اور گھر لے آئیں جب حضور ﷺ نے اس بچے کو دیکھا اور اس کی اچھی عادات ملاحظہ کیں تو حضرت خدیجہ سے کہا: یہ بچہ آپ مجھے دے دیں! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بصد خوشی یہ بچہ حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں دے دیا یوں ان کے مقدر کا ستارہ چمکا اور وہ کائنات کے سب سے بڑے اور مہربان آقا ﷺ کی قابل فخر وسعادت غلامی میں آ گئے۔

زید جیسے ہونہار بیٹے کے فراق میں ایک باپ کے دل پر کیا قیامت بیتی ہو گی. اس کا ہر باپ بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے خصوصاً جبکہ پتہ نہ ہو کہ وہ کس حالت میں ہے۔ زندہ ہے یا مر چکا ہے؟ اگر مرنے کا علم ہو تو بھی صبر آ جاتا ہے مگر زندہ کو بھول جانا ایک درد دل رکھنے والے باپ اور ماں کے لئے بہت مشکل ہے۔ زید کے ماں باپ کی یہی کیفیت تھی وہ زید کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے تھے کوئی لمحہ نہیں گذرتا تھا جب زید کی صورت ان کے تصور میں نہ ہو بس اس کی یاد میں تڑپا دینے والے شعر کہنا اس کے تصور میں منہمک رہنا اور گیلی لکڑی کی طرح سلگتے رہنا یہی ان کا کام رہ گیا تھا۔

ایک دن ان کے قبیلہ کے کسی آدمی نے زید کو مکہ میں دیکھ لیا آقا ﷺ کے گھر میں اس کی جو عزت و تکریم تھی اور جس لاڈ پیار سے وہ رہ رہا تھا اس کا بھی مشاہدہ کیا۔ پھر ساری کیفیت جا کر ان کے باپ کو بتا دی یہ سن کر ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ اسی وقت رخت سفر باندھا اور اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی:

یاابن عبد المطلب، یاابن هاشم، یاابن سید قومه انتم اهل حرم الله وجیرانه، تفکون الاسیر العانی وتطعمون الجائع، جئناك فی ولدنا عندك فامنن علیه واحسن فی فدائه فانا سندفع لك

اے عبد المطلب کے بیٹے! اے ہاشم کے فرزند! اے قوم کے سردار کے صاحبزادے! آپ اللہ کے حرم شریف میں رہنے والے اور اس کے پڑوسی

ہیں آپ کی عطاو بخشش کا یہ عالم ہے کہ قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں ہم آپ کے در کرم پر حاضر ہوئے ہیں' ہمارا بیٹا آپ کے پاس ہے اس پر احسان فرمایئے ہم فدیہ دینے کے لئے بھی تیار ہیں بس ہمارا بیٹا آزاد کردیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: کون سا بیٹا؟ عرض کی: ہم زید کے بارے میں بات کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ادعوه فخيروه فان اختاركم فهو لكم من غير فداء ان اختارنى فو الله، ماانا بالذى اختار، على الذى اختارنى فداء

اسے بلاؤ! اور اسے اختیار دے دو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو اسے اجازت ہوگی ہم کوئی فدیہ اور معاوضہ وغیرہ نہیں لیں گے اور اگر اس نے ہمارے پاس رہنا پسند کیا تو ہم ایسے نہیں ہیں کہ جو ہمیں پسند کرے ہم اس کا فدیہ لیتے پھریں۔

یہ سن کر باپ اور چچا کھل اٹھے ان کے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک بیٹا اپنے قبیلے' وطن' قوم' ماں' باپ اور چچا کو ٹھکرا دے وہ بولے: یہ تو آپ نے عدل و انصاف سے بھی بڑھ کر بات کی ہے۔ زید جب مجلس میں آئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے چچا اور باپ کی طرف اشارہ کرکے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دونوں کو پہچان لیا عرض کی: ایک میرے باپ حارثہ اور دوسرے چچا کعب ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تو نے ہمیں اور ہمارے حسن سلوک کو بھی دیکھ لیا ہے یہ دونوں تجھے لینے آئے ہیں۔

تجھے مکمل اختیار اور آزادی حاصل ہے ان کے ساتھ اپنے خاندان میں جانا چاہو تو بخوشی جاسکتے ہو کوئی قدغن نہیں ہوگی اور اگر یہاں ہمارے پاس رہنا چاہو تو اس کی بھی اجازت ہے دونوں صورتوں میں سے جو چاہو پسند کرلو۔ حضرت زید کے نزدیک اس غلامی کے مقابلے میں آزادی کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس لئے بلا تامل جواب دیا۔

ما أنا بالذی اختار علیك احدا، انت من مکان الاب والعم

میں کسی صورت میں بھی آپ پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ ہی میرے باپ اور آپ ہی چچا ہیں۔

حارثہ اور کعب باپ اور چچا دونوں ہکا بکا رہ گئے ان کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ کہ زید اس طرح انہیں ٹھکرا دے گا وہ حیرت سے بولے:

یازید! تختار العبودیة، علی الحریة وعلی ابیك وعمك واهل بیتك؟

اے زید! ہوش میں آ' یہ تو کیا کر رہا ہے؟ اپنے خاندان' باپ' چچا اور آزادی پر غلامی کو ترجیح دے رہا ہے؟

زید نے جواب دیا! مجھے یہ غلامی منظور ہے میں اس غلامی پر لاکھوں آزادیاں قربان کر سکتا ہوں۔

جب حضور ﷺ نے زید کی یہ بات سنی اور اس کی یہ محبت و وارفتگی دیکھی تو بہت خوش ہوئے زید کو بغل میں دبالیا اور کعبہ معظمہ کے قریب حطیم کے پاس تشریف لے گئے وہاں سرداران قریش بیٹھے تھے آپ نے وہاں جا کر اعلان کیا۔ "زید آج سے آزاد ہے وہ میرا بیٹا ہے میں اس کا اور وہ میرا وارث ہوگا" لطف و کرم ایثار و محبت اور عنایت و توجہ کے یہ حسین اور دلاویز مناظر دیکھ کر باپ اور چچا کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔ جان گئے کہ زید کو یہاں قبیلے سے بڑھ کر سکون اور سہولت حاصل ہے یہاں سے نہ لے جانا ہی بہتر ہے وہ جائے گا بھی نہیں اور ہم اسے یہ محبت و شفقت بھی نہیں دے سکیں گے اس لئے وہ خوش و خرم واپس چلے گئے۔

اس دن سے حضرت زید رضی اللہ عنہ زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے اور پھر یہی نام زبانوں پر چڑھ گیا چونکہ حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین تھے اور آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے قدرت کو یہ منظور ہوا کہ لوگ اب حضرت زید کو اس نسبت سے نہ پکاریں تاکہ کسی ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ حضور ﷺ کا بیٹا ہو اور نبوت سے محروم ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو سرکار دو عالم ﷺ کے رتبہ سے کم تر بات ہے۔ اس واہمہ کو سرے سے ختم کرنے کے لئے پہلے ہی بتا دیا کہ لے

پالک متبنی (ADOPTED) یعنی منہ بولا بیٹا اصلی اور حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا حقیقی بیٹا ہوتا تو یہ گمان ہو سکتا تھا اس لئے آپ کے حقیقی بیٹوں کو بچپن ہی میں وفات دے دی گئی تاکہ ختم نبوت کا منصب قائم رہے اور کوئی اعتراض ہی پیدا نہ ہو۔

حضور سید المرسلین، سرور کائنات ﷺ کا بیٹا کہلانا بہت بڑا اعزاز تھا۔ ظاہر ہے جب اس کی ممانعت آئی تو حضرت زید کے دل کی کیفیت بدل گئی ہو گی دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ممکن ہے کوئی طعنہ دینے والا بھی پیدا ہو جاتا اور حرف گیری کرتا کہ دیکھا اعزاز چھن گیا ہے۔

رب کریم کی رحمت کا کوئی حد و حساب ہی نہیں اس کی شان عطا مختلف زاویوں سے بندے کو اس طرح نوازتی ہے کہ وہ دنگ رہ جاتا ہے اور دل پر چھایا ہوا غم کا غبار دھل جاتا ہے۔

ایک عظیم حکمت کے باعث زید سے یہ حسین و جمیل اور سرمایہ افتخار لقب واپس لے لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے دل کو میلا نہ ہونے دیا ساتھ ہی اسے وہ اعزاز بخشا جو صحابہ کرام میں سے کسی کو حاصل نہیں یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس عظیم اعزاز کا نعم البدل دے دیا۔ وہ یہ کہ قرآن پاک میں کسی صحابی کا اسم گرامی نہیں مگر حضرت زید کا ہے جو قیامت تک موجود رہے گا اور ہمیشہ پڑھا جائے گا۔ اس اعزاز سے حضرت زید کے دل پر چھائے ہوئے غم کے بادل چھٹ گئے اور ان کا دل اس عطائے خاص پر پھر کنول کی طرح کھل اٹھا ان کا سر مبارک پھر اونچا ہو گیا۔ کسی کے لئے حرف گیری یا طعنہ زنی کی گنجائش نہ رہی مولا کریم نے ایسے نوازا جیسے بندے کو نوازنے اور بندہ نوازی کا حق ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن حاشیہ زینی دحلان، ۱:۱۷۹)

(۵) حضرت عفیف کندی رضی اللہ عنہ

ابتدا میں جو چند فرخندہ بخت قدسی نفوس مسلمان ہوئے تھے وہ دعوتی حکمت و مصلحت کے پیش نظر چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نوعمر فرزند ارجمند حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا

تو یہ انداز عبادت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ دین حنیف دین اسلام ہے یہ عبادت اس کا ایک رکن ہے آؤ تم بھی اس دین میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت علی نے عرض کی: چونکہ یہ دین بدلنے کا معاملہ ہے اس لئے اپنے باپ سے پوچھے بغیر میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو سردست رہنے دو! پوچھنے سے یہ راز فاش ہو جائے گا اور ہم ابھی ایسا نہیں چاہتے۔ دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باپ سے پوچھے بغیر ہی اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر وہ بھی چھپ کر نمازیں پڑھتے رہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ ایک روز اتفاقاً ابو طالب نے حضور ﷺ اور حضرت علی کو نماز ادا کرتے دیکھ لیا اور ناراض ہونے کی بجائے خوشی سے اسی دین پر کاربند رہنے کی اجازت دے دی: حضرت علی کی جھجک مٹ گئی اور انہوں نے اعلانیہ حضور ﷺ کے ہمراہ نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔

ابتدا میں اہل مکہ نے بھی کچھ تعرض نہ کیا انہوں نے سمجھا یہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک شخص کا اپنا تصور اور خیال ہے ان کے سامنے ورقہ بن نوفل زید بن عمرو اور قیس بن ساعدہ ایادی کی مثالیں موجود تھیں۔ یہ لوگ قوم سے ہٹ کر اپنے مخصوص نظریات اور انفرادی عقائد کے مالک تھے اور ان پر شدت سے کاربند بھی تھے۔ پوری قوم کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے اور سمجھاتے تھے کہ یہ گمراہی ہے جس پر تم عمل پیرا ہو۔ اس روش کو ترک کر دو اور بتوں کی پرستش سے باز آؤ یہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتے اس تنقید و انکار کے باوجود لوگ انہیں کچھ نہیں کہتے تھے کیونکہ جانتے تھے یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ اس نئے دین کو بھی اسی قسم کا ایک ذاتی معاملہ تصور کر رہے تھے۔ لیکن اہل مکہ کو یہ علم نہیں تھا یہ ایک عالمگیر تحریک اور مکمل نظریہ حیات ہے۔ اس ربانی دین اور مصطفوی مشن کے اپنے اصول و ضوابط اور قوانین و آداب ہیں جو روشن مضبوط اور بے لچک ہیں۔ جن میں کسی قسم کی پیوند کاری نہیں کی جا سکتی نہ ہی انہیں بدلا جا سکتا ہے اور نہ ہی "کچھ لو اور کچھ دو" کے اصول پر ان میں

ترمیم و اضافہ کیا جاسکتا ہے وہ اسے ایک محدود اور سطحی سا نظریہ اور ایک شخص کی اپنی ایجاد اور ذہنی اختراع تصور کئے ہوئے تھے جو فکر رسا کا کرشمہ اور بلند عزم و ہمت کا نتیجہ تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ایک ارتقاء پذیر اور ہمہ گیر دین ہے جو سماوات و ارض اور جہات ستہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور پوری کائنات کو اپنی آفاقی تعلیمات کے نور سے منور کر دے گا۔

ان ہی دنوں کی بات ہے جب ان کی نظر میں یہ دین ایک بے ضرر سا انفرادی کیس تھا اور وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ منیٰ میں لوگ جمع تھے ہر طرف خیمے نصب تھے حضرت عباس کے پاس ان کا پرانا تاجر دوست عفیف کندی بیٹھا ہوا تھا اس کا نام کچھ اور تھا مگر جاہلی خرافات سے دامن کشاں رہنے کی وجہ سے لوگ اسے عفیف یعنی پاکباز کہتے تھے اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے تھے اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے ایک ایسا منظر دیکھا جو اس کی نظروں میں کھب گیا اور پاک دل میں گھر کر گیا اور اس کی زندگی بدل کر رکھ دی۔

اس نے دیکھا منیٰ کے میدان میں ایک خیمہ سے حسن و جمال کا آفتاب طلوع ہوا جس نے گرد و پیش تنویریں بکھیر دیں ان کے رخ پُرنور کی ضیاء سے فضا معنبر اور منور ہو گئی اس نے حسن و نور کا ایسا پیکر زندگی بھر نہیں دیکھا تھا وہ دیکھتا ہی رہ گیا اس حسن مجسم نے باہر نکل کر سورج کے ڈھلنے کا جائزہ لیا جب پتہ چل گیا وہ ڈھل گیا ہے تو کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر خیمے کا پردہ ہٹا اور ایک باوقار خاتون نمودار ہوئی جس نے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔ پھر ایک نوعمر لڑکا باہر آیا اس نے بھی ان کی پیروی کی۔ عفیف کندی یہ عجیب و غریب مگر پرنور منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا کچھ نہ سمجھ سکا یہ کیا ہے۔ حضرت عباس نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ میرے بھائی عبد اللہ کے صاحبزادے اور میرے بھتیجے "محمد بن عبد اللہ" ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے ان کو یہ دین دے کر بھیجا ہے

جس کے اصولوں پر یہ عمل پیرا ہیں یہ نماز انہی اصولوں میں سے ہے۔ خاتون ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو رسول تسلیم کر لیا ہے اور ان پر ایمان لے آئی ہیں۔ نو عمر لڑکا ان کا چچا زاد بھائی علی ہے یہ بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ عفیف کندی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا دین کی تفصیلات معلوم کیں جو اسے پسند آئیں پہلے ہی پاک دل کا مالک تھا اس لئے پاک تعلیمات قبول کرنے میں دیر نہ لگی اور مسلمان ہو گیا۔ مگر عرصہ دراز تک اپنے گھر والوں سے اس راز کو چھپائے رکھا۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس وقت دین کا اثر قبول کر لیا تھا اور دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مناسب موقعہ پر وہ اس دین پر ایمان لے آئیں گے اور بعد میں وہ ایمان لے بھی آئے مگر ہمیشہ پچھتاتے رہے کہ اگر اسی وقت ایمان قبول کر کے اس کا اظہار کر دیتے تو اول ترین گروہ میں سے ہونے کا اعزاز حاصل کر لیتے تاہم بڑے سچے اور سچے مسلمان ثابت ہوئے اور حسن عمل سے ایک عالم کو گرویدہ کر لیا۔

(البدایہ والنہایہ ۳:۲۵'الوفا باحوال المصطفیٰ ۱۶۷)

(۶) حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت خالد بن سعید کا چوتھا یا پانچواں نمبر ہے یہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کو بالکل ابتداء میں قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ انہوں نے انتہائی ناسازگار حالات میں جرأت وہمت کا ثبوت دیا۔ اور عزم و استقلال کی ایک نہ بھولنے والی مثال قائم کر دی جس نے ان کے اعزہ و اقارب خصوصاً باپ کو بیخ پا کر دیا۔ زجر و توبیخ سے آگے بڑھ کر زدوکوب تک نوبت پہنچی۔ جب اس سے بھی ان کا مقصد حل نہ ہوا تو دانہ پانی بند کر دیا۔ جب اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو انہوں نے عذاب و عتاب کے بعد گھر سے نکال دیا آپ نے سب کچھ بڑی ہمت اور صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ گھر سے نکلنا گوارا کر لیا مگر مصطفوی تحریک میں

شمولیت کے لئے آپ نے جو قدم آگے بڑھایا تھا اسے پیچھے ہٹانا گوارا نہ کیا۔

نوجوان تھے جوانی کے کچھ تقاضے اور مطالبے ہوتے ہیں جو ماں باپ کے بغیر

پورے نہیں ہوتے۔ کچھ ضروریات ہوتی ہیں جن کے لئے معاشرتی سہارا بہت ضروری ہوتا ہے۔ کچھ امنگیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں جن کے بے رنگ خاکوں میں ماں باپ ہی رنگ بھر سکتے ہیں اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو زندگی کی تصویر مسخ ہو جاتی ہے۔ حضرت خالد نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی مادی خواہشوں کی تکمیل کی کوئی پرواہ نہ کی جائیداد سکھ چین ماں باپ کا پیار دوستوں کا یارانہ سب کچھ قربان کر دیا اور تاجدار کائنات ﷺ کے ابر کرم کے خنک سائے اور محبت کے آسمان تلے سب کوفتیں اور چاہتیں بھول گئے۔ یوں محسوس کرنے لگے جیسے سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا ہے۔

چونکہ طبع نفیس اور ذوق سلیم رکھتے تھے اس لئے نور و نکہت ہی کے خواب دیکھتے تھے۔ ابھی حضور ﷺ نے دعوائے نبوت نہیں فرمایا تھا ان دنوں کی بات ہے انہوں نے بڑا پر نور اور معنی خیز خواب دیکھا جس نے بعد میں ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

دیکھتے ہیں کہ زمین اندھیرے میں ڈوب گئی ہے۔ دشت و جبل میدان کھیت سب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ دریا سمندر شہر' وادیاں عمارتیں اور کائنات کی تمام چیزیں نظر آنا بند ہو گئیں۔ جیسے تاریکی کے کالے دیو نے ان کو یکدم نگل لیا ہو اور اب ان کا کوئی وجود نہ ہو۔ پھر چاہ زمزم سے نور کا ایک ہالہ نمودار ہوا جس نے ابھرنا اور پھیلنا شروع کر دیا۔ اس کی روشنی آفتاب سے بھی زیادہ تیز اور ٹھنڈی میٹھی تھی۔ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی اور لہراتی ہوئی اس دلکش و سکون بخش اور حیات آفرین روشنی نے ساری کائنات کو اپنی منور آغوش میں لے لیا ہر شے نور میں نہا گئی۔ دشت اور درخت کھیت اور کھلیان پہاڑ اور میدان دریا اور سمندر زمین اور آسمان جو اندھیرے میں روپوش ہو گئے تھے سب جگمگا اٹھے اتنی روشنی پھیلی کہ درختوں پر لگی ہوئی کھجوریں بھی نظر آنے لگیں۔ خالد نے یہ خواب اپنے بھائی کو بتایا اس نے کہا:

لقد رأیت عجبا وانی لاری هذا امریکون فی بنی عبد المطلب
إذ رأیت النور خرج من زمزم

(الخصائص الکبری ۔ ۱ : ۱۲۲)

تو نے بڑا حیرت انگیز اور عجیب و غریب خواب دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہے اس کا تعلق عبد المطلب کی اولاد کے ساتھ ضرور ہے کیونکہ تو نے زمزم سے نور اوپر چڑھتے دیکھا ہے اور زمزم کا ان کے ساتھ خصوصی تعلق ہے

چند دنوں کے بعد جب سرکار دو عالم ﷺ منصب رسالت پر جلوہ گر ہو گئے تو اس نے پھر ایک حقیقت افروز خواب دیکھا جس نے انہیں خواب گراں سے جگا دیا۔ دیکھا! آگ کا ایک وسیع و عریض سمندر ہے جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس ہولناک منظر سے ان کے پسینے چھوٹ گئے مگر اگلا منظر اس سے بھی زیادہ خوفناک اور حیرت انگیز تھا اپنے باپ کو دیکھا وہ اسے دھکے دے کر اس دل ہلا دینے والی آگ میں داخل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوسری طرف حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا وہ انہیں کمر سے پکڑ کر پیچھے ہٹانے اور آگ سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کشمکش میں ان کی آنکھ کھل گئی خواب بالکل واضح تھا ان کے دل نے کہا یہ ایک سچا خواب ہے قدرت نے انہیں نشان حق دکھایا ہے اور مرکز ہدایت سے آگاہ فرمایا ہے۔ یہ اپنے دوست حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور اس خواب کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بتایا: اے خالد' نشان حق اور برہان صادق کا ظہور ہو چکا ہے۔ نبی برحق اور آخری رسول ﷺ تشریف لا چکے ہیں۔ میرے ساتھ چلو اور دست اقدس پر بیعت کر لو۔ اور بتوں کی غلامی سے نجات پاؤ۔ ان کی پرستش نری جہالت اور انسانیت کی اہانت ہے یہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بے بصر و جامد پتھر جو سننے دیکھنے اور ہلنے جلنے سے قاصر ہیں یہ منصب خداوندی پر کیسے فائز ہو سکتے ہیں؟ وقت آگیا ہے کہ ہوش میں آؤ! اور انہیں پائے حقارت سے ٹھکرا کر پاش پاش کر دو۔ تمہارے سچے خواب کی یہی سچی تعبیر ہے۔

حضرت خالد کے دل نے کہا: یہ مشورہ بالکل صائب اور سو فیصد درست ہے اور یہی تعبیر سچی ہے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسی وقت بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے باپ کو پتہ چلا تو اس نے روزی اور گھر کے دروازے بند کر دیئے مگر حضرت خالد نے کوئی پرواہ نہ کی انہوں نے ایمان کے لئے جو دل کا دروازہ کھولا تھا وہ دنیا کی خاطر اسے بند کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔　　(الاصابہ فی تمییز الصحابہ' ۱:۴۰۶)

(۷) حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

ایمان قبول کرنے والوں میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا چھبیسواں یا تیسواں نمبر ہے

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ ' ۱: ۲۳۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور ان سے دس سال بڑے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے مخزن صفات بھائی کے ساتھ والہانہ محبت تھی ' حضرت عبد اللہ بن جعفر کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی اور ان کے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی اجازت نہ دیتے تو وہ فوراً حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا واسطہ دے دیتے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل موم ہو جاتا اور بڑے بھائی کے احترام میں وہ اجازت عطا فرما دیتے اور عبد اللہ کی جو خواہش ہوتی وہ پوری کر دیتے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ' ۱: ۲۳۸)

ابتدا میں مسلمان گھاٹیوں پر جا کر نمازیں ادا کرتے تھے تاکہ اہل مکہ کو پتہ نہ چل جائے جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہوا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ حضرت علی کے ساتھ پہاڑی پر نماز ادا فرما رہے تھے کہ اتنے میں اتفاقاً حضرت جعفر کے ساتھ ابو طالب بھی وہاں پہنچ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے ساتھ دائیں جانب نماز پڑھتے دیکھا تو خفا ہونے کی بجائے حضرت جعفر سے کہا۔

علی دائیں طرف ہے تم اپنے بھائی کی بائیں جانب کھڑے ہو جاؤ اور ان کے دست و بازو بن جاؤ ان کی رہنمائی تمہیں فلاح و کامرانی کی طرف لے کر جائے گی۔

(۸) حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ پیشے کے لحاظ سے بزاز تھے۔ ایک خوشحال گھرانے کے معزز فرد ' جوان رعنا ' اور حسن و جمال کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے۔

كان ابيض مشربا بحمرة، حسن الوجه رقيق البشرة، اعين، اهدب الاشفار، اقنى له جمة، ضخم الكفين، غليظ الاصابع، لاتغير بشعره (محمد رسول الله . محمد رضا : ۹۷)

رنگ سفید، سرخی مائل، چہرہ حسین اور جسم چھریرا تھا، زلفیں سیاہ اور دراز، پلکیں لمبی لمبی، آنکھیں موٹی موٹی، ناک اونچی، انگلیاں بھاری بھاری اور ہتھیلیاں بھری بھری تھیں۔

گویا مجموعی لحاظ سے وہ انسانی وجاہت اور مردانہ بانکپن کا ایک جیتا جاگتا نمونہ اور دلنشیں شاہکار تھے۔ دیکھنے والے اس تیس سالہ نوجوان کو دیکھ کر ایک مرتبہ تو انگشت بدنداں رہ جاتے اور دل میں ان کے شباب و جمال اور دلکش خدوخال کو سراہے بغیر نہ رہتے۔ تجارت کی غرض سے یمن کی طرف ان کا جانا آنا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں "عسکلان حمیری" کے پاس قیام پذیر تھے۔ وہ ایک عالم و دانا بزرگ اپنے قبیلے کے سردار اور پڑھے لکھے انسان تھے۔ وہ عبد الرحمان بن عوف کی اس لئے آؤ بھگت کرتے کہ وہ مکہ مکرمہ کے باسی تھے۔ وہ کعبہ اللہ، آب زمزم، اور شہر مکہ کے بارے میں ان سے تفصیلات پوچھتے اور محظوظ ہوتے، انہیں ان مقامات کے ساتھ روحانی وابستگی اور جذباتی لگاؤ تھا، ان کا تذکرہ سنتے سنتے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور وہ انجانے سے کیف و سرور میں ڈوب جاتے جو عبد الرحمان کی سمجھ میں نہ آتا۔

آخر اس دفعہ انہوں نے اس سربستہ راز سے پردہ اٹھا ہی دیا حضرت عبد الرحمان کہتے ہیں جب انہیں میری آمد کا علم ہوا تو تکلیف کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اپنے بیٹوں پوتوں اور نواسوں کو بلالیا تاکہ سب اس راز سے آگاہ ہو جائیں مجھے کہا:

اے عبد الرحمان! کیا میں تجھے ایک ایسی بشارت نہ دوں جو تیرے لئے نفع مند تجارت سے بہتر ہو؟ میں نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں منتظر ہوں۔ انہوں نے بتایا! اے عبد الرحمان! تو سفر میں ہے لیکن تیرے شہر میں اسی مہینے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی مبعوث فرمائے ہیں اور انہیں کتاب ہدایت دے دی ہے۔ وہ بتوں کی پرستش و قربت سے روکتے اور اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اقدار خیر کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی ان پر عمل کرتے ہیں۔ برائی کو باطل قرار دیتے ہیں اور خود بھی اس سے رکتے ہیں اے عبد الرحمان تمہارا خاندان اسی نبی کا ننھیال ہے فوراً واپس پہنچو اور ان پر ایمان لے آؤ

خیر و فلاح اسی میں ہے۔ اور میرے یہ اشعار ان کی نذر کر دو۔

اشهد باللّٰه ذی المعالی
وفالق اللیل والصباح
انک فی السرو من قریش
یا ابن المفدی من الذباح
ارسلت تدعو الی یقین
ترشد للحق والفلاح
اشهد باللّٰه رب موسی
انک ارسلت بالبطاح
لکن شفیعی الی ملیک
تدعو البرایا الی الفلاح

میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں جو شب و روز کا خالق اور بزرگیوں کا مالک ہے۔

کہ آپ قریش کے ایک سربر آوردہ فرد ہیں اے حضرت عبد اللہ کے فرزند ارجمند جن کے بدلے اونٹ ذبح کیے گئے تھے۔

آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے آپ ایمان و یقین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حقانیت و کامرانی کا راستہ دکھاتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ رب موسیٰ کو گواہ بنا کر لیتا ہوں کہ بے شک آپ سرزمین مکہ میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اے مخلوق کو فلاح و کامرانی کی طرف بلانے والے رسول! بارگاہِ خداوندی میں آپ میری بھی شفاعت فرمائیں۔

یہ حالات سن کر حضرت عبد الرحمان کے دل میں بے قراری سی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے تیزی کے ساتھ اپنا مال فروخت کیا اور اپنے وطن کی راہ لی۔ اس وقت ان کا جی چاہ رہا تھا کہ پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر مکہ مکرمہ پہنچ جائیں اور مبعوث ہونے والے

نبی کی زیارت کریں۔ جن کے اجنبی سرزمینوں پر بھی چرچے ہیں اور آنکھ والے انہیں دور بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ جب مکہ مکرمہ پہنچے' تو گھر بھی نہ گئے شوق کے ہاتھوں کشاں کشاں اپنے یار غار حضرت ابوبکر کے پاس پہنچ گئے اور بے تابی سے پوچھا! ابوبکر! یہ کیسا انقلاب ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عبدالرحمان! قدرت نے ہماری سرزمین پر کرم کیا ہے' محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں یہاں کی فضا پر ابر رحمت بھیجا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں اور باطل سے منہ پھیر کر حق وصداقت اور توحید ورسالت کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دیر نہ کرو ورنہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ سعادت اور ابدی فلاح تمہاری منتظر ہے۔ میرے ساتھ چلو اور ایمان لے آؤ۔ آقا ﷺ اس وقت اپنے کاشانہ عالیہ میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت عبد الرحمان رضی اللہ عنہ کا شوق دو آتشہ ہو گیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصیحت نے اسے فزوں تر کر دیا۔ جب بارگاہ مصطفوی میں پہنچے تو تاجدار کونین ﷺ دور ہی سے دیکھ کر مسکرائے جیسے جانتے ہوں۔ عبدالرحمان کن مراحل سے گذر کر آرہا ہے۔ غلام نے عقیدت و نیاز مندی سے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا: حضور ﷺ نے فرمایا: جو امانت تیرے سپرد کی گئی ہے اور جو پیغام تجھے دیا گیا ہے وہ پہنچا دو! حضرت عبد الرحمان نے عسکلان حمیری کی ساری داستان سنادی اور اس کا پیغام پہنچا دیا۔ مہربان آقا ﷺ نے فرمایا:

ان اخا حمير من خواص المؤمنين ثم قال رب مومن بی ولم يرنی ومصدق بی وما شهدنی اولئك اخوانی حقا

(الخصائص الكبرىٰ، ۱ : ۱۰۱)

بے شک قبیلہ حمیر کا یہ آدمی خاص مؤمنین میں سے ہے۔ پھر فرمایا کئی ایسے لوگ ہیں جو مؤمن ہیں لیکن انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا اور کئی ایسے لوگ ہیں جو ہماری تصدیق کرنے والے ہیں مگر وہ ہمارے دربار میں حاضر نہیں ہوئے یہی لوگ ہمارے بھائی ہیں۔

(۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مزاج سپاہیانہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ہی پیشہ اختیار کیا تھا۔ اسلحہ سازی کا ایک کارخانہ بنایا تھا جس میں مروجہ اسلحہ ڈھالا جاتا تھا۔ آپ کے کارخانہ کے ساختہ تیر تلواریں اور تبر بڑے مشہور تھے۔ جس میں معیار کو بطور خاص ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

وکان سابع سبعة فی اسلامه بعد ستة — اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا ساتواں نمبر ہے۔

اس وقت تک چھ افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں

اسلمت وانا ابن تسع عشرة سنة — جب میں نے اسلام قبول کیا اس وقت میری عمر انیس سال تھی۔

نام کی مناسبت سے بڑے ہی سعید فطرت اور پاک نہاد تھے غالباً صفائے باطن اور طبعی پاکیزگی اور شرافت و سعادت ہی کے باعث ایک خواب دیکھا جس نے زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ فکر و خیال اور سوچ کے دھارے بدل کر رکھ دیئے اور انہیں ایک نئی انوکھی اور پہلے سے بالکل مختلف زندگی اختیار کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ خواب کا ابتدائی حصہ بڑا بھیانک اور ڈراؤنا تھا مگر دوسرا حصہ معنی خیز تھا جس نے انہیں بہت متاثر کیا۔ آپ نے دیکھا اندھیروں کی گھنگھور گھٹا ہر طرف چھا گئی ہے اور اس نے ہر چیز کو نگل لیا ہے ساری کائنات اسی گہرے اندھیرے میں ڈوب گئی اچانک دور افق پر روشنی دکھائی دی جیسے چاند اُبھر رہا ہو انہوں نے تاریکی سے جان چھڑانے کے لئے چاند کی طرف چلنا شروع کر دیا رفتہ رفتہ یہ بالکل روشنی کے قریب پہنچ گئے وہاں جا کر پتہ چلا کچھ لوگ ان سے بھی پہلے وہاں پہنچ چکے ہیں جب غور سے دیکھا تو پہچان لیا تمام چہرے شناسا تھے ان میں حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ نمایاں تھے۔ آپ لوگ یہاں کب پہنچے؟ انہوں نے حیرت سے پوچھا بس ابھی پہنچے ہیں انہوں نے جواب دیا۔

جب بیدار ہوئے تو بے قرار تھے بیٹھنا مشکل ہو گیا وہ اس کی تعبیر اور تہہ تک پہنچنے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔

انہوں نے کہا: اے سعد! تعبیر واضح ہے ہم لوگ اوہام و اباطیل کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قدرت نے ازراہ لطف و کرم ہمیں اسلام کا چشمہ نور عطا کیا ہے نور الانوار شاہد و مبشر اور سراج منیر نبی تشریف لے آئے ہیں۔ اب بھی اگر ہم اندھیروں میں پھنسے رہیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہو گی آگے بڑھو اور ایمان لے آؤ اجالوں میں آجاؤ گے اور دنیا و عقبیٰ کی فلاح حاصل کر لو گے۔

مسلمان اس وقت پہاڑوں اور گھاٹیوں پر جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا اس وقت حضور ہادی اعظم نبی مکرم ﷺ "شعب اجیاد" میں موجود ہیں یہ ایک گھاٹی کا نام تھا وہ حضرت سعد کو وہاں لے گئے جونہی رخ پر نور پر نظر پڑی سعد کی دنیا ہی بدل گئی ادب سے جھک گئے اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

(الخصائص الکبریٰ' ۱:۱۲۲' محمد رسول اللہ: ۹۷)

باب ـ ۳
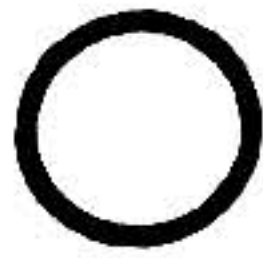
مصطفوی تحریک کا پہلا تربیتی مرکز
(دارِ ارقم)

اسلام قبول کر کے مصطفوی تحریک میں شامل ہو کر انقلاب کی راہ پر چلنے والے مخلص رفقاء و وابستگان کی تعداد چالیس ہو گئی تھی۔ ان میں ہر طبقہ زندگی کے لوگ شامل تھے' یتامی و مساکین بھی اور امراء و صنعتکار بھی' معاشرے کے دھتکارے ہوئے پس ماندہ و نادار غرباء بھی' جو سرمایہ داروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جنہیں اپنی مرضی سے سانس لینے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ستم رسیدہ غلام بھی' ان میں محنت کش اور مزدور پیشہ مرد بھی تھے اور باہمت و استقلال پیشہ خواتین بھی۔

مثال کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ' عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کپڑے کے پھیلے ہوئے کاروبار کے مالک اور مالدار تاجر تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک اسلحہ ساز فیکٹری چلا رہے تھے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ گوشت کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت بلال' صہیب' عمار' یاسر' ابن مسعود اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم مظلوم طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ارقم' ابو عبیدہ' حضرت جعفر' سعید بن زید' حاطب اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہم درمیانے طبقے کے نمائندے تھے حضرت عائشہ' حضرت اسماء' حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہن ام جمیل فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور اسی طرح حضرت خالد بن سعید کی زوجہ محترمہ حضرت امینہ رضی اللہ عنہن طبقہ نسواں سے تعلق رکھتی تھیں۔

غرض معاشرے کے ہر گروہ کے افراد یہاں جمع ہو گئے تھے۔ کسی ایک طبقے کے لوگ نہیں تھے صرف مزدور و محنت کش ہاری اور مزارع بھی نہیں تھے اور سرمایہ دار وڈیرے بھی نہیں تھے۔ یہ حقیقت اس بات کی بین برہان تھی کہ تحریک سچی اور سب کے مفادات کی محافظ ہے یہ ایک ایسا انقلاب ہے جس کے ساتھ سب کے مفادات

وابستہ ہیں۔ اس کی کامیابی سب کی کامیابی ہے اس انقلاب کی بدولت ایک غریب مزدور اور نادار کسان کو بھی اس کے حقوق مل سکتے ہیں اور مظلوم عوام اور مساکین و غرباء کو بھی اس سے صنعتکار کو بھی جائز حدود کے اندر رہ کر اور لوٹ کھسوٹ کے بغیر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرکے سرمایہ کمانے' ملک و ملت کے فلاحی منصوبوں پر خرچ کرنے' اور ڈر خوف کے بغیر اس کا اظہار کرنے کا موقعہ مل سکتا ہے اور ان لوگوں کو بھی اپنی محنت و خدمت کا معقول معاوضہ مل سکتا ہے جو اس کے ہاں ملازم ہیں۔ اس انقلاب کی بدولت ہر انسان امن و امان' سکھ چین اور عزت و آبرو کی زندگی گذار سکتا ہے۔

جس گروہ میں ایک ہی طبقہ کے لوگ شریک ہوں مثلاً سرمایہ دار وڈیرے اور صنعتکار جمع ہو جائیں یا مزدور کسان اور غرباء منظم ہو کر ایک پارٹی بنالیں اور انقلاب کی بات کریں تو ایسا انقلاب ایک وقتی رد عمل تو ہو سکتا ہے مگر سچا اور صادق انقلاب نہیں یہ انقلاب صرف ایک گروہ اور طبقے کے مفادات کا محافظ ہوتا ہے جو غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بنا دیتا ہے اگر وہ صرف مزدور پارٹی کا انقلاب ہو تو مزدور کو حرام خور' کام چور' دغاباز حاسد اور منتقم مزاج بنا دیتا ہے۔ ایثار و خلوص اور محنت و قناعت کی دولت اس سے چھین لیتا ہے۔

ایک صالح انقلاب لانے کے لئے مختلف درجات و طبقات پر مشتمل مسلمانوں کا یہ گروہ اپنی عددی قلت کے باعث قریبی گھاٹیوں میں جاکر اپنے مالک حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتا تھا۔ اپنی عبودیت و بندگی کا مظاہرہ کرتا تھا فرعونوں کے اقتدار' بتوں کی پرستش اور معاشرے کی بے راہ روی سے بیزار اور بے ہنگم روایات و آداب سے نالاں یہ لوگ رو رو کر یہ دعا کرتے تھے کہ انہیں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کرنے کی توفیق دی جائے اور وہ عزم و حوصلہ بخشا جائے کہ وہ ہر باطل طاغوتی طاقت سے نہ صرف ٹکرا جائیں بلکہ اس کی شخصیت کے آہنی بت کو بھی پاش پاش کر دیں وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ مصطفوی تحریک زور پکڑے نیک بخت لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں اور وہ اس کے پرچم تلے جمع ہو کر کفر و شرک جھوٹ فریب ضلالت و منافقت اور

ہر برائی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں وہ دن جلد آئے جب یہاں مصطفوی انقلاب کا سویرا طلوع ہو اور بندگان خدا سکھ کا سانس لیں کہ انہیں چادر اور چار دیواری کا تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ بدامنی اغواء قتل و غارت لوٹ کھسوٹ ڈاکہ زنی اور دھونس دھاندلی کا دور ختم ہو گیا ہے۔

وہ نماز پڑھ کر دست بدعا تھے کہ کسی طرف سے گم کردہ راہ اہل باطل کا ایک گروہ وہاں اچانک پہنچ گیا یہ محض ایک اتفاق تھا' یہ نیک لوگ نماز و دعا میں مشغول تھے کسی کا نقصان نہیں کر رہے تھے مگر باطل پرستوں کے ماتھے پر پھر بھی بل پڑ گئے ان کے شرک پسند مزاج اور باطل نواز طبیعت کو یہ حسین منظر پسند نہ آیا' چپکے سے گذرنے کی بجائے وہ اکڑ کر کھڑے ہو گئے اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اس مہذب و خدا ترس اور نیک نہاد گروہ کو گالیاں دینے لگے کہ تم لوگ گمراہ اور مفسد ہو قوم کے متفقہ اور متعین راستے سے ہٹ کر ایک الگ راہ بنا رہے ہو اس طرح تم دانستہ شر و فساد اور تباہی و بربادی کا بیج بو رہے ہو۔ ہم تمہیں اس سرزمین پر اس طرح کا ایک نیا فتنہ کھڑا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اور تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے۔ انیس سالہ نوجوان حضرت سعد بن ابی وقاص یہ بے ہنگم اور جاہلانہ باتیں سن کر بپھر گئے اور غضبناک لہجے میں بولے:
ضلالت و گمراہی کے پرستارو! شر و فساد بدمعاشی اور بے راہ روی کے علم بردار تم ہو۔ نفس و ہوس کے بہکاوے میں آ کر تم جن راہوں پر چل رہے ہو وہ ابدی خسران دائمی ہلاکت اور مکمل تباہی کی راہیں ہیں تم اپنی خبر لو ہمیں سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

بات آگے بڑھی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے سر پر دے ماری اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ پسپا ہو کر بھاگ گئے انہیں احساس ہو گیا جو لوگ مصطفوی انقلاب کی راہوں پر نکلے ہیں وہ جوانیاں لٹانے والے ہیں بزدل و بے ہمت نہیں جنہیں ڈرا دھمکا کر پٹڑی سے اتارا جا سکے۔

دانا قائد کی نظر مستقبل بعید پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی عسکری قوت کی حفاظت کو ہر چیز پر اولیت دیتا ہے۔ قبل از وقت تصادم (PREMATURE CLASH) سے اس پر جوش و ہنگامہ آرا قوت کے زائل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے وہ ایسی

منصوبہ بندی کرتا ہے جس سے اس قوت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سالار کاروانِ اہل حق پیغمبر انقلاب حضور نبی کریم ﷺ نے جب دیکھا کہ جواں سال سعد کے جوش نے دشمن کے ایک آدمی کو زخمی کردیا ہے اور مسلمانوں کے لئے فوری تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے علاوہ ازیں روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے ایک انقلابی مرکز کے قیام کی فوری ضرورت محسوس کی جہاں مسلمان نمازوں کے لئے جمع ہوں۔ انہیں گھاٹی پر جانے کی ضرورت نہ رہے اور فوری تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ ایک جانباز صحابی تھے۔

اسلم بعد عشرة وكانت داره على الصفا

(الاصابة في تمييز الصحابة، ۱ : ۲۸)

اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا دسواں نمبر تھا یعنی سابقین واولین میں سے تھے اور ان کا گھر کوہ صفا کے دامن میں تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس مقصد کے لئے ان کا گھر پسند کیا۔ تاکہ اہل حق وہیں جمع ہوں اور آپ وہاں ان کی ذہنی و فکری اور روحانی تربیت کریں انہیں راہ انقلاب کے نشیب و فراز سمجھائیں۔ اس طرح "دار ارقم" اپنی ماہیت، ماحول اور محل وقوع کے اعتبار سے "مصطفوی انقلاب کا پہلا تربیتی مرکز" بن گیا۔ متلاشیان حق اور وابستگان تحریک ہدایات و معلومات اور مستقبل کا لائحہ عمل حاصل کرنے کے لئے وہیں آنے لگے۔

وهي الدار التي كان النبي صلى الله عليه وسلم يجلس فيها في الاسلام

(الاصابة في تمييز الصحابة ، ۱ : ۲۸ بحواله مستدرك للحاكم)

اور یہ وہی گھر ہے جس میں حضور ﷺ اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے تشریف فرما ہوتے تھے۔
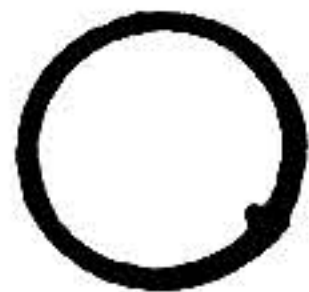
باب ۔ ۴

مصطفوی تحریک کے آغاز میں
جواں نسل کا انفرادی کردار

اسلام قبول کرنے والے اس انقلابی اور جانباز گروہ میں ایسے لوگوں کی اکثریت تھی جو دور شباب میں داخل ہو رہے تھے' یا داخل ہو چکے تھے' اور ایسے لڑکے بھی تھے جو بلوغت کی حدوں کو چھو رہے تھے' اور ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے تھے۔

مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک نو یا دس سال تھی' حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بارہ سال کے تھے' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر انیس سال تھی۔ گویا ان کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چھبیس سال کے جوان رعنا تھے اسی طرح حضرت عبد الرحمان بن عوف کی عمر صرف تیس سال تھی' جو عروج شباب کا زمانہ ہے' اسی طرح حضرت عثمان بن غنی رضی اللہ عنہ پینتیس سال اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقریباً سینتیس سال کے تھے۔ ان کے علاوہ جو باقی حضرات تھے وہ تقریباً سب نو عمر تھے اور کمر کس کر میدان میں آ گئے تھے' اسی طرح بعض لوگ معاشرتی حوالے سے بے حیثیت اور کمزور و ناتواں ہونے کے باوجود' صبر و استقلال کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہے تھے۔ ان کی بے خوفی' جرأت و ہمت اور بلند حوصلگی نے دشمن کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

اس ایمان افروز کردار نے انہیں سیخ پا کر دیا اور حیرت زدہ بھی۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ مصطفوی تحریک واقعی کوئی تحریک ہے اور اس میں تاب و تواں اور جان ہے جن لوگوں نے اس میں شمولیت کی ہے وہ سر ہتھیلی پر رکھ کر اس میں شامل ہوئے ہیں اور سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ اور مقابلہ کرنے کا دم خم رکھتے ہیں' بزدل و بے ہمت نہیں جو نامساعد حالات میں ساتھ چھوڑ جائیں گے اور رفاقت سے منہ موڑ لیں گے۔

دشمنوں کے دل میں یہ احساسات و تاثرات اس لئے پیدا ہوئے کہ اہل ایمان نے جس جوش و جذبے اور جرأت مندانہ کردار کا مظاہرہ کیا وہ ان کی توقعات سے بڑھ کر تھا اور ان سے یہ کردار اس لئے سرزد ہوا کہ وہ جواں تھے۔ انقلاب کی راہوں پر نکلے تھے اور فکر و نظر میں تبدیلی چاہتے تھے۔ انہیں اپنے نظریے اور مشن کی صداقت پر سو فیصد یقین تھا۔ اس لئے اس راہ میں جو قوت مزاحم ہوئی وہ اس سے ٹکرا گئے۔ ہر قسم کی مصلحت بالائے طاق رکھ کر جوابی کاروائی کر کے ثابت کر دیا کہ جس مشن پر نکلے ہیں اور جس دین پر ایمان لائے ہیں اس کے خلاف بات سننا بھی گوارا نہیں۔ دشمن یہ غلط فہمی دل سے نکال دے کہ عددی قلت کے باعث دب جائیں گے یا مرعوب ہو کر اپنے پیغام، طریقہ کار اور مشن سے دستبردار ہو جائیں گے۔

ایں خیال است محال است وجنوں

اس کردار سے یہ نقطہ اخذ ہوتا ہے کہ انقلاب کے حوالے سے پرانی نسل کے مقابلے میں جواں نسل، زیادہ حساس، متحرک، فعال اور سنجیدہ ہوتی ہے۔ جب اسے اپنے مشن کی صداقت اور انقلاب کی ضرورت کا یقین ہو جائے تو اس کے لئے لڑنے بھڑنے سب کچھ قربان کرنے بلکہ جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتی اور اپنی عمر کے مطابق کے بعض اوقات ایسا کردار ادا کرتی ہے جس میں مزاح کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے مگر وہ تعمیری بھی ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن الجموح ایک بت کے عاشق صادق تھے اسے خوب بنا سنوار کر رکھتے تھے۔ ان کے قبیلے "بنو سلمہ" کے نوجوان مسلمان ہو گئے تو انہوں نے سوچا، قبیلے کے اس بزرگ "عمرو" کو بھی بت پرستی سے روکنا چاہئے، جذبہ بڑا تعمیری، مثبت اور خیر خواہی پر مبنی تھا مگر وہ جانتے تھے، بت کی محبت بوڑھے کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے جسے نکالنا بہت مشکل ہے۔ انہیں ایک ترکیب سوجھی جو بظاہر شرارت، مگر حقیقت میں شرافت تھی جس میں خیر و برکت پنہاں تھی۔

انہوں نے "عمرو" کا بت اٹھا کر گندگی میں لت پت کر کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر

پر پھینک دیا، جب صبح عمرو اٹھا اور بت اپنی جگہ پر نظر نہ آیا تو تشویش دامن گیر ہوئی، ادھر ادھر ڈھونڈا، تلاش کیا آخر پتہ چلا اس کے "خدا" صاحب گندگی کے ڈھیر پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے عقیدت کے ساتھ بت کو اٹھایا، دھویا، صاف کیا اور اسے اپنی جگہ پر نصب کر دیا۔

رات کو جوانوں نے پھر یہی حرکت کی، جب عمرو سو گیا تو بت اٹھا کر گندگی کے گڑھے میں پھینک دیا، دل و دماغ پر چھائی ہوئی بتوں کی عقیدت کی تہہ اتنی دبیز تھی کہ بار بار کے عمل سے بھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں اور راہ یاب ہونے کی بجائے انتقام پر اتر آیا، اس نے بت کو نہلا دھلا کر اس کی جگہ پر کھڑا کیا اور گلے میں تلوار لٹکا دی اور کہا:

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تیرے ساتھ ایسا نازیبا سلوک کرنے والا کون ہے تو میں اسے مزا چکھاتا مگر افسوس کہ مجھے اس کا پتہ نہیں، اب میں تجھے یہ تلوار دے کر جا رہا ہوں اس کے ساتھ خود اپنی حفاظت کر"۔

اس رات نوجوانوں نے صرف گندگی میں پھینکنے پر ہی اکتفاء نہ کی بلکہ بت کے ساتھ مردہ کتا بھی باندھ دیا اور غلاظت میں لت پت کر کے اوندھے منہ لٹکا دیا، صبح جب عمرو نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اب اس کے دماغ کو تحریک ہوئی اور نگاہ نے عبرت حاصل کی کہ جو مجسمہ اس حد تک ناکارہ و بے دست و پا ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟

نوجوانوں کے مزاح نے اسے راہ ہدایت دکھا دی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ۱: ۴۵۲)
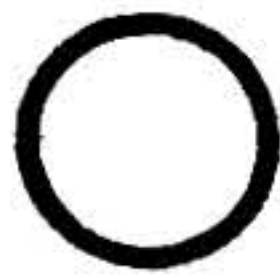
باب - ۵

مصطفوی تحریک کے جانباز اور سربکف مبلغین

انقلابی تحریک میں شامل ہونے والے بعض نوجوان بڑے ہی پر جوش، فعال سرگرم عمل اور انقلابی دل ودماغ کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں تحریک میں تیزی آئے مشن گھر گھر پہنچے اور جو کان اس آوازہ حق سے ناآشنا ہیں وہ بھی اس سے آشنا ہو جائیں اور کوئی فرد ایسا نہ رہے جو مشن کے انقلابی پیغام سے بے خبر ہو اس کے لئے وہ دن رات جدوجہد کرتے ہیں اپنوں اور بیگانوں تک رسائی حاصل کر کے انہیں ہم نوا بنا کر تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں بعض اوقات سرپھروں سے بھی پالا پڑتا ہے جو ڈھب سے جواب دینے کی بجائے بدتمیزی پر بھی اتر آتے ہیں مگر مخلص کارکن اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اپنا مشن جاری رکھتے ہیں۔ بلکہ اگر علم ہو کہ رد عمل شدید ہو گا اور مخالف مرنے مارنے پر اتر آئے گا تو بھی وہ آوازۂ حق ان کے کانوں تک پہنچانے سے گریز نہیں کرتے اور انجام سے بے نیاز ہو کر حق تبلیغ ادا کر کے قرب ربانی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے ہی انقلابی لوگ تھے جنہوں نے یہی مجاہدانہ اور پر جلال کردار ادا کیا جسے سن کر آج بھی جواں رگوں میں گرم خون دوڑنے لگ جاتا ہے۔

(الف) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ!

دل چاہتا ہے کہ ہم اپنے دینی شعار کا کھل کر پرچار کریں آپ ہمارے ساتھ حرم شریف میں تشریف لے چلیں میں سب کے سامنے دین کی باتیں کروں گا۔ انہیں

پیغام حق سناؤں گا اور اسلام میں شمولیت کی دعوت دوں گا۔ حضور ﷺ قائد تھے آپ کی نظر تمام نشیب و فراز پر تھی اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تم جانتے ہو ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے جوش کی بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے عجلت مناسب نہیں اس کا نتیجہ بے وقت تصادم کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے اس لئے احتیاط لازم ہے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت قائد نہیں کارکن تھے۔ ان کا دل جوش و جذبے سے بھرا ہوا تھا۔ آپ اس کا اظہار چاہتے تھے تاکہ حق کی دعوت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے۔ انہیں اپنی پرواہ نہیں تھی اس لئے تمام اندیشوں سے بے نیاز ہو کر اصرار کیا کہ آقا حرم شریف میں چلیں آج ان کے سامنے انقلاب کا پیغام پہنچ جانا چاہیے ممکن ہے کسی کو ہدایت نصیب ہو جائے اور جب اڑتیں افراد کا یہ حق پرست دین پسند اور انقلابی گروہ حرم شریف میں پہنچا تو

قام ابوبکر فی الناس خطیبا، ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس،
فکان اول خطیب دعا الی اللہ والی رسولہ

(البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر، ۳ : ۳۰)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خطاب حق کے لئے کھڑے ہو گئے پاس ہی حضور ﷺ بھی بیٹھے ہوئے تھے یہ پہلے خطیب تھے جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین برحق کی طرف بلایا۔

جونہی یہ آوازہ حق ان بدبخت لوگوں کے کانوں تک پہنچا تو وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ باطل نوازی اور بت پرستی کے مقابلے میں ایک نئے دین 'صراط مستقیم' راہ ہدایت دنیا و آخرت کی فلاح' ابدی کامیابی و کامرانی' فردوسی نغمات کا ذکر اور خدا اور رسول پر ایمان نہ لانے کی صورت میں جہنم کے ہوشربا عذاب کی بات سنتے ہی بھڑ گئے ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی آپے سے باہر ہو کر اٹھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے بدبخت عتبہ نے تو حد کر دی۔ آپ کی ناک مبارک پر متواتر ضربیں لگائیں جس سے آپ بے ہوش ہو گئے پورا جسم زخموں سے چور اور نڈھال ہو گیا۔ آخر اس زیادتی پر ان کے

اپنے خاندان کا خون کھول اٹھا بنو تمیم آگے بڑھے اور عتبہ کو دھکیل کر پرے کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر لائے اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

بے ہوشی اتنی گہری اور چوٹیں اتنی زیادہ تھیں کہ جانبر ہونے کی امید نہ رہی یہ صورت حال دیکھ کر دینی حوالے سے آپ کے مخالف ہونے کے باوجود بنو تمیم حرم شریف میں گئے اور بہانگ دہل اعلان کر دیا کہ عتبہ نے انہیں دماغ پر ضربیں لگائی ہیں انہیں شدید چوٹیں آئی ہیں بچنے کی امید نہیں یاد رکھو اگر ابو بکر انتقال کر گئے تو ہم قصاص میں عتبہ کو قتل کر دیں گے۔ خاندانی لحاظ سے سب کے دلوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ وہ وقتی طور پر مخالفت بھول گئے اور دل و جان سے انہیں ہوش میں لانے اور بچانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ آپ سارا دن بے ہوش رہے۔ شام ڈھلے ہوش آیا تو جو بات سب سے پہلے منہ سے نکلی وہ یہ تھی **مافعل رسول اللہ** ﷺ ؟ میرے رسول کریم کا کیا حال ہے؟

جب قوم کے لوگوں نے ان کے منہ سے اس حال میں حضور ﷺ کا نام سنا تو غصے سے لال پیلے ہو گئے بولے: ہم تو ان کی خاطر پوری قوم سے ٹکرلے رہے ہیں اور یہ پھر اپنے رسول ہی کا نام لئے جا رہے ہیں وہ ناراض ہو کر سخت سست کہتے چلے گئے اور ان کی والدہ کو ہدایات دے گئے کہ ان کا خیال رکھے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ماں اکیلی رہ گئی ہے تو ان سے بھی یہی سوال کیا: وہ بولی: بیٹے مجھے ان کا کچھ پتہ نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خطاب کی بیٹی فاطمہ کو تمام حالات سے آگاہی ہو گی ان کے پاس جا کر معلومات لے کر آؤ! ماں گئی مگر حضرت ام جمیل بالکل اجنبی بن گئیں جیسے کچھ جانتی ہی نہیں حالات ہی ایسے تھے۔ جب ماں واپس جانے لگی تو ام جمیل فاطمہ نے کہا:

اگر تم پسند کرو تو میں بھی تمہارے ساتھ جا کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مزاج پرسی کرلوں؟

مقصود یہ تھا کہ انہیں براہ راست سب کچھ بتادوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی

والدہ نے رضامندی ظاہر کر دی گھر آ کر جب انہوں نے حضرت ابوبکر کی بگڑی ہوئی حالت دیکھی تو آبدیدہ ہو گئیں اور دکھ بھرے لہجے میں بولیں:

واللہ ان قوما نالوا هذا منك لاهل فسق وكفر وانى لارجو ان ينتقم الله لك منهم

خدا کی قسم! جس قوم نے آپ کا یہ حشر کیا ہے وہ ایک فاسق و فاجر اور کافر قوم ہے اور میں امید کرتی ہوں ایسی ظالم قوم سے اللہ تعالیٰ ضرور انتقام لے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کسی اور طرف توجہ ہی نہیں تھی انہوں نے پھر وہی بات دہرائی۔ میرے آقا ﷺ کا حال بتاؤ! وہ کہاں اور کیسے ہیں؟ حضرت ام جمیل نے کہا: آپ کی والدہ موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تسلی دی کہ ان سے کوئی خطرہ نہیں جو بات بھی ہے وہ بے دھڑک کہہ دو۔ ام جمیل نے بتایا: حضور ﷺ بالکل خیریت سے ہیں اور مصطفوی انقلاب کے مرکز دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا: انہیں دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا جیسے بھی ممکن ہو مجھے وہاں لے چلو مجھے کھانے پینے کی کوئی حاجت نہیں، میرے درد کا درماں، بیماری کا علاج، میرے دکھ کا مداوا صرف حضور ﷺ کا دیدار ہے جب میں سرکار ﷺ کو دیکھ لوں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔

دونوں خواتین نے وعدہ کیا کہ وہ آپ کو محبوب کبریا ﷺ کے دربار میں لے جائیں گی۔ جب گلی کوچوں میں آمد و رفت کم ہو گئی اور لوگ سو گئے تو ان دونوں نے آپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور حضور ﷺ کے دربار میں لے آئیں۔

فاكب عليه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقبله واكب عليه المسلمون، ورق له رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، رقة شديدة

پس آپ ﷺ اپنے عاشق زار پر جھک کر اسکے بوسے لینے لگے تمام مسلمان بھی ان کی طرف لپکے ان کو زخمی حالت دیکھ کر آپ ﷺ پر بڑی رقت طاری ہوئی۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سید دو عالم ﷺ کو مغموم دیکھا تو تسلی کے لئے عرض کی:

بابی وامی یارسول صلی اللہ علیہ وسلم، لیس بی باس، الا مانال الفاسق من وجھی

میرے ماں باپ قربان یارسول اللہ! آپ فکر مند نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں البتہ اس فاسق نے چہرے پر ضربیں لگائی ہیں صرف ان کی وجہ سے تکلیف ہے میں انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی ماں کا بہت خیال اور ان کی خدمات کا اعتراف تھا۔ وہ جانتے تھے محرم راز ہیں اور مخالف دینی ہونے کے باوجود بیٹے کی بات کسی کو نہیں بتاتیں اس لئے ازراہِ شفقت حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی:

هذه امی برة، بولدها، وانت مبارك، فادعها الى الله وادع الله لها، عسى الله ان يستنقذها بك من النار

یہ میری امی برہ اپنے بیٹے کو لے کر آئی ہیں، حضور آپ کی ذات بڑی برکت والی ہے، آپ اسے اللہ کی طرف بلائیں اور اس کے ایمان کے لئے بارگاہِ خداوندی میں بھی دعا کریں، ہو سکتا ہے آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ اسے آگ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دے۔

فدعا لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعاها الى الله، فاسلمت

(البداية والنهاية . ۳ : ۳۰)

پس حضور ﷺ نے اس کے لئے دعا کی اور اسے ایمان قبول کرنے کی دعوت بھی دی وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

(البدایہ والنھایہ لابن کثیر، ۳:۳۰)

(ب) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جانبازوں اور سرفروشوں کے ایسے ہی گروہ سے

تعلق رکھتے تھے ان کا مشن اور ذوق نظریہ تھا کہ جس بات کو حق سمجھو اسے دوسروں تک ضرور پہنچاؤ خواہ دوسروں کو وہ بات بری ہی لگے۔

جب انہیں پتہ چلا کہ مکہ مکرمہ میں ہدایت حق کا آفتاب طلوع ہو گیا ہے اور اس کی کرنیں اطراف عالم کو منور کرنے لگی ہیں تو آپ نے اپنے بھائی کو بھیجا تاکہ حالات معلوم کر کے آئے مگر بھائی نے واپس جا کر جو رپورٹ دی وہ ادھوری مبہم اور بالکل غیر تسلی بخش تھی۔ اس لئے آپ نے خود دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر سب کچھ جاننے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ سفر کی مشقتیں جھیلتے اور آلام و مصائب برداشت کرتے جب مکہ مکرمہ پہنچے اور حرم شریف میں آئے۔ چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا وہ ہستی نظر نہ آئی جو قرار دل و جاں تھی اور قلب و نظر کو جس کی تلاش تھی۔ کسی سے پوچھنا خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ آج کل ان لوگوں کی نظروں میں یہ جرم سب سے زیادہ سنگین اور ناقابل معافی تھا اس لئے انتظار میں بیٹھ گئے کہ جب وہ سورج طلوع ہو گا تو انوار خود بتا دیں گے کہ آنے والے آ گئے ہیں۔ مگر وہ منتظر ہی رہے سارا دن بیت گیا لیکن اس "جان تمنا" کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

شام ڈھلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حرم شریف کے اس مسافر حق کو دیکھا اجنبی سمجھ کر قریب آئے اور اخلاقاً پیش کش کی۔ آپ نو وارد لگتے ہیں اگر یہاں ٹھہرنے اور رات گذارنے کا بندوبست نہ ہو تو میرے پاس تشریف لے چلیں اور رات گذار لیں صبح اطمینان سے اپنی منزل تلاش کر لیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ساتھ چل دیئے ماحول میں بے تکلفی پیدا نہ ہو سکی۔ دونوں طرف خاموشی ہی رہی اور بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی ضیافت کا لطف اٹھایا اور صبح پھر حرم شریف میں آ گئے سارا دن گذر گیا مگر وہ رخ زیبا آج پھر نظر نہ آیا۔ جو دیکھا ہوا نہیں تھا مگر دل کہتا تھا جونہی اسے دیکھا فوراً پہچان لوں گا کہ یہی میرا محبوب اور "متاع دنیا و دین" ہے۔

شام ڈھلے جب حضرت علی کا گذر پھر اسی جگہ سے ہوا تو دیکھا "مسافر شب" وہیں ہے قریب آئے اور فرمایا: ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسافر کو ابھی اپنا مطلوب آدمی

نہیں ملا میں رات بسر کرنے کے لئے پھر اپنے گھر کی پیشکش کرتا ہوں، صبح ڈھونڈ کر اس کے پاس چلے جائیں۔ یہ دوسری رات بھی سیدنا علی کی معیت میں اسی طرح بیت گئی اور پھر تیسرا دن بھی حرم شریف میں اسی طرح گذر گیا اس رات پھر حضرت علی انہیں اپنے گھر لے آئے اور فرمایا میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ کی آمد معنی خیز ہے۔ آپ مجھے اپنے اعتماد میں لیں اور بتائیں بات کیا ہے؟ حضرت ابوذر نے عرض کی: میں دراصل اس ہستی سے ملنے کے لئے آیا ہوں جس سے ملنا مکے والوں نے جرم قرار دے دیا ہے لیکن وہ محبوب ہستی مجھے تین دن سے نظر نہیں آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بشارت دی کہ اب آپ کی آرزو پوری ہو جائے گی میں کل ان کے ہاں حاضری دوں گا آپ میرے پیچھے پیچھے آتے رہیں۔ اگر میں خطرہ محسوس کروں گا تو بیٹھ جاؤں گا ورنہ چلتا رہوں گا جس گھر میں جاؤں آپ بھی اس میں بے دھڑک داخل ہو جائیں وہ ہمارا خفیہ تربیتی مرکز ہے وہاں اس "جان جاناں" کی زیارت ہو جائے گی۔ حضرت ابوذر کے دل کا کنول کھل اٹھا کہ ان کا میزبان خود ان کا راہنما اور ہمراز نکلا تھا۔ صبح وہ محتاط انداز سے ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ جب مصطفوی انقلاب کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچے تو دنگ رہ گئے۔ وہاں تحریکی ساتھی کثرت سے موجود تھے اور عزم و یقین کے نور سے ان کے جواں چہرے دمک رہے تھے۔ حضور ﷺ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا اور حکم دیا کہ سردست اپنے گھر واپس چلے جائیں کسی کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار نہ کریں کیونکہ یہاں کے حالات غیر یقینی اور پر خطر ہیں۔ جسم و جاں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جس انقلابی ذوق اور مشرب کے مالک تھے انہوں نے اس کے اظہار میں کسی رسمی تکلف اور ہچکچاہٹ کی ضرورت محسوس نہ کی اور برملا اپنا پروگرام پیش کر دیا کہ یا رسول اللہ!

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

والذی بعثك بالحق لاصرخن بها بین ظهرانیهم — خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے میں تو انہیں یہ

پیغام حق مجمع عام میں سناؤں گا۔

اور پھر وہ کسی ڈر خوف اور جان و مال کے نقصان کے اندیشے کے بغیر بڑی جرأت سے حرم شریف میں پہنچ گئے۔ صنادید قریش کا مجمع لگا ہوا تھا۔ یہ وہ فتنہ پرور لوگ تھے جنہوں نے مصطفوی تحریک کو دبانے کے لئے اعلانیہ کردار کشی کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا آنے والوں کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوششیں کرتے کہ وہ کاہن' جادوگر' مجنون یا شاعر ہے ان کے قریب مت جاؤ ورنہ وہ ایسا جادو ڈالے گا کہ تم تمام روایات کہنہ سے بیزار ہو کر اسی کے ہو کر رہ جاؤ گے لیکن ان کی طرف سے ان تمام مذموم کوششوں کے باوجود جو سعادت منداور ازلی خوش بخت لوگ یہ کلمہ پڑھ لیتے انہیں یہ لوگ بخشنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ کوئی ایسا ظلم نہ چھوڑتے جو اس کی جان ناتواں پر نہ توڑتے ہوں۔

حضرت ابوذر ان کے سر پر جادھمکے اور بلند آواز سے حضور کی غلامی کا اقرار کیا۔ عاشق شوریدہ سر کی زباں حق ترجمان سے یہ نغمہ مستانہ سن کر اہل حلقہ غضبناک ہو گئے۔ پھر نام نہاد مہذب معاشرے کے ان سربرآوردہ کرداروں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ اجنبی مسافر ہے۔ اسے معاف کر دیا جائے اور دین کو اس کا ذاتی معاملہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے۔ وہ وحشی جانوروں کی طرح اٹھے اور مکھیوں کے چھتے کی طرح چمٹ گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو لہولہان کر دیا۔ حضرت عباس نے ابوذر کو پہچان لیا آگے بڑھے اور انہیں پرے ہٹایا اور سمجھایا کہ اس شخص کو مارنا اتنا سستا سودا نہیں ہے' یہ قبیلہ غفار کا فرد ہے اور یہ قبیلہ تمہارے تجارتی قافلوں کی راہ میں آباد ہے۔ اگر تم نے اسے مار دیا تو یاد رکھو تمہاری تجارت کی راہیں مسدود ہو جائیں گی اور تم بھوکے مرنے لگو گے بات ان کی سمجھ میں آگئی انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ واقعی جو نشہ چڑھا تھا وہ اس ترشی سے نہ اترا وہ دوسرے دن پھر حرم شریف میں آگئے اور گذشتہ روز کی طرح پھر اپنے دین و ایمان مشن اور پیغام کا برملا اعلان کیا۔ وہ پھر خونخوار ڈیموں بن گئے۔ اور اپنے ڈنگ کا زہر ان کے جسم میں اتارنا شروع کر دیا۔ حضرت عباس نے از

سرزنش سمجھایا کہ۔ آپ لوگ کوئی خطرناک غلطی مت کریں ورنہ قبیلہ غفار تم کو کبھی معاف نہیں کرے گا اور آپ کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ یہ دھمکی پھر کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ مگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کردیا کہ وہ مشن اور تحریک کے نڈر کارکن اور ہر قسم کے خطرات مول لے کر مشن کا پیغام دوسروں تک پہنچانے والے جانباز ساتھیوں میں سے ہیں چنانچہ وہ بے خطر پیغام حق کو برملا اہل مکہ کے سامنے سناتے رہے۔

(البدایہ والنھایہ لابن کثیر' ۳؛ ۳۴)

(ج) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی ذہن' ذوق اور جذبہ کے مالک تھے۔ ظاہری ہیئت کے اعتبار سے کمزور اور ناتواں شخص تھے۔ مگر ایمان قوی اور جذبہ جواں تھا انقلابی ذہن کے ساتھیوں نے آپس میں بات کی۔ "ابھی تک قریش کے کانوں تک قرآنی آیات نہیں پہنچیں وہ پہلے ہی کان بند کر لیتے ہیں اور سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ خود بھی بدظن ہیں اور دوسروں کو بھی بدظن کرتے ہیں۔ اگر صورت حال یونہی رہی اور قرآنی فصاحت و بلاغت ان کے کانوں تک نہ پہنچی تو انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہ اتنا مئوثر اور بلیغ کلام ہے اس لئے اتمام حجت ضروری ہے۔ یہ کلام ان تک پہنچنا چاہئے۔ مگر یہ کام خطرے سے خالی نہیں۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا: "یہ خدمت میں انجام دوں گا" دوستوں نے ان کے جذبے کو سراہا مگر اس پیشکش کو قبول نہ کیا کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہاں کوئی برادری نہیں تھی۔ اس قسم کے بے یار و مددگار شخص کو بالکل جان سے مار دینے کے قوی امکانات تھے۔ کیونکہ مزاحمت کا کوئی خوف نہیں تھا۔

مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور بضد رہے کہ اس سعادت کے حصول کا انہیں ضرور موقعہ فراہم کیا جائے اور دین و مشن کی اس اعلیٰ خدمت سے محروم نہ رکھا جائے۔ ساتھی مجبور ہو گئے اور انہیں اجازت دے دی۔ حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ بڑے عزم و حوصلہ کے ساتھ حرم شریف میں پہنچے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو گئے اور سورہ الرحمان کی تلاوت شروع کر دی مضمون بڑا معنی خیز عبارت بڑی پر شکوہ اور آواز بڑی پر سوز تھی وہ ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور جملوں کی ساخت اور معانی کی بلندی پر غور کرنے لگے فصاحت و بلاغت سے بے حد متاثر ہوئے۔ ایسا کلام انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا وہ حیران رہ گئے اور بولے: غور سے سنو! یہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ اچانک ان کی چھٹی حس بیدار ہوئی انہیں خیال آیا یہ تو وہ کلام پڑھ رہا ہے۔ جس کے بارے میں محمد (ﷺ) کا دعوی ہے کہ ان پر یہ نازل ہوتا ہے۔ ان کے گمان میں یہ ان کی شدید ترین توہین تھی وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے۔ ابو جہل نے تھپڑ مار کر ان کا کان لہولہان کر دیا' چوٹیں کھا کر' جسم کو سہلاتے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ "دار ارقم" میں آ گئے انہیں زخمی دیکھ کر حضور سید کونین ﷺ بھی مغموم ہو گئے مگر جبریل امین مسکراتے ہوئے آئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ "آج ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابو جہل نے زخمی کیا ہے لیکن وہ دن آنے والے ہے جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

(محمد رسول اللہ' محمد رضا' ۱۰۴)

○

باب۔٦

مصطفوی تحریک کے حاسدین و منحرفین

پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں جہاں تحریک اسلامی اور مصطفوی انقلاب کو سابقین واولین جیسے مجاہد و جانباز مخلص اور وفاشعار کارکن میسر آئے وہاں اس سے خار کھانے اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی خواہش رکھنے والے حاسدین بھی پیدا ہو گئے تھے۔ جو مشن کی صداقت اور تحریک کی عظمت کو پہچانتے تھے۔ انہیں علم تھا باطل کے خلاف انقلاب کی یہ راہ سو فیصد درست اور صداقت پر مبنی ہے۔ اس کی حقانیت میں کوئی کلام نہیں مگر وہ پھر بھی اس کا ساتھ دینے اور اس قافلے میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ وجہ یہ کہ اس نوعیت کا اعزاز وہ اپنی ذات کے لئے چاہتے تھے، آس لگائے بیٹھے تھے کہ قدرت اس منصب کے لئے انہیں چن لے گی اور تاج نبوت ان کے سر پر سجادے گی۔ مگر قدرت کے کام عجیب اور نرالے ہیں اس کے فیصلے اپنے ہیں۔ کسی کو ان میں مداخلت کی جرأت واجازت نہیں وہ "**فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ**" ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے چاہتا ہے کسی اعزاز واکرام اور اونچے منصب کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انتخاب پر زبان طعن دراز کرے یا اسے ناپسند کرتے ہوئے حرف گیری کرے **وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** "اور اللہ تعالیٰ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے"

جب ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور نبوت کے تخت زریں پر قدرت نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو بٹھا دیا تو یہ حسد کی آگ میں جل بھن گئے۔ عداوت پر کمر باندھ لی اور مخالفت کو پیشہ بنا لیا

اس قماش اور ذہن کے لوگوں میں سے ایک شخص امیہ بن ابی الصلت تھا۔ دور جاہلیت کی پیداوار یہ شخص اس بے لگام ماحول میں بھی الگ تھلگ ذہن مختلف

نظریات اور عمدہ خصائل کا مالک انسان تھا۔ زاہدانہ اور پرہیزگار طبیعت پائی تھی اس لئے کروفر سے بچنے کے لئے ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا۔ عام حالات میں سادہ سے کالے لباس میں ملبوس رہتا تھا۔ جب سے اسے یہ پتہ چلا تھا کہ ایک عظیم نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کی بعثت و تشریف آوری کا زمانہ بالکل قریب ہے، خود کو بہت پرہیزگار سمجھنے کی وجہ سے یہ نبوت کا امیدوار بن بیٹھا تھا۔ اپنی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اسے سو فیصد یقین تھا کہ عرب کے پورے خطے میں اس سے زیادہ نیک سیرت' خوش خصال' ہمدرد و غمگسار اور انسانی تقاضوں کو پورا کرنے والا اور کوئی نہیں اس لئے نبوت کا سب سے زیادہ مستحق بھی وہی ہے

اسی وثوق اور یقین کی بنا پر اس نے بڑے فخر و اعتماد کے ساتھ اپنے قبیلہ ثقیف کی عورتوں کو بہت پہلے سے یہ بتانا شروع کیا ہوا تھا کہ اس دور کا نبی وہ ہے اور بہت جلد اسے اس منصب پر فائز کر دیا جائے گا۔ ابھی حضور ﷺ نے دعوائے نبوت نہیں فرمایا تھا انہی دنوں کی بات ہے کہ ابو سفیان اور امیہ تجارتی سفر پر روانہ ہوئے اور ملک شام پہنچے شام کے راہب امیہ کو خوب پہچانتے تھے اس لئے انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اپنے گرجا میں لے گئے دوپہر کو واپس آیا اور اس نے اپنا کالا لباس پہنا' اور ابو سفیان سے کہا: یہاں ایک بہت بڑا عالم راہب رہتا ہے اگر کچھ پوچھنا ہو تو میرے ساتھ چلو وہ تمہارے ہر سوال کا جواب دے گا۔

لیکن ابو سفیان نے معذرت کی اور امیہ اکیلا چلا گیا۔ سارا دن غائب رہا رات گئے واپس آیا تو بالکل گم صم اور چپ چاپ تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ ساری رات جاگتا رہا نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔

صبح کوچ تھا قافلہ پھر سفر پر روانہ ہو گیا پڑاؤ بھی ہوتا رہا اور سفر بھی اسی طرح دو راتیں گذر گئیں مگر امیہ بدستور اپنی ذہنی کشمکش میں مبتلا اور تفکرات میں غلطاں رہا۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کہاں جا رہا ہے؟ ایک بت کی

طرح گم صم ساتھ چلا جا رہا تھا آخر ابو سفیان سے نہ رہا گیا بولا:

آخر تمہیں کس چیز کی فکر ہے جو اتنے اداس فکرمند اور دنیا جہاں سے بیزار بیٹھے ہو؟ امیہ نے کہا: مجھے اپنے انجام کی فکر ہے ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے جو اعمال کرتے ہیں ان کا محاسبہ ہو گا مجھے اسی فکر نے پریشان کیا ہوا ہے۔

ابو سفیان یہ سن کر دنگ رہ گیا اس کے لئے یہ انوکھی اور ناقابل یقین بات تھی اس نے حیرت کے عالم میں پوچھا: کیا ہمارا حساب کتاب ہو گا؟ امیہ نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا: ہاں اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ابو سفیان نے امیہ سے کہا: تمہیں تفکرات سے چھڑانے کے لئے ایک بات کہوں؟ امیہ نے جواب دیا: ضرور کہو! ابو سفیان نے عرب کے فخریہ لہجے میں کہا: تم میری امان قبول کر لو اور میری پناہ میں آجاؤ اور بے فکر ہو جاؤ کسی کی مجال نہیں کہ تمہارا حساب لے سکے۔

یہ سن کر امیہ ہنسنے لگا جانتا تھا یہ مجذوب کی بڑ ہے اس بیچارے کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ایک اور جہاں بھی ہے جہاں سب کو پہنچنا ہے اور حساب کتاب کے بعد جنت یا جہنم کو ٹھکانا بنانا ہے۔ سفر پھر شروع ہو گیا یہ لوگ دمشق پہنچ گئے اور وہاں دو مہینے قیام پذیر رہے اور اپنا سامان تجارت فروخت کرنے میں لگے رہے۔

وہاں کے راہبوں کو جب پتہ چلا کہ امیہ آیا ہے تو وہ بھی اس کے پاس پہنچ گئے اور ساتھ لے گئے وہاں سے واپس آیا تو اپنا مخصوص کالا لباس پہن کر بڑے پادری کے پاس چلا گیا اور پھر سارا دن غائب رہا۔

ابو سفیان کا بیان ہے کہ رات گئے واپس آیا اور بے سدھ ہو کر دھڑام سے اپنے بستر پر جا گرا اور رات اسی بے چینی کے عالم میں گذار دی۔ صبح کے وقت ابو سفیان سے مخاطب ہوا۔ تم عرب کے باشندوں سے بخوبی واقف ہو یہ تو بتاؤ کہ عتبہ بن ربیعہ کیسا ہے؟

ابو سفیان نے جواب دیا: بڑا ہی دیانت دار' لجپال اور غریب پرور قسم کا انسان

ہے اچھا یہ بتاؤ وہ مالی لحاظ سے کیسا ہے غریب ہے یا دولت مند؟ خاصا کھاتا پیتا مالدار انسان ہے ابوسفیان نے جواب دیا۔ آخری بات ایک اور ہے وہ بھی بتاؤ اس کی عمر کتنی ہے؟ ابوسفیان نے اسے بتایا۔ وہ تقریباً ستر سال کا ہے۔ اس پر امیہ کہنے لگا ان آخری دو باتوں نے اسے بدنصیب بنا دیا ہے۔"بلکہ دولت اور عمر نے تو اسے معزز بنا دیا ہے"
ابوسفیان نے تعجب سے کہا تم یہ بات نہیں سمجھو گے ـــــ میری مراد کچھ اور ہے جب گفتگو چل نکلی تو امیہ نے اسے بتایا: میں راہب کے پاس گرجا میں نبی منتظر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے گیا تھا اس نے نبی آخرالزمان ﷺ کی علامات بیان کرتے ہوئے کہا:

ایک تو وہ اس شہر میں پیدا ہوں گے جہاں لوگ حج کے لئے جاتے ہیں وہ جوان عمر ہوں گے اور ان کا تعلق قبیلہ قریش سے ہو گا۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میری کمر ٹوٹ گئی۔

فاصابنی شیئ ما اصابنی مثلہ، اذ خرج من یدی فوز الدنیا والآخرة، وکنت ارجو ان اکون انا ھو

(الوفا باحوال المصطفی : ۵۳)

مجھے اتنا صدمہ کبھی بھی نہیں پہنچا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ دنیا و آخرت کی کامیابی میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے' میں امید رکھتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔

بعد میں مجھے خیال آیا کہ یہ صفات تو عتبہ بن ربیعہ میں پائی جاتی ہیں ممکن ہے اسے یہ نعمت مل جائے مگر تم نے بتایا کہ وہ خاصا مالدار آدمی ہے اور بوڑھا ہو چکا ہے جبکہ نبی آخرالزمان ﷺ کے بارے میں ہے وہ بظاہر مالدار نہیں ہوں گے اور ان کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہو گی۔

نبی آخرالزماں ﷺ ہی کے بارے میں باتیں کرتے یہ لوگ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے۔ امیہ اپنے شہر طائف میں چلا گیا اور ابوسفیان نے کاروبار کے سلسلے میں

ملک حبشہ کی راہ لی جہاں اسے پانچ مہینے لگ گئے پھر یہ ادھر سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچا رشتہ دار احباب ملنے کے لئے آنے لگے' جن لوگوں نے مال تجارت میں حصہ ڈالا ہوا تھا ان کا تانتا لگ گیا وہ آتے اور اپنا حصہ وصول کر کے چلے جاتے۔

ایک روز حضور نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے ابو سفیان کی خیریت دریافت کی کچھ دیر بیٹھے اور پھر کچھ کہے بغیر واپس تشریف لے گئے۔ ابو سفیان دنگ رہ گیا اپنی بیوی ہندہ سے کہنے لگا۔ یہ نوجوان بھی عجیب ہے جس کی سیر چشمی اور بے نیازی کی کوئی مثال ہی نہیں سب لوگ اپنے اپنے حصے کی رقمیں وصول کرنے کے لئے آتے رہے ہیں مگر اس نے رقم کے بارے میں ایک لفظ تک منہ سے نہیں نکالا حالانکہ اس کا مال تجارت بھی میرے ساتھ تھا۔

تمہیں محمد ﷺ کے بارے میں ایک خاص بات معلوم نہیں؟ ہندہ نے کہا۔ ابو سفیان کے کان کھڑے ہو گئے بتاؤ کیا خاص بات ہے۔ تمہاری غیر حاضری میں محمد (ﷺ) نے اپنے شہر میں یہ دعوی کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے ان کو اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ابو سفیان سناٹے میں آ گیا وہ سیدھا امیہ کے پاس طائف پہنچا' اور کہا! تمہیں یاد ہے ملک شام کے راہب نے ایک پیش گوئی کی تھی وہ پوری ہو گئی مکہ مکرمہ میں نبی مبعوث ہو گیا ہے۔ امیہ نے کہا۔ جلدی سے بتاؤ! وہ دعوائے نبوت کرنے والا کون ہے؟ ابو سفیان نے جواب دیا ہمارے شہر کا ایک معزز شخص "محمد بن عبد اللہ"

یہ اسم گرامی سن کر امیہ کے پسینے چھوٹ گئے کیونکہ آپ ﷺ میں راہب کی بتائی ہوئی تمام نشانیاں موجود تھیں۔ کیا اب تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ گے؟ ابو سفیان نے پوچھا۔

میں اپنے قبیلے ثقیف کے سوا کسی اور قبیلے کے نبی پر ایمان نہیں لا سکتا خواہ وہ سچا ہی ہو۔ امیہ نے اپنا دو ٹوک فیصلہ سنا دیا اور اپنی قسمت پر خود ہی بد بختی کی مہر ثبت کر لی۔

(الوفاء لابن جوزی: ۵۴)
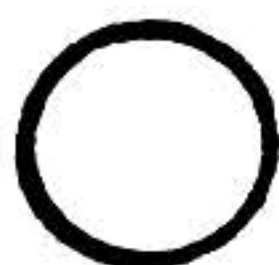
باب۔ ۷

باطل طاغوتی طاقتیں مصطفوی تحریک
کی زد میں

طاغوت شیطان کو کہتے ہیں نیز سرکش جنات' بھوت پریت اسی طرح استیصالی نظام کے موجد' نااہل اربابِ اقتدار' جاہل اور گنوار حکمران اور مکار و دغاباز لوگ سب اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ نااہل' جاہل اور عیار ہونے کے باعث براہ راست شیطانی نمائندے ہوتے ہیں۔ یہ اپنی جہالت نااہلی اور استعداد کار کے فقدان کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی اپنی خامیوں اور کمزوریوں پر شرماتے ہیں بلکہ نہایت ڈھٹائی سے ان لوگوں کو معاشرے میں دبا کر رکھتے ہیں جو صلاحیت اور کردار میں ان سے بہتر ہوں۔ تاکہ قابل ترین لوگ سامنے نہ آنے پائیں اور عوام ان کی خداداد صلاحیتوں سے واقف نہ ہوں اور ان کی اپنی نااہلی بے علمی اور جہالت پر پردہ پڑا رہے۔

دور جاہلیت میں باطل طاغوتی طاقتوں نے یہی کردار اپنایا ہوا تھا وہ مجبور و معذور اور سادہ لوح انسانوں کی بے خبری سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے اس دور کے لوگ خدا ناآشنا ہونے کے باعث ہر در اور چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو جاتے تھے وجہ یہ کہ یہ ناآشنائی اپنی جگہ سب سے بڑی کمزوری ہے جو انسان سے حوصلہ مندی جرأت اور توکل و اعتماد کی ساری قدریں چھین لیتی ہے پھر وہ اپنے خدا سے بیگانہ ہو کر ہر سانپ' بچھو' آگ پانی' ظالم' سرکش اور طاغوت سے ڈرتا ہے اور اس کی پوجا کرنے اور اس کی پناہ لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس خدا پر ایمان اتنی بڑی طاقت ہے جو اسے ہر باطل طاقت سے ٹکرانے کا حوصلہ عطا کر دیتی ہے اور غیروں کے آگے جھکنے سے بھی روکتی ہے۔ بقول اقبالؒ

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

وہ خود فراموش و خدا فراموش لوگ جنہیں پتہ ہی نہیں تھا خدا کون ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اور وہ کن شانوں اور قوتوں کا مالک ہے؟ وہ اس خدا فراموشی کی پوری پوری سزا بھگت رہے تھے اس بے خبری نے انہیں بالکل بزدل بنا کر رکھ دیا تھا وہ جب صحرا جنگل یا ریگستان میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے اور ماحول ان پر ہول طاری کر دیتا تو وہ اس موقعہ پر خود کو جنات کے سپرد کرتے اور بلند آواز سے کہتے۔

اعوذ باللہ بعظیم هذا الوادی — اس وادی کا جو سردار جن ہے میں خود کو اس کی پناہ میں دیتا ہوں۔

جاہل لوگوں کے اس طرز عمل نے سرکش جنوں کو بہت مغرور بنا دیا ہوا تھا۔ انسانوں کی اس نادانی اعتقادی کمزوری اور خدا ناشناسی نے انہیں اس گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ واقعی بہت بڑی طاقت ہیں کہ انسانوں جیسی مخلوق بھی ان کی پناہ میں آنا پسند کرتی ہے۔ چنانچہ جنات کی اس نفسیاتی کیفیت کو قرآن پاک نے سورہ جن میں یوں بیان فرمایا ہے۔

اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (الجن، ۷۲: ۶)

بے شک انسانوں کے افراد جنات سے پناہ دینے کا سوال کیا کرتے تھے۔ اس چیز نے جنات کو اور زیادہ سرکش و مغرور بنا دیا تھا۔

اس کی ایک نمائندہ مثال حضرت تمیم داری کا واقعہ ہے وہ بعثت کے ایام میں کاروباری سلسلے میں بیرون ملک گئے ہوئے تھے انہیں ایک بیابان میں رات آگئی انہوں نے اس دور کے دستور اور اپنی سمجھ کے مطابق بلند آواز سے کہا:

انا فی جوار عظیم هذا الوادی — میں آج رات اس وادی کے بڑے جن کی پناہ میں ہوں۔

حضرت تمیم داری اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔

فلما اخذت مضجعی اذا منادیا ینادی لااراه عذبا لله، فان الجن لاتجیر احدا

جب میں اپنے بستر پر لیٹا تو اچانک میں نے کسی کی آواز سنی بولنے والا نظر نہیں آرہا تھا اے انسان! اللہ کی پناہ لے: کیونکہ جن کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

میں نے آواز دینے والے سے کہا: کھل کر بات کرو تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا:

قد خرج رسول الامیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلینا خلفہ بالحجون واسلمنا واتبعناہ وذھب کید الجن ورمیت بالشھب، فانطلق الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم

نبی امی تشریف لے آئے ہیں وہ اللہ کے سچے رسول ہیں ہم نے موضع حجون میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ان کی پیروی کر لی ہے اب جنات کے مکرو فریب کا تانا بانا بکھر گیا ہے۔ ان کے اقتدار کا دور ختم ہو گیا ہے اب تو ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں تو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے دربار میں چلا جا اور اسلام لے آ۔

یہ بات سن کر میرے دل میں اشتیاق اور تجسس پیدا ہو گیا میں دوسرے روز "دیر ایوب" میں گیا یہ ایک مشہور گرجا تھا اور وہاں ایک دانا راہب رہتا تھا اسے جا کر تمام صورت حال سے آگاہ کیا اس نے کہا:

صدقوک، نجدہ یخرج من الحرم ومھاجرہ الحرم وھو خیر الانبیاء فلاتسبق الیہ (السیرۃ الحلبیۃ ، ۱ : ۲۰۴)

جنات نے سب کچھ درست بتایا ہے ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ نبی حرم مکہ میں پیدا ہوں گے اور "حرم مدینہ" میں ہجرت کر کے تشریف لے جائیں گے وہ تمام انبیاء کرام سے افضل ہوں گے تم ان پر فوراً ایمان لے آؤ۔

اور بھی بہت سے لوگوں کو ایسے واقعات پیش آئے جنہیں اسی طرح تنبیہ کی گئی اور جنات کی پناہ میں آنے، ان کی بے معنی برتری تسلیم کرنے اور انہیں خواہ مخواہ خوشی فراہم کرنے سے روکا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ ان کا جبر و اقتدار مصنوعی ہے یہ

اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں اپنا حاکم و مقتدا اور ماوی و ملجا مانا جائے یہ حاکم اعلیٰ اور خالق حقیقی کی ادنیٰ اور حقیر سی مخلوق ہیں جن میں اپنی ذات کی حفاظت کی بھی قدرت نہیں۔ یہ دوسری مخلوق کو کیا تحفظ فراہم کر سکتے ہیں اس لئے محتاط ہو جاؤ اور ان سے پناہ کی درخواست مت کرو اس مالک حقیقی کی پناہ میں آؤ جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔

اس طرح جنات کی برتری اور طاقت کا طلسم پاش پاش کر دیا گیا ان کے اقتدار کا سورج ڈوب گیا اور مصطفوی انقلاب کے نتیجے میں ان کی پوجا پاٹ اور منت سماجت کا نظام درہم برہم ہو گیا انسان کے بچوں کو ہوش آ گیا۔

طاغوتی طاقتوں کی زبردستی کی حکومت اور اس حکومت کے ختم ہونے کا یہ ایک پہلو تھا ان کی باطل حکومت اور بے جا ظالمانہ تسلط کا ایک اور پہلو بھی تھا جو انہوں نے ایک نظام کی صورت میں جاری کیا ہوا تھا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہر طرف اس کا جال بچھایا ہوا تھا لوگوں کی سادہ لوحی اور نادانی سے فائدہ اٹھا کر انہیں زبردستی ایک نظر نہ آنے والے باطل اور جھوٹے نظام میں جکڑا ہوا تھا' جو بالکل بوگس اور بے حقیقت نظام تھا۔ مگر اسے اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ ذہین سے ذہین افراد کو بھی اس کی اصلیت کا پتہ نہیں چلتا تھا یہاں تک کہ جب صحابہ کرام کے سامنے اس کی اصلیت واضح کی گئی تو وہ حیرت سے بولے: اگر یہ ایک باطل اور جھوٹا نظام تھا تو اس کی بعض باتیں سچی کیسے ہو جاتی تھیں؟ اس نظام باطل اور کار بے حقیقت کا نام "کہانت" تھا جسے قرآن و حدیث کی روشنی میں قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں تاکہ اس کے اصلی خدوخال واضح ہوں اور پتہ چلے کہ یہ کیا تھا اور دیگر تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ مصطفوی انقلاب نے کس طرح اس کے پرخچے اڑائے اور ایک آتشیں سماوی نظام کے ساتھ اسے بری طرح پسپا اور بھسم کیا۔

کاہنوں کی حقیقت اور کہانت کا خاتمہ

اہل کتاب یہود و نصاری کے پاس علم کا ذریعہ ان کی کتابیں تھیں تورات و انجیل کے مندرجات انہیں مستقبل کی معلومات اور حقائق کائنات فراہم کرتے تھے جن

کی بدولت انہیں عام عرب باشندوں کے مقابلے میں بہت زیادہ معلومات حاصل تھیں اور وہ ان پر فخر بھی کرتے تھے اور مقامی باشندوں کو جاہل گردانتے ہوئے حقارت سے دیکھتے تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علاوہ ایک تیسرا طبقہ بھی تھا جنہیں علم و فراست کا دعویٰ تھا۔ اور یہ کاہنوں کا طبقہ تھا ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جو ان کے علم و فضل کا منبع ہو۔ مگر اس کے باوجود جو کچھ وہ کہتے تھے وہ بعض اوقات من و عن پورا ہو جاتا تھا۔ اسی چیز نے لوگوں کو ان کا گرویدہ اور حلقہ بگوش بنایا ہوا تھا۔

کاہنوں کی اس "کہانت" اور ہمہ دانی کے راز سے ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے پردہ اٹھایا اور فرمایا: **انھم لیسوا بشئی** یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ

انھم یحدثوننا أحیانا بالشيئ یکون حقا	یہ لوگ بعض اوقات ہمیں کوئی بات بتاتے ہیں اور وہ صحیح ثابت ہوتی ہے۔

یہ تھا معاشرے پر کاہنوں کا اثر جنہوں نے اچھے اچھے ذہنوں کو اپنے طلسماتی جبر میں جکڑا ہوا تھا ان کے سوچنے کی قوتوں کو مفلوج کیا ہوا تھا۔ نبوی فہم و فراست کے بغیر یہ راز سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا تھا اور نہ زبان نبوت کے بغیر اسے کوئی بیان کر سکتا تھا کیونکہ نہ کسی نگاہ میں اتنی بصارت تھی کہ اسے دیکھ سکے اور نہ کسی زبان میں اتنی طاقت تھی کہ اسے بیان کر سکے کیونکہ جانے بغیر بیان کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بتایا:

جنات پرواز کرتے ہوئے آسمان دنیا کے قریب پہنچ جاتے تھے اور وہاں گھات لگا کر بیٹھ جاتے تھے فرشتوں کی باتیں تسبیحات و مناجات کی آوازیں انہیں سنائی دیتیں یہ چپکے سے بیٹھے انہیں سنتے رہتے۔ قرآن پاک میں ان ہی کی زبانی یہ کیفیت یوں بیان کی گئی ہے۔

وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع (الجن، ۷۲ : ۹)	اور ہم باتیں سننے کے لئے وہاں جگہیں بنا کر بیٹھ جاتے تھے۔

آسمانی بادشاہت اور ربانی نظام کا اپنا ایک طریق کار ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو جو حاملین عرش فرشتے ہیں انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ فرماتے ہیں وہ اظہار بندگی کے لئے تسبیح پڑھتے ہیں۔ ان کی آواز قریبی آسمان والے سنتے ہیں اور وہ بھی ان کے ہمنوا بن جاتے ہیں ایک دوسرے سے سن سن کر تمام آسمان تسبیحات و تکبیرات سے گونج اٹھتے ہیں اور اپنے رب کی یاد اور ذکر میں لگ جاتے ہیں۔

جب سلسلہ تسبیحات ختم ہوتا ہے تو "حاملین عرش" قریبی آسمان والے فرشتوں کو رب کریم کے اعلیٰ فیصلہ سے آگاہ کرتے ہیں یہ فیصلہ سن کر اپنے قریبی آسمان والوں کو بتاتے ہیں اس طرح یہ تذکرہ پہلے آسمان کے فرشتوں تک آجاتا ہے۔ وہاں جب اس فیصلہ کی گونج پڑتی ہے تو گھات میں بیٹھے ہوئے جنات بھی وہ بات سن لیتے ہیں اور زمین پر آکر اپنے نمائندے کاہنوں کو بتا دیتے ہیں۔ کاہن عام لوگوں پر رعب جمانے کے لئے وہ بات ان کے سامنے بڑے شد ومد سے بیان کرتے ہیں اور اس پر پورا زور دیتے ہیں کہ یہ بات یوں ہی ہوگی جب وہ ویسے ہی وقوع پذیر ہو جاتی ہے تو لوگوں پر ان کا اعتقاد جم جاتا ہے۔

مگر چونکہ کاہن ایک نظام باطل کا کل پرزہ ہیں اس لئے وہ اپنے مطلب کی سو جھوٹی باتیں بھی اس میں شامل کر دیتے ہیں جن کو لوگ میٹھی گولی سمجھ کر نگل لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں اس ایک بات کی طرح یہ بھی سچی ہی ہوں گی اور یہی جھوٹی باتیں وہ ہوتی ہیں جو انہیں پٹڑی سے اتار دیتی ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹا کر جہنم کی راہ پر لگا دیتی ہیں۔ جن پر وہ تا زندگی چلتے رہتے ہیں مگر انہیں کوئی پتہ نہیں چلتا اور بالآخر وہ آگ کے گڑھے میں جا گرتے ہیں اور یہی ان جنات کا مقصود ہوتا ہے اور اسی لئے وہ انہیں اپنے نظام باطل کے جال میں پھنسا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

حدیث پاک میں اس نظام باطل کی کیفیات سے یوں پردہ اٹھایا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

ربنا تبارك وتعالى اسمه اذا قضى امراً سبّح حملة العرش ثم

سبّح اهل السماء الذين يلونهم حتى يبلغ التسبيح اهل هذه السماء الدنيا ثم قال الذين يلون حملة العرش لحملة العرش ماذا قال ربكم فيخبرونهم ماذا قال فيستخبر بعض اهل السموت بعضاً حتى يبلغ الخبر هذه السماء الدنيا فتحطف الجن السمع فيقذفون الى اوليائهم ويرمون به فما جاؤا به على وجهه فهو حق ولكنهم يقرفون فيه ويزيدون

(صحيح المسلم، كتاب السلام- باب تحريم الكهانة حديث : ١٢٤)

جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو "حاملین عرش" فرشتے اسے سن کر تسبیح کا ورد کرتے ہیں ان کی تسبیح سن کر جو نیچے آسمان والے فرشتے ہیں وہ بھی تسبیح پڑھنے لگ جاتے ہیں اسی طرح یہ تسبیح نیچے اترتی رہتی ہے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تم نے تسبیح کیوں پڑھی؟ وہ بتاتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے فلاں فلاں فیصلہ فرمایا ہے وہ فیصلہ جو زمین میں نافذ ہونے والا ہوتا ہے اس سے وہ انہیں آگاہ کرتے ہیں پھر یہ فیصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک نازل ہوتا رہتا ہے یعنی ہر آسمان والے اپنے قریبی آسمان تک یہ فیصلہ پہنچاتے ہیں یہاں تک کہ یہ آسمان دنیا تک آجاتا ہے پھر شیاطین جہاں تک ممکن ہوتا ہے اپنے وہم وگمان کے مطابق اسے سن لیتے ہیں اسی طرح چھینا جھپٹی کرکے وہ اپنے کاہنوں کے پاس آجاتے ہیں اور انہیں یہ باتیں بتادیتے ہیں پس وہ کہیں درست بتاتے ہیں اور کہیں غلطی کرتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

تلك الكلمة من الجن يخطفها الجني فيقذفها في اذن وليه فيخلطون فيها، اكثر من مائة

یہ جن کی بات ہوتی ہے جو وہ آسمان سے چوری کرکے لاتا ہے اور کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے وہ اس میں

سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتا ہے۔ كذبة (السيرة الحلبية ، ۱ : ۲۱۰)

لوگوں کو گمراہی اور کفر و شرک کی دلدل میں دھنسانے کے لئے دور جاہلیت میں یہ طاغوتی نظام پوری قوت و شدت کے ساتھ قائم تھا اور لوگ اس کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے سرکش جنات اور شیاطین کی وساطت سے کاہنوں نے عوام کی سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج کی ہوئی تھیں اور انہیں اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اس سے گلوخلاصی کی سوچیں۔

لیکن بعثت نبوی نے اس پورے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور اس پر کاری ضرب لگائی اور جو اس کے سب سے بڑے کل' پرزے اور بنیادی کردار جنات تھے سب سے پہلے انہیں لیا۔ آسمان پر پہرے بیٹھا دیئے گئے تاکہ اگر کوئی سرکش طاغوت پہلے کی طرح یہاں آ کر گھات میں بیٹھے اور کارکنان قضاء و قدر کی باتیں سننے کی کوشش کرے تو اس پر انگارے پھینکے جائیں اور اسے بھگا دیا جائے' یا جلا کر بھسم کر دیا جائے۔

یہ غیر متوقع انقلاب جنات کی سمجھ سے بالاتر تھا وہ اس کی کوئی توجیہہ نہ کر سکے اور حیران ہو گئے کہ آخر اس کی ضرورت اور وجہ کیا ہے' ابتدائی نظام میں یہ تبدیلی کیوں لائی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ انہوں نے حیرت سے کہا۔

اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَّاَنَّا لَانَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا

(الجن ، ۷۲ : ۸-۱۰)

ہم آسمانوں پر گئے تو ہم نے اسے زبردست پہرے داروں سے بھرا ہوا پایا۔ حالانکہ ہم اس سے پہلے سننے کے لئے گھات میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی سننے کی کوشش کرے تو وہ شہاب ثاقب کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے اس میں زمین والوں کے لئے کسی مصیبت کا پہلو مضمر ہے یا ان کے رب نے ان کے لئے رشد و ہدایت کا سامان کیا ہے؟

جب جنات سے یہ عقدہ حل نہ ہوا تو وہ اپنے گورو گھنٹال ابلیس کے پاس پہنچے اس نے ادھر ادھر جنات کے وفود روانہ کئے تاکہ وہ سرچشمہ انقلاب کا سراغ لگائیں اس کی تفصیلات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہیں۔

لما كان اليوم الذى تنبأ فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم منعت الشياطين من خبر السماء ورموا بالشهب فذكروا ذالك لابليس فقال بعث، اى لعله بعث نبى عليكم بالارض المقدسة .... فذهبوا ثم رجعوا فقالوا ليس بها احد فخرج ابليس يطلبه بمكة فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم بحراء منحدرا معه جبريل فرجع الى اصحابه، فقال بعث احمد

(السيرة الحلبية ، ۱ : ۲۱۰)

جس روز حضور نبی کریم ﷺ کو تخت نبوت پر بٹھایا گیا۔ اسی روز شیاطین آسمان پر جانے سے روک دیئے گئے تاکہ وہ اوپر کی خبریں نہ سن سکیں اور ان پر شہاب ثاقب برسائے گئے۔ انہوں نے اس نئی صورت حال سے ابلیس کو آگاہ کیا اس نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ کوئی نبی مبعوث ہو گیا ہے۔ تم لوگ سرزمین انبیاء بیت المقدس کی طرف نکل جاؤ اور وہاں سے معلومات لے کر آؤ جنات گئے اور واپس آکر بتایا وہاں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ابلیس صورت حال سے آگاہی کے لئے خود نکلا اور سرزمین مکہ میں پہنچا اچانک اس نے حضور ﷺ کو دیکھا آپ اس وقت "کوہ حرا" سے اتر رہے تھے اور آپ کے ساتھ جبریل امین تھے یہ ساری بات سمجھ گیا اور اپنے چیلوں کو آکر بتایا احمد مبعوث ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک بہت بڑی طاقت جبریل امین بھی ہیں اور یہ سارا انقلاب اسی بعثت کے نتیجے میں آیا ہے

آسمانوں سے دور رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ وحی میں کسی چیز کی آمیزش کا شائبہ نہ رہے آیات ربانی اپنی اصلی اور نکھری ستھری صورت میں حضور نبی مکرم ﷺ تک پہنچیں کائنات کے اہل فکر کو یہ معلوم ہو جائے کہ آخری وحی اپنی اصلی حالت میں نازل ہو رہی ہے۔ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ اس کے نزول میں ذرا سی بھی مداخلت کر سکے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے شیطان کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ چیخنے چلانے پر مجبور ہو گیا یہ تیسرا موقعہ تھا۔ جب وہ اس طرح کھل کر رویا اور اس پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹا۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

رن ابلیس اربع مرات، حین لعن وحین اهبط وحین بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحین انزلت الحمد لله رب العالمین

(الخصائص الکبری ، ۱ : ۱۱۰)

ابلیس چار مرتبہ رویا جب اس پر لعنت کی گئی پھر جب اسے زمین پر گرایا گیا پھر جب حضور نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے پھر جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ● الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ● مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ● إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ● إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ● صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّيْنَ●
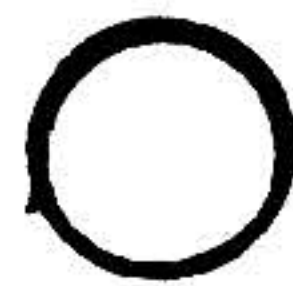
حصہ پنجم

علانیہ دعوت و تبلیغ اور قربانیوں کا دور

باب۔ ۱ انقلابی فکر کی دعوت و تبلیغ کا آغاز۔

باب۔ ۲ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مصطفوی تحریک میں شمولیت۔

باب۔ ۳ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نبوی مشن سے وابستگی

باب۔ ۴ فروغ دین سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ

باب۔ ۵ دنیاوی شان و شوکت اور مالی رشوت کی پیشکش۔

باب۔ ٦ اصولوں پر سودی بازی کی دعوت۔

باب۔ ۷ نبوی مشن سے عناد کی مادی وجوہات۔

باب۔ ۸ کردار کشی کی مہم۔

باب۔ ۹ مخالفت کے طوفانوں میں صبر واستقامت اور قائدانہ جرأت۔

باب۔ ۱۰ اہل ستم کی چیرہ دستیاں۔

باب۔ ۱۱ صداقت نبوت کا عجب امتحان۔

باب۔ ۱۲ منصوبہ قتل اور معاشرتی مقاطعہ۔

باب۔ ۱۳ حزن وملال کا سال۔

باب۔ ۱۴ طائف کا پر خطر دعوتی اور تبلیغی سفر۔

باب۔ ۱۵ مصطفوی تحریک میں جنات کا حصہ۔

○

باب-۱

انقلابی فکر کی دعوت و تبلیغ کا آغاز

ابتدائی آیات کے نزول کے بعد ڈھائی تین سال تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا اسے "دورِ فترتِ وحی" کہتے ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ وحی کے رعب و جلال کی جگہ شوق وانتظار لے لے۔ چنانچہ آپ شب و روز اس کے انتظار میں رہنے لگے جب انتظار نے زیادہ طول کھینچا اور شوقِ لقاء فزوں تر ہو گیا تو ہجر و فراق کی ان گھڑیوں میں کئی بار ارادہ فرمایا کہ پہاڑ پر جا کر خود کو نیچے گرا دیں۔ مگر ہر بار محبوب حقیقی کے فرستادہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آ کر روک دیا اور جھلک دکھا کر پھر غائب ہو گئے اس صورت حال میں قرب و وصال کا شوق اتنا بڑھا کہ وہ ابتداء میں پیدا ہونے والی ہر قسم کی کیفیات پر غالب آ گیا۔ قولِ ثقیل' ملکیت کی ہیئت اصلیہ اور عالم بالا کے جلال و جبروت سے مرعوبیت کا اندیشہ واحتمال ہی ختم ہو گیا۔ تب وہ فرشتوں کا بادشاہ' انبیاء کرام کا دمساز وامیں جسے اہل کتاب "ناموس اکبر" کہتے تھے' بصد شوکت واحتشام "امانتِ وحی" لے کر اس وقت نازل ہوا جب آپ بستر ناز پر اس شان سے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک یمنی چادر جسم اطہر پر تھی اور جمال نبوت کی تنویریں ماحول صحن خانہ اور در و دیوار کو منور کر رہی تھیں یہ ڈھائی تین سال کے بعد پہلی وحی تھی۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ• قُمْ فَأَنْذِرْ• وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ• وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ• وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ•

(المدثر، ۷۴: ۱-۵)

اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے' کھڑا ہو جا! اور انذار کا فریضہ انجام دے! اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر' اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور معمول کے مطابق ہر قسم کی پلیدی سے دور رہ۔

عربوں میں اظہار محبت کا ایک منفرد اسلوب اور حسین طریقہ ہے' وہ یہ کہ جس سے گہری محبت اور اپنائیت کا اظہار مقصود ہو اسے اس کے اصل نام سے نہیں پکارتے بلکہ اس وقت وہ جس حالت میں ہو اسے اس کے مطابق وصفی لقب سے پکارتے ہیں۔ اس سے محبوب یوں محسوس کرتا ہے جیسے چاہنے والے نے اسے دل کی گہرائیوں میں چھپالیا ہے اور اس پر پیار کے گلستان نچھاور کر دیئے ہیں۔ اس کی ایک نمائندہ مثال مندرجہ ذیل واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ حضور سیدہ بتول فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر خفاء ہو کر مسجد میں جا کر لیٹ گئے حضور ﷺ گھر تشریف لائے اور سیدہ زہراء سے پوچھا: "علی کہاں ہیں؟" انہوں نے بتا دیا کہ ناراض ہو کر کہیں چلے گئے ہیں۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے دیکھا کہ مسجد میں ننگی زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بدن مبارک کے ساتھ مٹی لگ رہی ہے۔ عربی زبان میں مٹی کو "تراب" کہتے ہیں اور "ابو تراب" کا مطلب ہوتا ہے مٹی کا باپ یا مٹی میں لتھڑا ہوا۔ حضور ﷺ پاس آکر بیٹھ گے شفقت سے مٹی جھاڑتے رہے اور یہ بھی فرماتے رہے۔

اجلس یا ابا تراب! اجلس یا ابا تراب	اے ابو تراب اٹھو! اے ابو تراب اٹھو!

(صحیح البخاری، کتاب المناقب- حدیث: ۳۵۰۰)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی دورِ فترت کے بعد کی اس پہلی وحی میں اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو اسم گرامی کے ساتھ پکارنے کی بجائے اس محبوب لقب سے پکارا جو اس وقت آپ ﷺ کی حالت کی تصویر کشی کرنے والا تھا۔ یہ معنی خیز اور حسین لقب اس لئے اختیار کیا گیا تاکہ قرب و محبت کی رفعتوں سے پہلے روز ہی پردہ اٹھا دیا جائے۔ عشق کے اسرار و رموز جاننے والوں کو بتا دیا جائے کہ یہ وہ شاہکارِ ربوبیت ہیں جن پر قدرت کو بھی ناز ہے۔ جب یہ وحی نازل ہوئی اور فترت کا دور ختم ہوا تو حضور ﷺ کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ محبوب حقیقی نے رابطہ قائم کرلیا۔ اب کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ تمام خطرات اور اندیشے اسی خوشی میں دب کر رہ گئے۔

آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ اس حکم پر عمل بڑا دشوار ہے، قوم قدم قدم پر مشکلات کے پہاڑ کھڑے کرے گی۔ دشواریوں کے بیج بوئے گی۔ مشن کو پھیلانے اور پیغام ربانی پہنچانے کی راہ میں بڑے شد و مد کے ساتھ حائل ہو گی۔ مگر آپ کو اس کی فکر نہ تھی۔ جب محبوب راضی ہے تو دشمنوں کے بچھائے ہوئے کانٹوں اور مخالفت کے تند و تیز طوفانوں کی کیا حیثیت ہے؟ مشن کی تکمیل کے لئے تو ان تمام دشواریوں کو برداشت کیا جا سکتا ہے جو قرب کا ذریعہ ہیں اور رب کریم کی خوشنودی کا باعث ہیں چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہمارا ارادہ ہے کہ تمام قبائلی سرداروں کی دعوت کریں تم ایک پیالہ دودھ، تھوڑے سے گوشت اور چند روٹیوں کا انتظام کرو اور سب کو بلاؤ۔

پینتالیس کے قریب عرب کے رؤسا اور امراء پہنچ گئے۔ حضور ﷺ نے برکت کے لئے تھوڑی سی روٹی چبا کر سالن میں ڈال دی اور برتن ان کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ اپنی اپنی طرف سے کھانا شروع کریں کھانے کی مقدار اتنی تھی کہ عام حالات میں اس سے بمشکل ایک آدمی پیٹ بھر سکتا تھا۔ مگر سب نے سیر ہو کر کھایا۔ وہ گوشت بھی کھاتے رہے اور شوربا بھی پیتے رہے مگر نہ روٹیاں کم ہوئیں اور نہ گوشت ختم ہوا۔ جب دودھ کی باری آئی تو ایک پیالہ سب کو باری باری پیش کیا گیا اور وہ بھی آخر تک لبریز رہا۔ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر حق و صداقت پر ایمان لانے اور متاثر ہونے کی بجائے ابو لہب نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی شور مچا دیا۔ "اے عرب کے باشندو! اپنی زندگی میں اس سے بڑا جادو ہم نے نہیں دیکھا۔ اس لئے یہاں سے اٹھو اور گھروں کو سدھارو۔ ایسا نہ ہو ہم بھی اس خوفناک جادو کے اثر میں آ جائیں۔ ابو لہب کی یہ بات سنتے ہی سب لوگ منتشر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اس شخص نے ہماری بات نہیں ہونے دی کل پھر ایک دعوت کا اہتمام کرو اور انہیں دوبارہ بلاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اتنے ہی کھانے کا انتظام کر کے انہیں پھر "مدعو" کیا وہ سب آ گئے پھر تھوڑا سا کھانا سب نے سیر ہو کر کھا لیا۔ ابو لہب نے پھر ٹانگ اڑائی۔ جارحانہ انداز تکلم اختیار کیا اور بڑے کھردرے انداز میں بولا۔ ہمیں تمہارے دین، مشن، تعلیم

اور تحریک سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ ساری کاروائی بند کرو۔ اگر تمہارے نزدیک یہ بہت ہی ضروری ہے تو اسے اپنے خاندان تک محدود رکھو۔ پوری قوم کو دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے قبیلے کا یہ فرض ہے کہ وہ خود تمہیں ایسی باتوں سے روکیں وگرنہ پوری قوم ناراض ہو جائے گی اور میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا خاندان پوری عرب قوم کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسلام کی بات زبان پر لانا ترک کر دو۔ اس سے قوم دو متحارب گروہوں میں بٹ رہی ہے۔ گھروں میں انتشار پیدا ہو گیا ہے کیونکہ تم ایک ایسی "شر" لا رہے ہو جس کی مثال ہماری پوری قومی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد قوم کے اکابرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

واللہ الذی لا الہ الا ہو، انی رسول اللہ الیکم خاصۃ والی الناس عامۃ، واللہ لتموتن کما تنامون، ولتبعثن کما تستیقظون ولتحاسبن بما تعملون، وانہا الجنۃ ابدا اوالنار ابدا

(الکامل لابن الاثیر ۔ ۲ : ۶۱)

اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، میں تمام لوگوں کی طرف عموماً اور تم لوگوں کی طرف خصوصاً رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا! جس طرح تم سو جاتے ہو اس طرح ایک دن مر جاؤ گے اور جس طرح تم بیدار ہوتے ہو اسی طرح ایک دن اٹھائے جاؤ گے۔ جو کچھ آج کرتے ہو کل اس کا حساب کتاب ہو گا اس کے بعد نیک اعمال اور کامیابی کی صورت میں جنت حصے میں آئے گی اور برے اعمال اور ناکامی کی صورت میں دوزخ میں جانا ہو گا۔

یابنی عبد المطلب! انی واللہ ماعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم بہ، قد جئتکم بہ بخیر الدنیا والآخرۃ، وقد امرنی اللہ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ہذا الامر

(الکامل لابن الاثیر ، ۲ : ۶۳)

اے عبد المطلب کے بیٹو! یقین کرو تمہیں جلال و جبروت اور عزت و تکریم بخشنے کے لئے جو انقلابی پیغام لے کر میں آیا ہوں عرب کا کوئی نوجوان آج تک اپنی قوم کے پاس ایسا (انقلابی فکر اور دور رس نتائج کا حامل) پیغام لے کر نہیں آیا۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی خیر و برکت لایا ہوں اور یہ اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں صداقت و نور کے اس سرچشمے کی طرف بلاؤں۔ پس اس انقلابی تحریک میں جلدی سے شامل ہو جاؤ بتاؤ! تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

تمام لوگوں پر موت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ ہونٹوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ انہیں اس مشن کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ مادی ذہن دنیاوی عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ وہ تو شان و شوکت کے عادی تھے۔ انہیں دین اور مشن سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہ دعوت ان کے ذوق ہی کے خلاف تھی۔ آخر ان سے رہا نہ گیا جو بات سمجھ گئے تھے اور صاحب ایمان تھے اگرچہ عمر چھوٹی اور جسم ناتواں تھا مگر جذبہ توانا اور حوصلہ جواں تھا بھاری بھرکم اور پھولے ہوئے تن و توش والے ان کی نگاہ میں چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر ہو گئے اور وہ بڑی جرأت اور جسارت سے بولے:

اے اللہ کے سچے رسول! میں اگرچہ سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں صحت گری ہوئی ہے اور ظاہری توانائی کی صورت بھی کسی لحاظ سے حوصلہ افزا نہیں۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس انقلابی مشن میں آپ کا ساتھ دوں گا اور قدم سے قدم ملا کر چلوں گا۔

یہ انقلابی فکر قبول کرنے اور امید افزا جواب دینے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور ﷺ خوش ہو گئے ان کی گردن کو بوسہ دیا۔ جو ڈیل ڈول والے تھے وہ ہنس پڑے۔ ان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی مگر یہ ان کے باطل پرست اور مادیت کے خوگر ناقص ذہن کا تجزیہ تھا۔ انہوں نے صرف ظاہری اسباب اور موجودہ حالات ہی کو دیکھا تھا اور جو پس پردہ قاہر قوت کار فرما تھی اور ایمان کے ساتھ

جو اں عزم و حوصلہ تھا وہ اسے نہ دیکھ سکے' ظاہر ہے ایسی سوچ اور صورت میں وہ صرف مسکرا ہی سکتے تھے۔ مگر بات ان کی سچی ثابت ہوئی جو ایمان والے تھے انہوں نے مشن کا ساتھ دے کر ثابت کر دیا کہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کچھ ہی عرصہ بعد مشن پھیل گیا اور کفر اپنی نخوت اور رعونت سمیت سرنگوں ہو گیا۔

انذار مبین کا حکم اور اس کا ردعمل

مکہ کے امراء اور رئیس زادوں نے جس بغض و عناد اور شدید مخالفت کے ساتھ مصطفوی تحریک کا استقبال کیا حالانکہ حق پسندی اور انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ مخالفانہ جذبات سے بالاتر ہو کر بالکل غیر جانبداری سے مصطفوی تحریک کے عناصر ترکیبی اس کی تعلیمات اور اغراض و مقاصد کا جائزہ لیتے۔ مگر انہوں نے اس مسئلہ کو بالکل غیر سنجیدہ انداز سے لیا اور دل میں یہ بٹھا لیا کہ ہر حال میں اسے سبوتاژ کرنا ہے۔ خاص طور پر ابولہب کی طرف سے مشن کے خلاف مہم جوئی' اور زبردست محاذ آرائی کا ایک خاص پس منظر بھی ہے جس کا جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا وہ یہ کہ جب سید دو عالم ﷺ بالکل نوعمر تھے اور حضرت ابوطالب کے پاس رہتے تھے۔ اس دور کا واقعہ ہے۔ ایک دن ابولہب اور ابو طالب دونوں بھائیوں کی آپس میں کشتی ہوئی۔ دونوں نوجوان تھے مگر ابولہب نے ابوطالب کو نیچے گرا لیا اور ایک فاتح کی حیثیت سے ابو طالب کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو یہ منظر اچھا نہ لگا آپ بڑی جرأت کے ساتھ پیچھے سے آئے اور ابولہب کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور نیچے گرا دیا۔ ابولہب حیران رہ گیا اور پوچھا: میں بھی تمہارا چچا ہوں اور ابو طالب بھی چچا ہے پھر تم نے اس کا ساتھ کیوں دیا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے بڑی بے خوفی سے جواب دیا: وہ مجھے تمہاری نسبت زیادہ عزیز ہیں۔ کینہ پرور ابولہب نے یہ بات دل میں بٹھا لی اور پھر ساری زندگی

اس بات کو نہ بھولا۔ اسی دن سے حضور ﷺ کے خلاف دل میں عناد رکھنے لگ گیا اور اسی کو زندگی کا مشن بنالیا جو اس کی مکروہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ یہ شیطنت اور شر و فساد کی جڑ تھا۔ ہر برائی' مخالفت اور خوفناک سازش اسی کی ذات سے جنم لیتی تھی اور پھر معاشرے میں پھیلتی تھی۔ حضور ﷺ نے مشن کا پیغام پہنچانے کے لئے اہل مکہ کی تین دعوتیں کیں' جن میں محیر العقول معجزات کا ظہور بھی ہوا۔ آنکھیں کھولنے اور بصیرت حاصل کرنے کے لئے اتنی روشنی کافی تھی مگر ابولہب نے ہر موقعہ پر کورچشمی سے کام لیا۔ حسد و بغض کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوری قوم کو گمراہ کیا اور کہا کہ جادو سے بچو! ان ناسازگار حالات میں بھی حضور ﷺ نے ان تک اپنا پیغام پہنچا دیا۔ یہ کشمکش جاری ہی تھی کہ ایک اور حکم نازل ہوا کہ اب آپ کھلے عام قریبی رشتہ داروں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام سنائیں اور انہیں عذاب سے ڈرائیں۔ جبرائیل امین یہ وحی لے کر نازل ہوئے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء، ۲۶ : ۲۱۴)	اور اے نبی! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔
وَقُلْ اِنِّي اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (الحجر، ۱۵ : ۸۹)	اور انہیں بتائیں کہ میں "نذیر مبین" یعنی علانیہ ڈرانے والا ہوں۔

اس انقلابی حکم کی تعمیل کے لئے سرکار دو جہاں ﷺ کوہ صفا کی بلندیوں پر تشریف لے گئے اور وہ تاریخی ندا دی جس کی گونج ہمیشہ فضاؤں میں سنائی دیتی رہے گی۔ آپ نے نام لے لے کر قبائل کو پکارا۔ اے بنی کعب بن لوی!' اے بنی مرہ بن کعب!' اے بنی عبد شمس!' اے بنی عبد مناف!' اے بنی ہاشم!' اے بنی عبد المطلب!' مکہ کے گلی کوچوں میں کہرام مچ گیا' **فقالوا امن هذاالذی یهتف**' لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے' یہ بلانے والا کون ہے! جاننے والوں نے بتایا: یہ محمد ﷺ پکار رہے ہیں۔ یہ کسی معمولی شخصیت کی پکار نہیں تھی' ہزار مخالفت کے باوجود سب دوڑے آئے۔ جو نہ آ سکتا تھا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ صورت حال سے آگاہ ہو سکے۔ کیونکہ ہر شخص

جانتا تھا جب بلانے والے صادق و امین اور محمد ﷺ ہیں تو معاملہ نہایت اہم ہو گا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا۔

أرايتكم لو اخبرتكم ان خيلا تخرج بسفح هذا الجبل اكنتم مصدقي

(صحيح المسلم ، ۱ : ۱۱٤ كتاب الايمان باب في بيان من مات على الكفر)

مجھے بتاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑ کے دامن میں دوسری طرف ایک لشکر موجود ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔

ارايتم ان حدثتكم ان العدو مصبحكم او ممسيكم اكنتم تصدقوني

(صحيح البخاری، كتاب التفسير حديث : ٤٦٨٨)

مجھے بتاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ زبردست دشمن تم پر صبح یا شام کو اچانک حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے؟

سب نے بیک زبان جواب دیا' ہم کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے بغیر آپ کی بات مان لیں گے کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں میری ذات اور زبان پر اتنا اعتماد ہے تو پھر غور سے سنو!

إنما مثلي ومثلكم كمثل رجل، راى العدو فانطلق يربا اهله فخشي ان يسبقوه فجعل يهتف، يا صباحاه

(صحيح المسلم، كتاب الايمان، حديث : ۳۵۳)

میری اور تمہاری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے دشمن کو دور سے دیکھ لیا ہو۔ جو اس کی قوم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس نے اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا ہو اسے اچانک اندازہ ہوا کہ دشمن بہت ہی تیز رو ہے۔ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ اس کی قوم تک پہنچ جائے گا اور اسے مار ڈالے گا۔ چنانچہ اسے بچانے کے لئے اس نے دور ہی سے صدا

لگائی یا صباحاہ! اے میری قوم! ہوشیار ہو جا۔ دشمن تیزی سے بڑھا آ رہا ہے
مطلب یہ تھا کہ تم عذاب مبین سے آگاہ نہیں ہو۔ دوزخ کا شدید عذاب ایک حقیقت ہے جو اہل کفر و شرک کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اس لئے شرک و کفر اور ضلالت کی زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اسلام لے آؤ۔ اس خوفناک عذاب سے بچ جاؤ گے جسے تم سردست دیکھنے سے قاصر ہو۔

یابنی کعب بن لوی، انقذوا انفسکم من النار۔ یا بنی مر بن کعب! انقذوا انفسکم من النار۔ یابنی عبد شمس! انقذ وا انفسکم من النار۔ یابنی عبد مناف! انقذوا انفسکم من النار۔ یابنی هاشم! انقذوا انفسکم من النار۔ یابنی عبد المطلب! انقذوا انفسکم من النار۔ وقال یافاطمة بنت محمد یاصفیة بنت عبد المطلب لا املك لکم من الله شیئاً، سلونی من مالی ماشئتم۔ (صحیح المسلم، کتاب الایمان، حدیث: ۳۴۸)

اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اے مرہ کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اے عبد شمس کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اے عبد مناف کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اے ہاشم کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اے عبدالمطلب کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اے محمد کی بیٹی فاطمہ! اے عبدالمطلب کی بیٹی' صفیہ! میں تمہارے لئے اللہ کے ہاں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' البتہ تم میرے مال میں سے جس چیز کا چاہو سوال کر لو۔

سر سے پاؤں تک شرک وضلالت کی دلدل میں دھنسی ہوئی قوم اس دردمندانہ پکار کی اہمیت کا اندازہ نہ لگا سکی۔ کسی متوقع خطرے کے آثار دیکھے بغیر قوم کو اس انداز خاص کے ساتھ بلانا جو خطرات کے لئے مخصوص تھا اس کے نزدیک بہت بڑا جرم تھا یہ گویا پوری قوم کے ساتھ ایک سنگین مذاق تھا ابولہب تو اسے بالکل برداشت نہ

کر سکا۔ اس انداز سے گویا ہوا۔ جس میں گستاخی کا پہلو بھی نمایاں تھا۔

تبا لك اما جمعتنا الا لهذا
(صحيح المسلم، كتاب الايمان، حديث ۳۵۵)

تباہی ہو تیرے لئے کیا اتنی سی بات کے لئے تو نے ہمیں اتنے اہتمام سے یہاں بلایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کی شان میں گستاخی پر مبنی یہ کلمہ اتنا ناگوار گزرا کہ فوراً وحی کی زبان میں اسے جواب دیا گیا اس کا اور اسکی بدزبان و بدنہاد بیوی کا انجام بھی بیان کر دیا گیا۔

تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُه وَمَا كَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُه حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

(اللهب ، ۱۱۱ : ۱-۴)

ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ اسے کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیوں کا گٹھڑا اٹھا کر لانے والی ہے اور اس کی گردن میں منج کی رسی ہے۔

اس آسمانی مذمت نے میاں بیوی کے تن بدن میں آگ لگا دی ان کی عداوت کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ وہ جگہ جگہ نبوی مشن کے خلاف زہر اُگلنے لگا۔ اسکی بیوی نے ایک پتھر اٹھا لیا اور حرم شریف میں آ گئی' غصہ سے تلملا رہی تھی۔ سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی بولی: "آج میں محمد (ﷺ) کا سر پھوڑ کر رہوں گی۔" وہ ہفوات کہتی آگے بڑھی حضور ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس کالی آندھی کو اس انداز سے آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! بڑی بدزبان اور منہ پھٹ عورت ہے۔ نازیبا الفاظ بھی کہے گی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: تم آرام سے بیٹھے رہو وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گی۔ وہ بگولے کی طرح سیدھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی اور پوچھا: بتاؤ! وہ تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ سیدنا ابوبکر کو اطمینان ہو گیا' بولے: کیا وہ یہاں تمہیں نظر

نہیں آ رہے؟ وہ یہاں کہاں ہیں، کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟ جو منہ میں آیا بکتی چلی گئی اور حضور ﷺ کو بالکل نہ دیکھ سکی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان تازہ ہو گیا اور تصدیق قلبی نے محبت کا نقش اور گہرا کر دیا۔ (الخصائص الکبریٰ، ۱: ۱۲۷)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سابقہ صفحات پر مذکور حدیث پاک میں کچھ الفاظ آئے ہیں جن سے بعض سادہ ذہنوں میں کچھ اندیشے جنم لیتے ہیں۔ ان کا ازالہ نہایت ضروری ہے تاکہ ایمان کی سلامتی کو خطرہ لاحق نہ ہو۔ حضور ﷺ کے ساتھ محبت و نیازمندی کا تعلق باقاعدہ قائم رہے اور شیطان صراط مستقیم سے بھٹکانے میں کامیاب نہ ہو وہ غلط فہمی ان الفاظ سے پیدا ہوتی ہے، جو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے۔

یافاطمة بنت محمد! یاصفیة بنت عبد المطلب لا املك لكم من الله شیئا

اے فاطمہ اور اے صفیہ! میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

ان الفاظ سے بعض ذہن یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اختیار اور عدم اختیار کی بحثیں ہوتی ہیں۔ اگر ان الفاظ کو ان کے پس منظر اور خاص سیاق و سباق سے ہٹا لیا جائے تو یہی مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر حالات کے تناظر میں اس کا مطالعہ کیا جائے تو نہ یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے نہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ مشرک اور کافر کے لئے اسلام میں مغفرت کا کوئی تصور نہیں دائمی نجات صرف اہل ایمان کے لئے ہے حضور ﷺ نے کوہ صفا پر جن خاندانوں کو نام لے لے کر پکارا وہ شرک میں سر سے پاؤں تک غرق تھے۔ آپ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ اس شرک کی گندگی کے ساتھ اگر تم قیامت کے روز آئے تو میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا، اور نہ ہی شفاعت کروں گا کیونکہ اہل شرک کے

لئے نہ شفاعت ہے نہ مغفرت۔ اگر بخشش سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہو تو ایمان لے آؤ اور خود کو عذاب آخرت سے بچالو! پھر آپ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کیا کہ میں تیرے لئے بھی کسی چیز کا مالک نہیں۔

اس سے مقصود بھی قوم کو متنبہ کرنا تھا کہ شرک و کفر پر قائم رہتے ہوئے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ یہاں بظاہر خطاب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے لیکن دراصل قوم ہی کو سنانا مقصود ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اس وقت صرف دو تین سال تھی ایسے بچے سے نہ اس قسم کا خطاب کیا جاتا ہے نہ وہ سمجھ سکتا ہے وہ اس عمر میں گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ لہٰذا اتنے بچے کو یہ سنانا کہ وہ خود کو آگ سے بچائے۔ میں اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاؤں گا قرین قیاس نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قوم ہی مخاطب ہے۔ اور مختلف اسالیب اور زاویوں سے اسے باور کرانا مقصود ہے کہ مکمل نجات اور آگ سے چھٹکارا ایمان لانے میں ہے ورنہ کفرو شرک کی حالت میں نسبی تعلق بھی بے کار ہے اور اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

رہی حضور ﷺ کی شان مالکیت وشفاعت اور اہل ایمان کو فائدہ پہنچانے کی بات تو اس کی ایک ہلکی سی جھلک یہ ہے۔

آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

(جامع الترمذی' کتاب المناقب باب فضل فاطمہ بنت محمد ﷺ ' حدیث: ۳۸۷۳)

حسنین کریمین ؓ کو بتایا کہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

(جامع الترمذی' کتاب المناقب۔ باب مناقب الحسن والحسین حدیث: ۳۷۶۸)

عشرہ مبشرہ کو بتایا کہ وہ بہشتی ہیں۔

(جامع الترمذی' کتاب المناقب حدیث: ۳۷۴۷)

اور بے شمار افراد ایسے ہیں جنہیں دینی اور دنیاوی منافع سے بہرہ مند کیا اور گناہ گاروں کو مایوسی سے بچانے کے لئے فرمایا:

ان شفاعتی یوم القیامۃ لاهل الکبائر من امتی

روز قیامت میری شفاعت امت کے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لئے ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد باب ذکر الشفاعۃ۔ حدیث: ۴۳۱۰)

بلکہ قرآن پاک نے بتایا:

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى (الضحیٰ، ۹۳ : ۵)

اے حبیب! تیرا رب تجھے عنقریب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

آپ نے جواب میں فرمایا:

إذا لا ارضی وواحد من امتی في النار

اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔

ایک عورت بیمار تھی اسے دورہ پڑتا تھا جس سے اسے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ وہ دربار رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی اس تکلیف سے نجات کے لئے دعا کیجئے۔

فرمایا: سودا کرلو! چاہو تو دعا کرالو تکلیف رفع ہو جائے گی چاہو تو صبر کی راہ اختیار کرلو جنت مل جائے گی۔ اس عورت نے جنت کا سودا کر لیا لیکن ساتھ ہی عرض کی: دورہ پڑتا ہے تو ستر کھل جاتا ہے یہ دعا کردیں کہ ستر نہ کھلا کرے چنانچہ اس کے لئے دعا کردی اور وہ ستر کھلنے سے محفوظ ہو گئی۔ اس قسم کے واقعات احادیث کی کتابوں میں اتنی کثرت کے ساتھ ہیں کہ انہیں شمار بھی نہیں کیا جا سکتا یہ سب اس حقیقت کبریٰ کے عکاس ہیں کہ مقامِ نبوت ذمہ دارانہ حیثیت کا حامل ہے۔ قدرت نے یہ مقام بخشا ہے تو اس کے شایانِ شان اختیارات بھی تفویض کئے ہیں۔ دنیا کے بے حیثیت ارباب اقتدار کے اختیارات لا محدود ہوتے ہیں جن مین بعض اوقات مطلق العنانی کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے ...... تو منصب نبوت کو اعلیٰ وارفع اختیارات کیوں نہیں دیئے جاتے حقائق بتاتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ اختیارات باذن اللہ حاصل تھے آپ نے ان ہی کو استعمال کرکے کسی کو سیدہ نساء العالمین کسی کو جوانان جنت کے سردار اور کسی کو "عشرہ مبشرہ" بنا دیا اور جنت اس طرح عطا کی جیسے ایک مالک مملوکہ چیز عطا کرتا ہے۔

کوہ صفا پر یہ انداز اس لئے اختیار فرمایا کیونکہ وہ مقام انذار تھا وہاں پر لوگوں کو ڈرانا مقصود تھا اگر وہاں بھی بشارتیں سنانے کا سلسلہ شروع کردیا جاتا تو مقصد ہی فوت ہو جاتا اس لئے اس جگہ جو کچھ ارشاد فرمایا۔ موقعہ و محل اور مقتضی حال کی مناسبت سے وہی درست تھا اس کو سیاق و سباق سے کاٹ کر غلط مفہوم پہنانا اور یہ معنیٰ ومطلب اخذ کرنا ایک سچے مسلمان کے شایان شان نہیں۔

○

باب ـ ۲
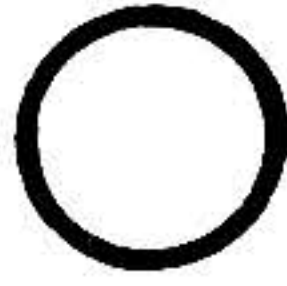
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مصطفوی تحریک میں شمولیت

کفارِ مکہ نے جب دیکھا کہ مصطفوی مشن تیزی سے پھیلنے لگا ہے اور لوگ اس میں سنجیدگی سے دلچسپی لینے لگے ہیں تو ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ جسے فرد واحد کا ذاتی معاملہ قرار دے کر نظرانداز کر رہے تھے انہیں ایک خوفناک طوفان دکھائی دینے لگا۔ انہوں نے آنے والے خطرے کو بھانپ لیا اور غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر اس سیلاب کو سختی سے نہ دبایا گیا تو یہ اپنی طوفانی رو میں ان کی تمام "روایات" اور "تہذیبی اقدار" بہا کر لے جائے گا ان کی بنی بنائی ساکھ بھی خراب ہو گی اور "عزت" بھی خاک میں مل جائے گی۔

انہوں نے اجتماعی فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اس دین میں داخل ہونے والوں کو معاف نہیں کریں گے اور جو اس میں داخل ہو چکے ہیں انہیں بھی ڈرا دھمکا اور معاشرتی دباؤ ڈال کر واپس لانے کی کوشش کریں گے تاکہ اس کا بہاؤ یہیں رک جائے۔

ابو جہل نے تو یہ بھی سوچ لیا کہ اب وہ نئے دین کے بانی اور تحریک کے قائد کو بھی معاف نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے طور پر نبی اکرم ﷺ کی کردار کشی کے لئے ہر ممکن کمینہ پن اپنانے کا تہیہ کر لیا مقصد یہ تھا کہ لوگ بدظن ہو کر حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور نئی ابھرنے والی تحریک اپنی موت آپ مر جائے گی۔

اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا پکا ارادہ کر کے وہ کاروائی کے لئے مسجد حرام میں آ گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کوہِ صفا کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس نے تہذیب و شائستگی کا جامہ اُتار کر بکنا شروع کر دیا اور جو منہ میں آیا کہا سرکار نبی کریم ﷺ خاموشی سے اس کی تمام باتیں سنتے رہے۔ پھر خاموشی ہی سے تشریف لے گئے۔ اسے کوئی جواب نہ دیا۔ عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی اسے

ابو جہل کا یہ گھناؤنا کردار بہت بُرا لگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ حضرت حمزہ کو اس کاروائی سے ضرور آگاہ کرے گی۔ حضرت حمزہ شکار کے لئے گئے ہوئے تھے وہ انتظار کرتی رہی جب وہ آئے تو بتایا: آج ابو جہل نے تمہارے چہیتے بھتیجے کے ساتھ بہت بد کلامی کی ہے کھل کر بیہودہ گالیاں دی ہیں جیسے کوئی اسے لگام دینے والا نہ ہو۔ آج اگر اسے اسی کی زبان میں نہ سمجھایا گیا تو وہ کل کلاں کوئی اور بد تمیزی بھی کر سکتا ہے۔ اسے اس کے حدود اربعہ سے آگاہ کرنا ضروری ہے اور وہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت حمزہ کا خون کھول اٹھا تن بدن میں آگ لگ گئی آپ کی عادت تھی شکار سے واپس آکر پہلے طواف کیا کرتے تھے چنانچہ فارغ ہوتے ہی سیدھے ابو جہل کے پاس پہنچے۔ اس کے سر پر زور سے کمان دے ماری اور سر پھاڑ دیا اور کہا۔

اتشتمه، وانا علی دینه اقول مایقول، فرد ذالك علی ان استطعت

"میرے بھتیجے کو تو گالیاں دیتا ہے۔ غور سے سن! میں بھی اسی کے دین پر ہوں اور جو وہ کہتا ہے وہی میں بھی کہتا ہوں اب اگر طاقت ہے تو میرا کچھ بگاڑ کے دکھا۔"

ابو جہل کے ساتھی بھاگ کر آئے تاکہ اس کی امداد کریں مگر شیر کے سامنے وہ بھیگی بلی بن گیا۔ صلح و فرار کی راہیں تلاش کرنے لگا اور بولا:

ابو عمارہ حمزہ کو کچھ نہ کہو بخدا غلطی میری ہے میں نے ان کے بھتیجے کو نازیبا باتیں کہی ہیں انہیں حق پہنچتا ہے کہ غضبناک ہوں۔ حاضرین نے کہا:

مانراك یاحمزة الا قد صبات؟

اے حمزہ! ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟

حضرت حمزہؓ نے بے دھڑک جواب دیا:

وما یمنعنی وقد استبان لی منه، انا اشهد انه رسول الله وان الذی یقول حق، فو الله لاانزع فامنعونی ان کنتم صادقین

مجھے قبول حق سے کون روک سکتا ہے؟ مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ جو

کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے وہ سچ ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔خدا کی قسم! میں اب اس دین کو ترک نہیں کروں گا۔ اگر تم سچے ہو تو ذرا مجھے دین سے روک کر دکھاؤ!

مگر کسی کو بھی ان کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت حمزہ نے غصے میں آکر بات تو منہ سے نکال دی کہ وہ نئے دین میں داخل ہو گئے ہیں مگر جب گھر پہنچے تو عجب گو مگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ دل میں جاگزیں اور گھٹی میں پڑے ہوئے صدیوں پرانے عقائد و نظریات سے یکدم دستکش ہو جانا آسان نہ تھا۔ ساری رات اسی قلق و اضطراب میں گذر گئی جب قرار نہ آیا تو اپنے چہیتے مسیحا کے پاس پہنچ گئے۔ حضور ﷺ بھی ان کی دلی کیفیت اور کشمکش سے آگاہ تھے۔ نگاہِ نبوت' حکیمانہ نصائح اور پرخلوص دعاؤں سے انہیں قرار بخشا جو راہ اختیار کی تھی اس کے فیوض و برکات اور فوائد سے آگاہ کیا اس روش پر تنقید کی جس پر وہ پہلے گامزن تھے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت حمزہ کا ذہن صاف ہو گیا تمام شکوک و شبہات دھل گئے اور جس ذہنی خلجان میں مبتلا ہو گئے تھے اس سے نجات مل گئی۔ سکون و اطمینان محسوس کرکے خوشی سے بولے: اے بھتیجے! ڈٹ کر اپنے دین کی تبلیغ کرو کسی کی مجال نہیں کہ وہ کچھ کرے انشاء اللہ سب کا مقابلہ کریں گے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی' ۲: ۲۱۴' البدایہ والنھایہ' ۳: ۳۳' الروض الانف' ۱۸۵' السیرہ النبویہ لابن ہشام' ۱: ۲۹۲)

اہلِ مکہ نے محسوس کیا کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے رسول اللہ اور ان کے ساتھیوں کو خاصی تقویت پہنچی ہے اور وہ مضبوط ہو گئے ہیں اس لیے وہ مسلمانوں کے معاملے میں محتاط ہو گئے اور جو رویہ انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ اس پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایمان کی توفیق ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

حمدت اللہ حین ھدی فؤادی

الی الاسلام والدین الحنیف

لدین جاء من رب عزیز
خبیر بالعباد بهم لطیف
واحمد مصطفی فینامطاع
فلاتغشوه بالقول الضعیف
فلا والله نسلمه لقوم
ولما نقض فیهم بالسیوف

میں اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتا ہوں جس نے دین حنیف اور اسلام کی طرف میرے دل کو راغب کیا۔

یہ دین رب عزیز کی طرف سے آیا ہے جو اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر بہت ہی مہربان ہے۔

احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام و قائد ہیں تم ان کے سامنے آکر بے تکی اور بے معنی باتیں مت کرو!

خدا کی قسم! ہم انہیں کبھی بھی قوم کے سپرد نہیں کریں گے' جبکہ ہم نے ابھی تک لوگوں کا تلواروں کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا۔
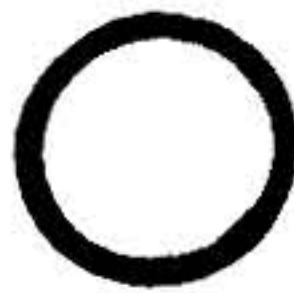
باب۔ ۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نبوی مشن سے وابستگی

چالیس کے قریب جاں باز مصطفوی انقلاب کی دعوت کو قبول کر چکے تھے۔ اور اب اس تحریک کے دست و بازو بن کر دن رات کام کر رہے تھے۔ مزید ہمنوا بنانے کے لئے کوششیں جاری تھیں تھے تاکہ افرادی قوت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو اور اسے مجتمع کر کے نظم و تربیت کے بعد انقلاب کو قریب سے قریب تر لایا جا سکے۔

انقلاب کے لئے ہر قسم کی صلاحیتوں کے افراد درکار ہوتے ہیں۔ وہ بھی جو بازوئے شمشیرزن ہوں اور وہ بھی جو اپنی تحریر و تقریر سے ان کے رگ و پے میں صور اسرافیل پھونک دیں۔ وہ بھی جو سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجائیں اور وہ بھی جو مالی اعانت سے تحریک کو تقویت دیں اور مشن کو آگے بڑھائیں چالیس کے گروہ میں بڑے مخلص وفادار جانباز اور عظیم و جلیل حضرات آگئے تھے۔ انہوں نے تحریک میں عزم وہمت اور صبر و ثبات کی روح پھونک دی تھی اور بڑے استقلال کا مظاہرہ کیا تھا۔ مگر ابھی تحریک کو ایک ایسے مردِ آہن کی ضرورت تھی جو باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے تو اس پر لرزہ طاری کر دے۔ ایک ایسے جوان عبقری کی ضرورت تھی جو طاغوتی قوتوں کے ساتھ پنجہ آزما ہو تو انہیں مروڑ کر رکھ دے۔ نگاہِ نبوت نے ایک ایسی نادرِ روزگار اور عبقری شخصیت کو تلاش کر ہی لیا دست دعا اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

اللهم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب	اے اللہ! عمر کے ساتھ دین اسلام کو غلبہ اور شوکت عطا فرما۔

(سنن ابن ماجه، مقدمة - حديث: ۱۰۵)

مشن کے فروغ اور تحریک کی تقویت کے لئے جب عمر کو بارگاہِ خداوندی سے مانگا گیا تو اس وقت وہ ابو جہل جیسے سرکش معاندین میں گھرے ہوئے تھے۔ مجلس شر وفساد برپا تھی۔ وہ تحریک کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کڑھ رہے تھے۔ موضوع زیرِ بحث یہ تھا کہ اس مشن کی راہ میں روڑے کیسے اٹکائے جائیں۔ مصطفوی انقلاب کے سیلاب کے آگے بند کیسے باندھا جائے؟ یہ تو روز بروز تند و تیز ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ تڑپا تلملایا۔ آخر اس نے اپنے فسادی ذہن کے پٹارے سے ایک زہریلا سانپ نکالا اور سب کے آگے رکھ دیا کہنے لگا۔

یامعشر قریش! ان محمدا قد شتم اٰلهتكم وسفه احلامكم وزعم ان من مضى من اٰبائكم يتهافتون في النار الا ومن قتل محمدا فله على مائة ناقة حمراء وسوداء والف اوقية فضة

(الخصائص الکبریٰ، ۱ : ۱۳۳)

"اے گروہِ قریش! بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور تمہیں بیوقوف کہتا ہے اور دعوٰی کرتا ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد جو مرگئے ہیں وہ سب آگ میں جل رہے ہیں۔ میں آج بہانگِ دہل یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص ان کو قتل کرے گا میں اسے سرخ و سیاہ نہایت قیمتی سو اونٹنیاں اور ایک ہزار "اوقیہ" چاندی دوں گا۔"

عمر نے یہ اعلان سنا تو جوان خون جوش میں آگیا۔ بھنویں تن گئیں تلوار پر گرفت مضبوط ہو گئی۔ کمان کاندھے پہ ڈالی اور یہ مہم سر کرنے کا پکا ارادہ کر لیا دل میں یہ بات ٹھان لی کہ آج وہ سب کچھ ہو جائے گا جو کسی سے نہیں ہو سکا۔ نہ مشن رہے گا نہ کوئی تحریک اور نہ کوئی انقلاب کی بات کرنے والا۔ یہ ہمارے خداؤں کی سرزمین ہے جو صدیوں سے اس پر خدائی کرتے آرہے ہیں۔ آج کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان سے خدائی کا یہ حق چھیننے کی بات کرے ان موروثی خداؤں کا یہ قدیمی حق ہے کہ وہ لوگوں کی گردنوں پر اسی طرح سوار رہیں۔ جس نے ان کی خدائی آقائی اور حکومت

کے خلاف نعرۂ انقلاب لگایا ہے آج اس کا کام تمام کر دوں گا۔ اے عمر! کدھر کے ارادے ہیں؟ گذرنے والے شناسا نے عمر کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پوچھا! عمر نے کسی تکلف اور تامل کے بغیر کہا آج نیا دین لے کر آنے والے "محمدؐ" کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں۔ قوت بازو پر اعتماد اور جرأت و خود پسندی کے باعث ان خیالات کو چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ سوال کرنے والے نے آگاہ کیا "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہاری بہن حضرت فاطمہؓ اور بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے ہیں"

عمر کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی یہ لوگ اس انقلاب کے علمبردار بن گئے ہیں جو ہماری صدیوں پرانی روایات اور آبائی قدروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ اس دین کو قبول کر لیا ہے جو ہمارے دین کو ختم کرنا چاہتا ہے میں انہیں پیوند زمین کردوں گا۔ وہ بہن اور بہنوئی کے دروازے پر پہنچ گئے اندر سے تلاوت کی مہکتی آواز آرہی تھی۔ ثبوت مل گیا واقعی یہ لوگ اپنا دین ترک کر چکے ہیں اور وہ کلام پڑھ رہے ہیں جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ خدا کا نازل کردہ ہے۔ دروازہ کھولو! عمر کی رعب دار آواز گونجی۔ تلاوت کی آواز بند ہو گئی اور اندر کھلبلی مچ گئی دونوں کے اتالیق حضرت خبابؓ چھپ گئے۔ بہن نے دروازہ کھولا بھائی نے نیام مار کر وہیں اس کا سر پھاڑ دیا خون کا دھارا بہہ نکلا۔ عمر کہنے لگے مجھے پتہ چلا ہے تم بے دین ہو گئے ہو۔ آخر تمہیں اپنا دین چھوڑنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ بہن اور بہنوئی نے جواب دیا "ہم لوگ بے دین نہیں ہوئے باطل کے چنگل سے نکل کر مسلمان ہوئے ہیں" بپھرے ہوئے عمر بہنوئی پر جھپٹ پڑے اور مارنا شروع کر دیا۔ شوہر کو بچانے کے لئے بہن آگے بڑھی تو اسے بھی لہولہان کر دیا مار کھا کھا کر دونوں نیم جان ہو گئے آخر بہن کے منہ سے یہ الفاظ نکلے!

"اے عمر! ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں خواہ جان سے مار ڈالو مگر یاد رکھو کوچہ مصطفیٰ ﷺ کی طرف جو قدم اٹھ گئے ہیں اب وہ واپس نہیں آسکتے۔ ہم مرنا گوارا کرلیں گے مگر اپنا دین نہیں چھوڑیں گے"۔ نہ جانے ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی ان کے پس پردہ چھپی ہوئی صداقت کو عمرِ فاروق نے شدت سے محسوس کیا۔ ان کے ہاتھ رک

گئے اور دل پسیج گیا۔ آخر جس چیز کے لئے یہ لوگ جان دینے کے لئے تیار ہیں اس کی کچھ نہ کچھ حقیقت تو ضرور ہو گی! اس راز سے آگاہ ہونا چاہیے۔ حضرت عمر نے کہا "اچھا تم لوگ جو کلام پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی سناؤ" بہن نے جواب دیا۔ ناپاک لوگ اسے نہیں چھو سکتے پہلے خود کو پاک کرو۔ حضرت عمر گئے پاک صاف ہو کر آئے اور کلام پاک پڑھنے اور سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھنے کی دیر تھی کہ دل کی کایا پلٹ گئی کفر کی سیاہی دھل گئی اور ایمان و صداقت کے نور نے سینہ منور کر دیا۔ آبدیدہ ہو گئے اور عرض گذار ہوئے کہ مجھے بھی حضور ﷺ کے قدموں میں لے چلو۔ تاکہ پائے ناز کو بوسہ دے کر وہ گناہ بخشوا سکوں جس کا ارادہ کر کے گھر سے نکلا تھا

ان لمحات میں قدرت نہ صرف عمر کو فاروق اعظم بنا رہی تھی بلکہ تاریخ اسلام کا انتہائی تابناک باب لکھا جا رہا تھا۔ مرادِ رسول ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے بہنوئی کے گھر سے چل نکلے۔ مسلمان ابھی تک دارِ ارقم میں ہی رہتے تھے۔ عمر کو آتا دیکھ کر بہت سے صحابہ گھبرا گئے۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ کھڑے ہو گئے صحابہ کو حوصلہ دیا کہ اگر عمر خیر کے ارادے سے آ رہا ہے تو بہتر ورنہ اس کی تلوار سے ہماری تلوار زیادہ طاقتور ہے۔ نگاہِ نبوت عمر کی بدلتی ہوئی تقدیر دیکھ رہی تھی، حضور ﷺ مجلس سے اٹھ کر دروازے پر تشریف لائے۔ عمر نے ایک نظر شہ خوباں کے رخ زیبا پر ڈالی۔ نگاہ میں عقیدت بھی تھی اور طلب بھی اس لئے نظریں ملتے ہی عمر حسنِ نبوت سے گھائل ہو کر وہیں قدموں پر ڈھیر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے دامن پکڑ کر جھٹکا اور فرمایا عمر! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم حق و صداقت کا نور دل میں اتار لو!

میرے آقا! غلام اسی خاطر حاضر ہوا ہے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ اے اندھیروں سے اجالوں میں لانے والے آقا! میں بھٹکا ہوا تھا تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ کرم آپ کا کہ در پہ بلا لیا استدعا ہے کہ اب اپنا نمک خوار ہی رکھیں۔ سیدنا عمر نے کلمہ پڑھا، تھوڑی دیر پہلے تک خوفزدہ حاضرین کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے

سب کی زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا وہ جانتے تھے عمر آیا نہیں لایا گیا ہے یہ وہ دعا ہے جو کل بروز بدھ مانگی گئی تھی اور آج بروز جمعرات اس کی حسین تعبیر ہمارے سامنے آ گئی ہے۔ شیر عمر ہماری تحریک میں شامل ہو گئے ہیں اہل فساد اب کوئی شرارت کرنے سے پہلے سو بار سوچیں گے۔ اور کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اجتماعی منصوبے بنائیں گے یونہی بیٹھے بیٹھے کسی کو ستانے کی جرأت نہیں کریں گے مشن کی تقویت کے خیال سے ان کی خوشی عروج پر پہنچ گئی۔ عرش والے بھی اس منظر سے لاتعلق نہیں تھے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور بتایا:

لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر	زمین والے ہی نہیں آسمان والے بھی عمر کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے ہیں۔
(سنن ابن ماجه، مقدمة حديث ۱۰۳)	

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حالات سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے یہاں کے ماحول میں گھٹن پائی جاتی ہے اور تحریک کے ساتھی کھل کر اپنے عزائم و مقاصد کا اظہار نہیں کر سکتے تمام فرائض و وظائف چھپ کر انجام دیتے ہیں اس تناظر میں انہوں نے اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی:

یارسول الله علی مانخفی دیننا ونحن علی الحق، ویظهرون دینهم وهم علی الباطل

"یارسول اللہ! ہم حق کے پرستار ہیں پھر ہمیں اپنا دین چھپانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ باطل پرست ہیں اور اپنے دین کو چھپاتے نہیں ہیں۔"

یہ ایک جلالت مآب شخصیت کا ان کے ذوق و مزاج اور نفسیات کے مطابق پہلا پر جلال تجزیہ تھا مسلمان جوش سے بھر گئے انہیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کے عزائم اور جرأت و بہادری کی توقع تھی۔ مگر قائد کا معاملہ ارکان و وابستگان سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ جوش سے نہیں حکمت عملی سے کام لیتا ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا:

یاعمر! انا قلیل، قد رایت ما لقینا — اے عمر! ہماری تعداد کم ہے اور ہمارے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔

اس لئے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی اسی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

والذي بعثك بالحق لايبقى مجلس، جلست فيه بالكفر الا اظهرت فيه الايمان

"لیکن میرے آقا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے (میں کافروں کو زچ کروں گا) کفر کی حالت میں جن مجلسوں میں بیٹھتا تھا اب ایمان کی حالت میں وہاں اپنے ایمان کا بھی اظہار و اعلان کروں گا۔ (جاہلوں کے ظلم و ستم سے ڈروں گا نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جذبے اور منصوبے کے تحت اٹھے مسجد حرام میں گئے بیت اللہ شریف کا طواف کیا عتبہ ابوجہل اور دوسرے صنادید ایک مجلس میں بیٹھے انہی کا انتظار کر رہے تھے۔ کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں اس کا انہیں بے حد قلق تھا اور وہ دیکھنا چاہتے تھے آیا یہ خبر سچی ہے یا یونہی کسی نے افواہ اڑائی ہے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بار بار دیکھ رہے تھے تاکہ وہ طواف سے فارغ ہو کر ان کے پاس آئیں اور صورت حال سے آگاہ کریں۔ طواف سے فارغ ہو کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کی طرف گئے ابوجہل نے چھوٹتے ہی سوال کیا: میں نے سنا ہے تم بے دین ہو گئے ہو؟ حضرت عمر نے جواب دیا: بے دین نہیں ہوا بلکہ حقیقی دین قبول کیا ہے۔

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

یہ سنتے ہی ان کے چہرے شدت غم سے فق ہو گئے وہ ایک لمحہ کے لئے سناٹے میں آگئے یہ خبر کوہِ الم بن کر ان کے خرمنِ جذبات پر گری اور انہوں نے آنکھیں بند کر

لیں جیسے حقائق سے آنکھیں چرانا چاہتے ہوں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بھر گئے ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا وہ سب کچھ بھول کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے حضرت عمرؓ نے آناً فاناً ان کے سردار عتبہ کو نیچے گرا لیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ انگلیاں اس کی آنکھوں میں پیوست کر دیں وہ درد سے بلبلا اٹھا اور چلایا کہ عمر کو چھوڑ دو! ورنہ وہ مجھے مار دے گا۔ جس شخص نے بھی آگے بڑھ کر بد تمیزی کرنے کی جرأت کی آپ رضی اللہ عنہ نے اسے تو کچھ نہ کہا اس کے سردار کو پکڑ کر خوب رگیدا جب سرداروں اور وڈیروں کی خاصی درگت بنی تو عاجز آ گئے اور بولے: اسے کچھ نہ کہو یہ اکیلا ہم سب پر بھاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میدان فتح کر کے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنے کارنامے سے آگاہ کیا اور عرض کی: میں نے راستہ صاف کر دیا ہے اب کسی کی مجال نہیں کہ ہمیں کعبہ کے قریب نماز پڑھنے سے روکے آپ ساتھیوں سمیت چلیں آج ہم نماز وہیں ادا کریں گے۔ سب رفقاء باہر نکل آئے حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے آگے آگے چلنے لگے باقی سب لوگ پیچھے ہو گئے سب لوگوں نے جب ان دونوں محمدی شیروں اور انقلاب کے سپاہیوں کو آتے دیکھا تو دروازے بند کر لئے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سامنا کرے۔

۱ البدایہ والنہایہ ۳: ۳۱
۲ الخصائص الکبریٰ ۱: ۲۱۹
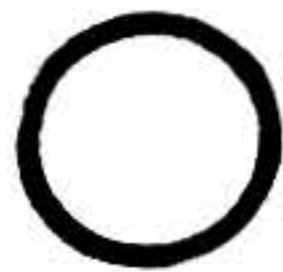
باب۔ ۴

فروغ دین سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ

مصطفوی تحریک وقت کے بے رحم اور جابر حکمرانوں کے خلاف اعلان بغاوت تھا۔ یہ مسلسل نفرت کا رد عمل اور اس نفرت پر غم وغصے کا غیر مبہم اظہار تھا جو غریبوں اور غلاموں کا خون چوسنے اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے خود غرض اور درندہ صفت قبائلی سرداروں کے خلاف غریب اور پسماندہ طبقے کے دلوں میں پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غربت وافلاس کی چکی میں پسے ہوئے ستم رسیدہ غلاموں نے اپنے حقوق کے تحفظ' انسانی قدروں کے احیاء اور معرفت ربانی کے حصول کے لئے عزم واستقلال سے مصطفوی تحریک میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ زیرِ زمین یہ سلسلہ زور پکڑ گیا۔ سعید فطرت لوگوں نے محسوس کیا کہ جبر وباطل کی جن زنجیروں میں ان کی روحیں جکڑی ہوئی ہیں اور زخموں سے چور چور ان کے انسانی وجود جس ظالم نظام کے غلام ہیں اس کے چنگل سے نجات کا یہی ایک ذریعہ ہے اور مصطفوی انقلاب ہی ان کے جملہ غموں کا مداوا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اہل ایمان کی ایک شاندار کھیپ تیار ہو گئی۔ جس میں اکثریت بظاہر مفلوک الحال اور پسے ہوئے طبقے پر مشتمل تھی اس تحریک میں کچھ بااثر افراد بھی تھے مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ تر وہی لوگ تھے جو مزدور پیشہ اور امراء کے غلام تھے۔ جب غلاموں اور کارکنوں کے آقاؤں کو پتہ چلا کہ ان کے ٹکڑوں پر پلنے والے مزدور اور غلام نئے دین اور انقلابی تحریک میں شامل ہو گئے ہیں اور باطل نظام کا تختہ الٹنے کی باتیں کرنے لگے ہیں تو وہ سیخ پا ہو گئے۔ جیسے کہہ رہے ہوں وہ سویرا ابھی طلوع نہیں ہونے دیں گے جب نیا نظام آ جائے اور ہمارا نظام شکست کھا جائے ہم ان غریبوں اور غلاموں کو اسی طرح جکڑ کر رکھیں گے یہ ہماری خدمت اور ہماری دولت میں اضافے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ ہماری خدمت ہی کرتے رہیں گے۔ ان کے قطعاً کوئی

حقوق نہیں ہیں کیونکہ عوام اور رعایا کے کوئی حقوق نہیں ہوتے اس لئے انہیں صبر شکر کر کے موجودہ حالت اور پست معیارِ زندگی پر ہی قانع رہنا چاہئے۔ آزادی سے سانس لینے کی خواہش دل سے نکال دینی چاہئے کیونکہ ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ انہوں نے اپنا ایک نمائندہ اجلاس بلایا تازہ ترین صورت حال پر غور کیا اور یہ قرارداد منظور کی کہ امراء عرب کا ایک بالائی سطح کا بااختیار وفد حضرت ابو طالب کے پاس جائے اور اس اجلاس کی متفقہ قرارداد ان کی خدمت میں پیش کرے۔

چنانچہ ابوجہل' ابوسفیان' عتبہ' شیبہ' ولید بن مغیرہ' عاص بن وائل اور دیگر سرکردہ افراد سراپا احتجاج بن کر حضرت ابو طالب کے پاس پہنچے اور شکوے کی زبان میں گویا ہوئے۔ اے ابو طالب! تیرے بھائی کے بیٹے نے ان دنوں جس نئے دین کا پرچار شروع کر رکھا ہے اس کی براہ راست زد ہمارے خداؤں پر پڑتی ہے۔ وہ ہمارے خداؤں کو ادراک وشعور سے محروم جامد پتھر کے ناکارہ مجسمے کہتا ہے۔ گویا انہیں خدا سمجھنا اور پوجنا دونوں پاگل پن کی علامات ہیں۔ یہ ہمارے خداؤں اور ان کو پوجنے والے بزرگوں کی عزت پر صریح حملہ ہے جس کو ہم قطعاً برداشت نہیں کرسکتے۔ آپ اور ہم ایک ہی دین کے پیروکار ہیں۔ اس کی تنقید سے آپ کے عقائد پر بھی زد پڑتی ہے لہذا آپ اسے سمجھائیں کہ ہمارے چہیتے خداؤں کو کچھ نہ کہے ہم یہ توہین برداشت نہیں کرسکتے۔ حضرت ابو طالب نے انہیں نرم لہجے میں سمجھادیا اور ٹھنڈا کر کے واپس کر دیا۔ چند روز سکون سے گزر گئے۔ یہ حضرت ابو طالب کا ردعمل دیکھنے کے لئے انتظار کرتے رہے مگر انہیں یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو کچھ بھی نہیں کہا۔ اپنے احتجاج کی اس بے قدری پر بہت تلملائے۔ از سر نو پھر وفد کی شکل میں آئے اور سخت لہجے میں کہا۔

یااباطالب! ان لك سنا وشرفا ومنزلة فينا وانا قد استنهيناك من ابن اخيك فلم تنه عنا. وانا والله لانصبر على هذا من شتم 'ابائنا وتسفية احلامنا وعيب 'الهتنا حتى تكفه عنا او ننازله

وایاك في ذالك حتى يهلك احد الفريقين ۔

(البداية والنهاية ، ۳ : ۴۷)

اے ابو طالب! آپ کو عرب معاشرے میں بڑی قدر و منزلت اور عزت و عظمت حاصل ہے اس لئے ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روک لیں۔ لیکن آپ نے اسے نہیں روکا۔ اللہ کی قسم! ہم اس روش پر مزید صبر نہیں کر سکتے کہ کوئی ہمارے آباؤ واجداد کو گالیاں دے۔ ہمیں احمق کہے اور ہمارے خداؤں کے عیوب بیان کرے۔ آپ اسے روک لیں' وگرنہ ہم آپ کو بھی اسی کے گروہ کا فرد قرار دے کر مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ ایک گروہ صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔

گویا یہ عرب قومیت کی طرف سے اجتماعی دھمکی تھی۔ حضرت ابو طالب نے ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ لوگ مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے غلط اور فاسد عقائد و نظریات پر تنقید ان کی برداشت سے باہر ہے۔ اتنی عقل نہیں کہ سوچیں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ درست ہے' اور علم و بصیرت کی میزان پر پورا اُترتا ہے۔ کچھ سوچ کر انہوں نے حضرت عقیل سے کہا: (عظیم المرتبت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کو بلا لاؤ! جب حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے تو حضرت ابو طالب نے کہا!

یاابن اخی! ان قومك قد جاءنی فقالوا كذا وكذا فابق علی وعلى نفسك ولاتحملنی من الامر مالا اطيق

"اے میرے بھائی کے بیٹے! تیری قوم میرے پاس آئی تھی' انہوں نے یہ بات کہی ہے اس لئے مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے آپ پر بھی اور ایسا بوجھ اٹھانے کی تکلیف نہ دو جو میں نہیں اٹھا سکتا۔"

الفاظ سے یہ ٹپکتا تھا کہ حضرت ابو طالب قوم کے دباؤ میں آ گئے ہیں اور اب اپنی معاونت اور اخلاقی مدد جاری رکھنے سے معذرت کر رہے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ

آئندہ کے لئے پشت پناہی سے دستکش ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے ساری باتیں سن کر بڑے عزم واستقلال سے جواب دیا:

یاعم! واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترك هذا الامر حتی یظهره الله او هلك فيه ما تركته

"اے چچا! اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو میں پھر بھی اس مشن کا پرچار ترک نہیں کروں گا یہاں تک کہ میری جان چلی جائے یا اللہ تعالیٰ اسے غلبہ عطا کر دے۔"

یہ الفاظ کچھ ایسے اٹل تھے اور عزم وخلوص کے ساتھ مؤثر پیرائے میں دل کی گہرائیوں سے ادا ہوئے تھے کہ چچا کا دل موم ہو گیا۔ حقیقت ان کی نگاہوں کے سامنے آشکار ہو گئی۔ انہوں نے جان لیا کہ (محمد ﷺ) جو مشن لے کر میدان میں آئے ہیں اس کی صداقت وحقانیت پر انہیں پکا یقین ہے اور وہ ان کی زندگی کا اوّلیں مقصد ہے جسے وہ کسی قیمت پر بھی ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے پُرعزم انداز اور استقلال وخلوص سے متأثر ہو کر کہا:

اذهب یا ابن اخی فقل ما احببت فو الله لااسلمك لشیء ابدا

اے میرے بھائی کے بیٹے! جا! جو تیرا جی چاہے، تبلیغ کر، خدا کی قسم! میں تجھے کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔

جب دوسری بار بھی قریش مکہ کے حسب خواہش نتائج برآمد نہ ہوئے تو انہوں نے تیسرا حربہ آزمانے کا فیصلہ کر لیا وہ مطعم بن عدی کی سرکردگی میں ایک خوبصورت نوجوان عمارہ کو لے کر حضرت ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہا: دیکھیں! ہم عمارہ آپ کے پاس لائے ہیں اسے آپ اپنا فرزند بنالیں۔ آپ کو فرزند کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔ اور محمد (ﷺ) ہمیں دے دیں تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ یہ جملے حضرت ابو طالب پر برق بن کر گرے وہ گرجے: اے مطعم! جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں تمہارا بیٹا اس لئے لوں کہ اسے پالوں اور اپنا بیٹا تمہیں اس لئے دے دوں کہ تم

اسے قتل کر دو کیا اسی کو انصاف کہتے ہیں؟ خدا کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ مطعم نے جواب دیا: اے ابو طالب۔ آپ کی قوم نے بڑا انصاف کیا ہے' جوان کے بدلے آپ کو جوان دے دیا ہے۔ یہ انصاف تم اپنے پاس ہی رکھو! ابو طالب نے جواب دیا: میں سمجھتا ہوں تم لوگوں نے مجھے تنہا چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تم سب اس ایک نقطے پر متحد ہو گئے ہو۔ مجھے بھی پروا نہیں جو تمہارا جی چاہے کرو میں کسی قیمت پر بھی تمہارا یہ سنگدلانہ مطالبہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

(البدایۃ والنہایۃ، ۳ : ٤٨)

یہ دو ٹوک جواب سن کر ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی انہیں توقع نہیں تھی کہ حضرت ابو طالب ان کا مطالبہ اس طرح مسترد کر دیں گے۔ صورت حال کو گوارہ کر لینا اور خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہنا بھی ان کے لئے ممکن نہ تھا اس خاموشی کا مطلب تو تھا کہ تحریک کو بڑھنے پھولنے دیں اور تناور درخت بننے کے لئے چھوڑ دیں اور اس کے زور پکڑنے کا واضح مطلب ان کی سیاسی و مذہبی موت تھا جسے قبول کرنے کے لئے وہ کسی صورت بھی تیار نہیں تھے۔

منصب و اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے ان لوگوں کے لئے آسان بات تو یہی تھی کہ اپنی نااہلی' گمراہی اور جہالت کا اعتراف کر لیں۔ لیکن وہ تو اپنے عیوب اور نااہلی کے باوجود اس بات کے امیدوار تھے کہ قوم انہی کو اپنے اوپر مسلط رکھے گی مصطفوی انقلاب کے سپاہیوں کو آگے نہ آنے دے گی اور نہ ان کی صلاحیتوں سے آگاہ ہو گی۔ مگر دعوت حق جس انداز سے زور پکڑ رہی تھی اور مشن جس تیزی سے پھیل رہا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا اقتدار چند روز کا مہمان ہے۔ پھر انہیں عوام کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑے گا وہ اس تصور ہی سے کانپ گئے اور ان کے کانچ کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو گیا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ اس سیلاب کے آگے کیسے بند باندھا جائے اور عوام کے ادھر کا رخ کرنے کو کیسے روکا جائے؟ آخر ان کی فکر فتنہ ساز نے اپنے مکر و فن کے تھیلے سے ایک ترکیب ڈھونڈ ہی نکالی جو ان کے خیال کے مطابق بڑی ہی مؤثر اور دیرپا اثرات کی حامل تھی دل ہی دل میں انہیں اپنی ترکیب کی کامیابی

یقین آ گیا اور وہ اس تنکے کے سہارے تھوڑی دیر کے لئے خوش ہو گئے اور اسے آزمانے کا عزم مصمم کر لیا۔ ترکیب اصولوں پر سودا بازی کرنے اور داعیؑ انقلاب ﷺ کو خریدنے کے سلسلے میں ناکام کوشش کی تھی۔

○
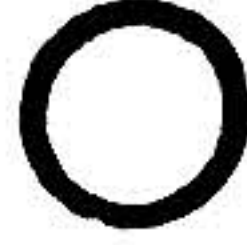
باب ۔ ۵

دنیاوی شان و شوکت اور مالی رشوت کی پیشکش

حضور نبی اکرم ﷺ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ چند سردار کبر و نخوت کے نشے میں بدمست وہاں آ نکلے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا جو اردگرد کے ماحول سے بے نیاز اپنے مالک حقیقی سے لو لگائے بیٹھے تھے۔ ہم کیسے مطلق العنان سردار ہیں کہ یہ شخص ہمارے قابو ہی میں نہیں آتا۔ بے یار و مددگار ہونے کے باوجود پُرعزم ہے۔ اپنے اردگرد' طاقتور رفقاء جمع کرتا جا رہا ہے جب تنہا تھا تب ہم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اب تو حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے پہلوان بھی اس پر ایمان لے آئے ہیں اب ہم اس پر کیسے ہاتھ ڈال سکتے ہیں اگر اس کے رفقاء اور وابستگان کی تعداد اسی طرح بڑھتی رہی تو ایک روز یہ ہمیں یہاں سے نکال دے گا اور ہمارا اقتدار مٹی میں ملا دے گا۔

اس شخص کا دعویٰ ہے میں اقتدار نہیں چاہتا مجھے منصب' کرسی' اقتدار کسی چیز کی ہوس نہیں میں صرف اللہ کے دین کا اقتدار چاہتا ہوں۔ اسی کا کلمہ بلند دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔ تم لوگ اس کا دین اپنا لو اللہ کے بندے بن جاؤ! اور اس کا قانون اپنی زندگی میں نافذ کر لو۔ مجھے تمہارے اقتدار سے تمہاری دولت سے کوئی سروکار نہیں۔ میرا مشن' زندگی کا مقصد اور تمام جدوجہد کا حاصل صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ کے قانون کی بالا دستی۔ اس دنیا میں تمام انسان برابر ہیں' غریب' امیر' کالا' گورا' سب یکساں حقوق کے مالک ہیں' رنگ و نسل اور زبان و قومیت کی وجہ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں' معیار فضیلت صرف تقویٰ ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہتا ہے بتوں کی خدائی کا بھی انکار کرو۔ یہ بے حس و حرکت' جامد پتھر ہیں۔ ان سے آس لگانا مقامِ آدمیت کی توہین ہے۔ جو اپنے جسم سے مکھی نہیں اڑا سکتے اور ہلنے جلنے کی سکت نہیں رکھتے وہ دوسرے کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟ الغرض مختلف پہلوؤں پر سوچ سوچ کر ان کا

ذہن ماؤف ہو گیا وہ اپنی محدود فکر کے ساتھ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ عتبہ نے کہا: اے عرب کے نامور فرزندو! جان لو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سوچ ہم سے بہت مختلف ہے۔ اس کی چالیس سالہ زندگی کا شفاف آئینہ ہمارے سامنے ہے ہم دیکھتے ہیں اس طویل عرصہ میں صداقت وامانت اور طہارت و شرافت کا نور اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے درخشاں رہا ہے۔ وہ ان اعمال کے قریب بھی نہیں گیا جن کے ہم رسیا ہیں۔ اس لئے اگر وہ ان پر تنقید کرتا ہے تو یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لیکن جو بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ اتنی تگ و دو اور انتھک محنت کس کے لئے کرتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مقصد کیا ہے؟ وہ کیوں پوری قوم کے مقابلے میں سینہ سپر ہو گیا ہے؟ اسے کسی کی مخالفت، عداوت اور دھمکیوں کی پرواہ ہی نہیں، وہ ان خوفناک کاروائیوں کی تباہ کاری کا اثر لینے سے بے نیاز ہے جو اس کے خلاف کی جا رہی ہیں۔ کوئی مقصد اس کے ذہن پر ایک دھن کی طرح سوار ہے جس نے اسے جرأت وہمت کی ایک ناقابل تسخیر شان عطا کی ہوئی ہے۔ یہ ہر انجام سے بے نیاز اپنے مقصد کی خاطر آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن آج میں اس کا مقصد معلوم کر کے رہوں گا۔ پرکشش پیشکش کے ذریعہ سربستہ راز اگلواؤں گا وہ اپنے منصوبے کی کامیابی کی روشن امید لے کر اٹھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ بات کا آغاز کیا:

یاإبن أخي! إنك منا حيث قد علمت من السطة في العشيرة والمكان في النسب وإنك قد اتيت قومك بامر عظيم فرقت به جماعتهم وسفهت احلامهم وعبت الهتم ودينهم وكفرت من مضى من ابائهم فاسمع مني حتى اعرض عليك امورا تنظر فيها، لعلك تقبل منها بعضا

اے میرے بھائی کے بیٹے! حسب ونسب کے لحاظ سے آپ کا جو مقام ومرتبہ ہے آپ اس سے بخوبی واقف ہیں مگر آپ نے (نئے دین کی) تحریک چلا کر اچھا نہیں کیا آپ اپنی قوم کے خداؤں میں پائے جانے والی عیوب کھول

کھول کر بیان کرتے ہیں۔ انہیں جاہل اور ان پڑھ کہتے ہیں۔ ان کے طریق کار اور طرزِ زندگی پر تنقید کرتے ہیں۔ جو ان کے باپ دادا گزر گئے ہیں ان کے طرز زندگی کو بھی کفر کہتے ہیں۔ آپ نے جماعت میں انتشار کا بیج بو دیا ہے۔ اس پیچیدہ صورت حال کے تصفیہ کے لئے میں نے کچھ باتیں سوچی ہیں میں وہ پیش کرتا ہوں۔ آپ ان پر غور و فکر کریں ممکن ہے ان میں سے کوئی آپ کے لیے قابل قبول ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قل یا ابا الولید! اسمع — اے عتبہ! میں سن رہا ہوں، تم کہتے جاؤ۔

عتبہ نے دانا بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، بھتیجے! میں تمہارے جہد و عمل اور محنت و مشقت کا دل سے قائل ہوں ایک انسان کو اسی سرگرمی سے کام کرنا چاہئے مگر جو بات میرے فہم و ادراک سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ تم کسی مقصد کے لئے خونخوار مخالفتیں مول لے رہے ہو اور عداوتوں کے طوفان میں کود رہے ہو۔ قوم میں تمہارا ایک مقام و مرتبہ ہے۔ وہ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔ غور سے تمہاری بات سنتی ہے پھر تم اس کو سیدھے راستے پر لانے پر کیوں تل گئے ہو۔ اگر وہ غلط راہ پر ہے اور اس میں خامیاں پائی جاتی ہیں تو تمہیں کیا؟ غلط کاریوں کا نتیجہ بھگتنا پڑا تو وہ خود بھگتے گی تمہارا تو کچھ نہیں جائے گا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اس طرح تم برُے بننے سے بچ جاؤ گے۔ میں نمائندہ قوم کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں اور تین صورتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں امید ہے آپ کسی ایک کو قبول کرلیں گے۔

- پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ کی تگ و دو کا مقصد، دولت کا حصول ہے تو ہم مل کر دولت کے انبار لگانے کے لئے تیار ہیں۔ اتنی دولت جمع کر دیں گے کہ پورے عرب میں آپ سے زیادہ کوئی امیر نہیں ہو گا۔
- دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ شادی کے خواہشمند ہیں تو ہم پورے خطے کی حسین

ترین عورت کو آپ کے نکاح میں دینے کے لئے تیار ہیں اور یہ بات کسی کے لئے باعث عار بھی نہیں ہوگی کیونکہ آپ باوقار اور عالی نسب ہیں۔

○ تیسری بات یہ ہے کہ ہم آپ کو اپنا بادشاہ اور سربراہ بنانے کے لئے بھی تیار ہیں اگر آپ یہ سب کچھ "حصولِ اقتدار" اور شان و شوکت کے لئے کر رہے ہیں تو آپ کو جان لڑانے کی ضرورت نہیں گھر میں آرام سے بیٹھیں ہم خود آکر تاج شاہی آپ کے سر پر رکھ دیں گے۔ یہ ہماری غیر مشروط پیشکش ہے آپ کو جو صورت منظور ہو بلا جھجک فرما دیں ہم بلا تاخیر اس پر عمل درآمد شروع کر دیں گے۔ عتبہ نے بہت بنا سنوار کر یہ باتیں کیں اور پُر امید نظروں سے حضور ﷺ کی طرف دیکھنے لگا اپنے دنیا دارانہ زاویہ نگاہ سے اس نے بہت اُونچی باتیں کہہ دی تھیں جو کسی بھی دنیا دار کو شیشے میں اُتارنے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ دنیاوی اقتدار پرستوں کے پاس انسانوں کے ضمیر خریدنے کا یہی تو زر ہے اور ان کی نظروں میں ایک عام انسان کی یہی تو قیمت ہے اور عتبہ نے یہ قیمت لگا دی اسے سو فیصد یقین تھا اس نے جو پانسہ پھینکا ہے وہ اس میں کامیاب رہے گا اور ہاری ہوئی بازی جیت لے گا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کسی دنیا دار سے نہیں بلکہ سرورِ دو عالم اور تاجدار کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہے۔ جہاں دنیاوی مال و متاع کی حیثیت پرکاہ جتنی بھی نہیں' وہ چاہیں تو حورانِ بہشتی سمیت بہشت کو نیچے اُتار لیں اور حسن و جمال کے جلوے عام کر دیں۔ چاہیں تو عناصر کائنات پر حکومت واقتدار کے ایسے معجزے دکھائیں کہ شاہانِ وقت پابوس ہو جائیں اور زمین کو حکم دیں تو وہ اپنے خزانے اُگل دے۔ مگر وہ نابینا تھا' غبی اور کند ذہن تھا۔ شرک کے اندھیروں میں بھٹکا ہوا راہی' بصارت اور بصیرت جیسی نورانی قوتوں سے محروم تھا۔ اس کے ترکش میں یہ تین ہی تیر تھے جو اس نے چلا ڈالے تھے اور اب ان کا اثر دیکھنے کا متمنی تھا۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔۔ جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے یا ابھی کچھ باقی ہے؟ ابو الولید عتبہ نے جواب دیا: میں سب کچھ کہہ چکا ہوں اب آپ ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میری بات سننا چاہتے ہو تو غور سے سنو! آپ نے نہایت درد و سوز کے ساتھ بڑے ہی شیریں اور دلنشیں انداز میں

سورہ حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کرنا شروع کر دیں۔

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ● كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ● بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ●

(حٰمٓ السجدة، ٤١ : ١-٤)

یہ (قرآن) رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل ہوا یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں واضح طور پر بیان کر دی گئی ہیں۔ قرآن عربی زبان میں ان کے لئے ہے جو صاحب فہم وبصیرت ہیں۔ خوشخبری سنانے والا اور منکرین حق کو ڈرانے والا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگوں نے روگردانی کی وہ رسول کی بات کو سنتے ہی نہیں (سمجھیں گے کیا)۔

حضور نبی اکرم ﷺ تلاوت فرماتے گئے عتبہ بیٹھ گیا۔ صاحبِ زباں تھا۔ کلام کی فصاحت و بلاغت اور اعجازِ شان سے بے حد متاثر ہوا۔ مضمون کی گہرائی اور واقعیت نے اس کے قوائے فکر و شعور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ آج تک اس نے ایسا معنیٰ خیز، فصیح وبلیغ اور اثر انگیز کلام نہیں سنا تھا۔ وہ پہلے روز بلاغت کلام کی ایک نئی لذت سے آشنا ہوا۔ وہ قائل ہو گیا کہ محمد (ﷺ) جو کلام پیش کرتے ہیں۔ اثر آفرینی کے لحاظ سے کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ قرآن کی بلاغت سے گھائل ہو کر ہم نشینوں کی طرف چل پڑا اس کے ساتھیوں نے دور سے دیکھا کہ عتبہ آ رہا ہے۔ چال میں لڑکھڑاہٹ ہے۔ سر جھکا ہوا ہے۔ کہنے لگے یہ وہ عتبہ نہیں ہے جو گیا تھا۔ عتبہ قریب پہنچا تو بے تابی سے بولے: جلدی بتاؤ! مذاکرات کا کیا نتیجہ نکلا؟ عتبہ نے جواب دیا: دوستو! میری رائے یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم وہ جو کلام پیش کرتے ہیں اس میں وہ اثر ہے جو کسی کلام میں نہیں۔

واللہ ماسمعت مثلہ واللہ ماھو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکھانۃ	خدا کی قسم میں نے اس کلام کی مثل کبھی بھی نہیں سنا۔ نہ وہ شعر ہیں نہ جادو ہے اور نہ ہی وہ کہانت ہے۔

میری مانو تو انہیں اپنا کام کرنے دو۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو حقیقت میں یہ تمہاری کامیابی ہو گی۔ کیونکہ تم مقتدر لوگ ہو اور اگر دوسرے لوگوں نے انہیں مغلوب کر دیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا اور تم محنت سے بچ جاؤ گے۔ حاضرین مجلس عتبہ کا منہ دیکھنے لگ گئے۔ ایک نے کہا: محمد (ﷺ) نے اس پر بھی جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے کہا: دانائی کی بات وہی ہے' جو میں نے کہہ دی ہے آگے ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

(دلائل النبوۃ بیہقی، ۲ : ۲۰۳)
(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ۱ : ۵۰۱)

○
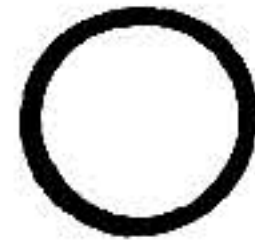
باب۔۶

اصولوں پر سودے بازی کی دعوت

قریش کے اکابر و صنادید نے بڑے چاؤ کے ساتھ عتبہ کو حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ انہیں پکا یقین تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے گا اور داعیٔ انقلاب کو دولت حکومت اور خوبصورت بیوی کا لالچ دے کر راہِ توحید سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر جب نتیجہ ان کی توقع کے برعکس نکلا اور عتبہ جیسے جہاندیدہ اور مخالفِ انقلاب شخص نے بھی حضور ﷺ کے حق میں آ کر باتیں کرنا شروع کر دیں اور اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ وہ مصطفوی انقلاب کی راہ میں مزاحم ہونے سے باز آ جائیں تو انہیں مایوسی ہوئی وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس انقلابی قوت کو خریدنا اور اس کے ضمیر کا سودا کرنا ممکن نہیں۔ البتہ اس راہ میں یہ امکان ہے کہ اپنے ہی آدمی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور دوسروں کو اپنے ڈھب پہ لاتے لاتے اپنا ایک قیمتی تجربہ کار ساتھی کھو دیں۔ وہ از سرنو سوچ بچار کے لئے بیٹھ گئے۔ ہمارا یہ حربہ ناکام ہو گیا ہے مگر ہمیں ایک ناکامی پر ہمت نہیں ہارنی چاہیے اگر ایک راہ بند ہو گئی ہے تو ممکن ہے دوسری کھل جائے اور صورت حال ہمارے لئے سازگار بن جائے۔

ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور اسود جیسے مکار لوگ نئی منصوبہ بندی میں لگ گئے اجتماعی سوچ نے انہیں ایک اور راہ سمجھا دی وہ خوشی سے اُچھل پڑے۔ ہمیں اصولوں پر سودا کر لینا چاہیے کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی بہت موزوں رہے گی وفد کی شکل میں محمد (مصطفیٰ ﷺ) کے پاس چلتے ہیں اور انہیں اپنی پالیسی سے آگاہ کرتے ہیں امید ہے وہ اسے ضرور مان لیں گے آخر کسی ایک صورت کو تسلیم کرنے کے سوا ان کے پاس اور چارہ ہی کیا ہے؟ وہ مل کر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ایک شخص نے اپنی آمد کا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا اے محمد! "ہماری مجلس حل و عقد کے

ارکان نے ایک نئی تجویز پاس کی ہے وہ اتنی برحق اور انصاف پر مبنی ہے کہ اس میں کسی فریق کے حقوق کی پامالی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس میں فریقین کے حقوق کا یکساں خیال رکھا گیا ہے۔

دوسرے سردار نے کہا: آپ کے پاس قوم کے اعلیٰ دماغ آگئے ہیں جو تمام قبائل کے نمائندہ ہیں ان کی یہ منفرد سوچ قابلِ قدر ہے اور ان کی صداقت پسندی کی دلیل ہے اگر آپ نے اسے قبول کر لیا تو تمام اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ذہنی و فکری فضا میں جو تناؤ اور دلوں میں جو بعد پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے گا۔ ایک شخص نے اپنی متفقہ تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ آپ ہمارے خداؤں کو جھوٹا' باطل اور بے حقیقت کہتے ہیں۔ اور ہم آپ کے ان دیکھے خدا کا انکار کرتے ہیں۔ درمیانی راہ یہ ہے کہ ہم تمام اختلافات بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کے خداؤں کو نہ ماننے کی روش ترک کر دیں۔ آپ ہمارے خداؤں کو مانیں اور ان کی عبادت کریں۔ اگر اس میں کوئی خیر و برکت نظر آئے تو اسے حاصل کریں۔ اس کے جواب میں ہم بھی آپ کے خدا کو مانیں گے اور اس کی عبادت کریں گے۔ اور اس میں موجود خیرو برکت سے استفادہ کریں گے باری باری ایک ایک سال تک ہم ایک دوسرے کے معبودوں کو ماننے اور عبادت کرنے کا معاہدہ کرتے ہیں۔

شرک کی نجاستوں میں لت پت عقل کے اندھوں نے بات تو کہہ دی مگر یہ بھول گئے کہ دن اور رات ایک وقت میں اکٹھے نہیں ہوتے' جھوٹ اور سچ کو باہم ملا کر نہیں چلایا جا سکتا۔ حق و صداقت کی اپنی منفرد شان ہے اس کے اپنے اصول اور ضابطے ہوتے ہیں جنہیں کسی صورت میں بھی قربان نہیں کیا جا سکتا اور حق پرست لوگ ہر قسم کا جانی و مالی نقصان برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنے اصولوں پر سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

— اہلِ مکہ کے لئے یہ امر بھی قابلِ توجہ تھا مگر نجانے اتنے اندھے کیوں ہو گئے کہ ایک طرف وہ بتوں کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کی "شان عالی" میں کوئی نامناسب لفظ سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور حضور ﷺ کے ساتھ ان کا بنیادی

جھگڑا اور اختلاف ہی یہ تھا کہ وہ ان کے محبوب خداؤں کی بے ادبی کرتے ہیں اور انہیں خدا ماننے کیلئے تیار نہیں۔ وہ شب و روز بتوں کی خدائی کے گن گاتے تھے سفر و حضر میں انہیں اپنی بغلوں میں دبائے پھرتے تھے۔ جہاں ترنگ آتی ان کی عبادت میں جت جاتے تھے۔ اس قسم کے "اربابِ وفا" اور "اخلاص پیشہ" پجاریوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان کی عبادت و معبودیت کے باب میں سودا بازی بھی کرسکتے ہیں یا ان کی عبادت و خدائی کے نظریئے سے دستکش ہو کر کسی اور خدا کی عبادت کے لئے بھی تیار ہو سکتے ہیں۔ مگر چونکہ باطل پرست تھے ان کا کوئی ضابطۂ اخلاق اور اصول نہ تھا اس لئے ان پر سودے بازی کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور اس گمان فاسد میں مبتلا ہو گئے کہ جس طرح وہ بے اصول ہیں اسی طرح ان کے مد مقابل محمد (ﷺ) بھی (نعوذ باللہ) بے اصول ہیں۔

اس مہمل تجویز اور سودے بازی کی دعوت کا حق و صداقت اور نبوت و رسالت کی بارگاہ میں جو حشر ہونا تھا وہی ہوا اور وہ لوگ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور انہیں پتہ چل گیا۔ باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سورہ الکافرون نازل فرمائی جس میں ہدایت کی گئی کہ ان کی تجویز ان کے منہ پر دے مارو اور انہیں بتادو کہ اس قسم کی پیوند کاری باطل تو قبول کر سکتا ہے مگر حق کی بارگاہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

قُلْ يَآاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ• لَآاَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ• وَلَآاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآاَعْبُدُ• وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّاعَبَدْتُّمْ• وَلَآاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآاَعْبُدُ• لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ•
(الکافرون، ۱۰۹)

اے حبیب لبیب! فرمادو! اے کافرو! تم جس کی عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور جس کی تم نے عبادت کی میں اس کی کبھی بھی عبادت نہیں

کروں گا اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

مصطفوی تحریک میں شمولیت کے لئے امراء مکہ کے عجیب مطالبات

جب مکہ کے مقتدر سیاسی عناصر نے اپنے مذاکرات میں منہ کی کھائی اور سودا بازی میں بھی ناکام ہو گئے اور نبوت کی حق ساز تحریکی قوت کو کسی قسم کا دنیاوی اور مادی لالچ دینے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر نئے سرے سے سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچ بچار میں مصروف ہو گئے کہ اب کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ کیونکہ سب کا مشاہدہ اور تاثر یہی تھا کہ صرف تماشائی بن کر بیٹھے رہنا اپنے سیاسی مستقبل اور معاشی مفادات کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ اور ذلت و غلامی اور افلاس و محرومی کو دعوت دینا ہے اگر آج اپنے اقتدار اور سیاسی مفادات کا تحفظ نہ کیا تو ان کا آفتاب بہت جلد غروب ہو جائے گا۔

• اس موقعہ پر مجلس شوریٰ میں ولید، عتبہ، ابو جہل، شیبہ، عاص بن وائل، عبداللہ بن ابی امیہ اور دیگر قابل ذکر ارکان سب موجود تھے ایک نے کہا:

محمد (ﷺ) کو بلا کر ان سے ایسے مطالبات کرو جنہیں وہ پورا نہ کر سکیں اس طرح ہمیں ان کے خلاف مہم چلانے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقعہ مل جائے گا اور وہ شرمسار ہو کر جوابی کاروائی بھی نہ کر سکیں گے۔ لیکن یہ یاد رکھو مطالبات کی نوعیت بہت سنگین اور ناممکن العمل ہونی چاہیے۔ اور معقول صورت نکل آئی تو وہ اسے فوراً پورا کر دیں گے۔

ہمارا مقصد ان کو چپ کرانا اور ان کا مذاق اڑانا ہے اس لئے کوئی معقول اور سیدھا مطالبہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسے مطالبات کریں گے جن میں ہمارا مادی فائدہ ہو اگر انہوں نے وہ پورے کر دیئے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے باقی

رہا ان پر ایمان لانے اور رسول تسلیم کرنے کا معاملہ تو خاطر جمع رکھو یہ سوال ہی اس بحث سے خارج ہے تمام مطالبات انہیں زچ کرنے کے لئے ہیں صداقت کا امتحان لینے کے لئے نہیں۔ انہوں نے ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ قوم کے سرکردہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں لہٰذا تشریف لائیں۔ جب آپ ﷺ تشریف لے آئے تو انہوں نے چھوٹتے ہی کہا:

یا محمد! انا قد بعثنا الیك، لنكلمك وانا واللہ مانعلم رجلا من العرب ادخل علی قومه مثل ما ادخلت علی قومك

(السیرۃ النبویة لابن هشام . ۱ : ۲۹۵)

ہم نے آپ کی طرف آدمی بھیج کر آپ کو اس لئے بلایا ہے تاکہ آج آپ کے ساتھ فیصلہ کن بات کر سکیں بخدا ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو مصائب و آلام سے اس طرح دوچار نہیں کیا ہے۔ جس طرح آپ نے کیا ہے۔

آپ نے ان کی اجتماعیت اور یکجہتی کو پراگندہ کرکے رکھ دیا ہے آپ کے سامنے ہم نے مفاہمت اور تعاون کی مختلف صورتیں رکھیں مگر آپ نے سب کو مسترد کر دیا اب ہم آپ سے کچھ مطالبات کرنا چاہتے ہیں آپ انہیں پورا کردیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہم صرف اپنا اطمینان چاہتے ہیں کہ جس خدا پر ایمان لانے کی آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں وہ کس حد تک آپ کی بات مانتا ہے اور اس کے دربار میں آپ کی کیا قدر و منزلت ہے؟ اگر آپ نے ہمارے مطالبات پورے کر دیئے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ خدا آپ کی ہر بات مانتا ہے اور جو کچھ آپ کہتے ہیں اسے قبول کرتا ہے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

○ ہمارا پہلا مطالبہ قومی نوعیت کا ہے۔ دیکھیں ہم چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرے ہوئے ہیں ان کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ہموار زمین ناکافی ہے رہائشی رقبہ کم ہونے کی وجہ سے لوگ بہت پریشان ہیں ہم

چاہتے ہیں اپنے شہر کو وسعت دیں۔ اپنے رب سے کہیں اس پہاڑی سلسلے کو آبادی سے دور کردے تاکہ شہر میں پائی جانے والی موجودہ تنگی دور ہو جائے۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ خوش ذوق شہری ہیں اچھے مناظر پسند کرتے ہیں اس لئے اپنے رب سے کہیں وہ یہاں نہریں جاری کر دے جن میں بہتا ہوا پانی ہماری آنکھوں کو تازگی بخشے اور کھیتوں کو سیراب کرے اور آب پاشی کے لئے جو قلت پائی جاتی ہے وہ بھی دور ہو جائے۔

○ ہمارا تیسرا مطالبہ بھی ہے وہ یہ کہ ہمارے جو آباؤ اجداد فوت ہو گئے ہیں انہیں بلائیں خصوصاً ہمارے مورثِ اعلیٰ "قصی بن کلاب" کو زندہ کریں کیونکہ یہ شخص بڑا راستباز اور صداقت پسند تھا وہ زندہ ہو کر گواہی دے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور جنت و دوزخ اور حساب و کتاب اور قیامت کے بارے میں جو کچھ آپ بتاتے ہیں وہ سب سچ ہے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

ظاہر ہے ان بے معنی اور بے حقیقت مطالبات کا کیا جواب ہو سکتا تھا؟ حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمالیا کہ انہوں نے اس اہتمام کی آڑ میں محض طنز و استہزا کا سامان کیا ہے اس لئے جواب ارشاد فرمایا۔

ما بهذا بعثت اليكم انما جئتكم من الله بما بعثني به وقد بلغتكم ما ارسلت به اليكم فان تقبلوه فهو حظكم في الدنيا والآخرة وان تردوه على اصبر لامر الله تعالى حتى يحكم الله بيني وبينكم (السيرة النبوية لابن هشام ، ١ : ٢٩٦)

"میں ان مطالبات کی تکمیل کے لئے نہیں بھیجا گیا جو تم نے پیش کئے ہیں میں تو اللہ کی طرف سے خصوصی احکام اور تعلیمات لے کر آیا ہوں اور وہ پیغامات میں نے تم تک پہنچا دیئے ہیں اگر تم انہیں قبول کر لو تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش قسمتی ہے اور اگر قبول نہ کرو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔"

یہ واضح اور دوٹوک جواب سن کرانہوں نے پینترا بدلا۔ اچھااگر آپ قومی سطح کے یہ فلاحی کام انجام نہیں دے سکتے تو ہم مطالبات کی نوعیت بدل دیتے ہیں ہماری شان وشوکت سب پر نمایاں ہے اور مقام ومرتبے کے اعتبار سے کوئی ہم سے فروتر نہیں جبکہ آپ کی مالی حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ مادی ذرائع ووسائل کی اس کمزوری میں ہم کیسے باور کرسکتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ اوراس نے ہم جیسے امراء میں سے آپ کو منتخب کیا ہے؟ اگر رسول بنانا ہی تھا تو وہ مکہ کے ولید کو بناتا یا طائف کے ابو مسعود کو بناتا جو امیر کبیر لوگ ہیں آپ کا رسول ہونا کچھ جچتا نہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف، ۴۳ : ۳۱)	مکہ اور طائف کے دوشہروں میں جو بڑا امیر کبیر آدمی ہے یہ قرآن اس پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔؟

○ چلو ہم فرض کرلیتے ہیں کہ اس نے آپ کو رسول بنادیا ہے لیکن اس صورت میں آپ کو ہم پر کوئی فوقیت تو حاصل ہونی چاہیے آپ اپنے رب سے کہیں وہ آپ کو امیر کبیر بنادے سونے اور چاندی کے انبار عطا کرے آپ کے رہائشی محلات ہوں جن کی آرائش وزیبائش دیکھ کرانسانی عقل ششدر رہ جائے ان کے علاوہ آپ کی دولت میں اضافہ کرنے والے شاندار باغات ہوں وسیع وعریض رقبے پر پھیلے ہوئے کھجوروں کے نخلستان ہوں آپ کے قیمتی چمنستان انگور'انار اور اسی نوع کے دوسرے رسیلے اور خوش رنگ پھلوں سے لدے ہوئے ہوں جنہیں دیکھ کریقین آجائے کہ واقعی آپ سچے رسول ہیں اور آپ کی پیروی کرتے ہوئے ہمیں کوئی حجاب نہ آئے اور ہمیں عار محسوس نہ ہو موجودہ حالت میں تو آپ پر ایمان لاتے ہوئے بڑی شرم آتی ہے۔

اس محض لغو اور فضول سوال کے جواب میں بھی حضور ﷺ نے وہی کچھ فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ اس پر ایک تیسرے صاحب بولے۔

○ اگر آپ ہمارے یہ "معقول" اور "مبنی برحق" مطالبات ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر ہمارا آخری ایک ہی مطالبہ ہے کہ اپنے رب سے کہیں ہم پر آسمان گرادے۔

آپ نے فرمایا یہ اللہ کی مرضی ہے میرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے وہ فرض میں نے ادا کردیا۔

○ ماحول کے اندر گرمی دیکھ کر عبد اللہ بن ابی امیہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نے بھی مطالبہ کر دیا۔

میرے ایمان لانے کا معاملہ سب سے الگ ہے میں تو اس وقت مانوں گا جب آپ میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے دستاویزی ثبوت لے کر آئیں کہ آپ واقعی سچے رسول ہیں۔ ہاں! میرے لئے محض یہ بات بھی کافی نہیں ہوگی جب تک کہ چار فرشتے بھی ساتھ نہ ہوں اور وہ گواہی دیں کہ واقعی محمد (ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ان خرافات کا جواب کیا ہو سکتا تھا۔ آپ نے وہی پہلا جواب دیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ (السیرۃ الحلبیہ ۱/ ۳۰۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲: ۲۷۱)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مال و دولت سونا چاندی باغات و محلات اور دوسرے زخارفِ دنیا کی حیثیت مکھی کے پر جتنی بھی نہیں اسی وجہ سے یہ چیزیں کافر، مشرک، ملحد و بے دین اور ہامان و قارون تک کو دے دی جاتی ہیں۔ وہ تصور کرتا ہے کہ یہ بہت اہم چیزیں ہیں اور اسے خوش قسمتی و بد قسمتی اور حق و باطل کا معیار بنالیتا ہے۔ جس کے پاس دولت نہیں ہوتی اسے انسان سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ امراء کو ایک الگ برادری تصور کرتا ہے اور غرباء کو اس اونچی برادری (HIGH GENTRY) میں شامل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

یہ کج فہمی جہالت اور ضلالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو اس سے شعور اور بصیرت کی دولت بھی چھین لیتی ہے۔ امراء مکہ نے اسی فاسد اور جہالت پر مبنی ذہنیت کا مظاہرہ کیا بے تکی باتیں کیں مگر انہیں فکر کی معراج سمجھا اور دانائی کا نچوڑ قرار دیا رسالت مآب ﷺ نے بھی ان کے لغو اور بے جا مطالبات کو بے اہمیت سمجھا اور انہیں نظرانداز کرتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

بے شک مصطفوی تحریک اور مشن کو ایسے خبطی اور ناہموار ذہن لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں جو دولت کے نشے میں سرشار ہر قدر انسانی سے عاری ہوں اور مادیت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوں۔

○

باب ـ ۷
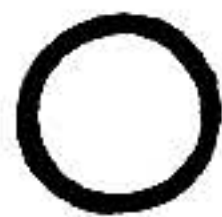
نبوی مشن سے عناد کی مادی وجوہات

اللہ کے دین کی خوشبو مکہ کی ہواؤں میں رچ بس گئی تھی۔ گلی کوچوں میں بھی وہ خوش قسمت لوگ کثرت سے نظر آنے لگے تھے جنہوں نے اس ملکوتی خوشبو کو دل ودماغ میں بسالیا تھااور پھراسی میں مست رہنے لگے تھے۔ انہیں خوشی تھی کہ اس دین مبین سے تعارف ہوا۔ وہ اس کی آغوشِ شفقت وکرم میں آگئے اور جہنم کی آگ سے چھوٹے وگرنہ ان کا بھی وہی حشرہوتا جو اہلِ شرک وضلالت اور مصطفوی تحریک سے بغض وعناد رکھنے والوں کے لئے مقدر ہے۔

ایمان کے عطاکردہ کیف و سرور سے سرشار ان مطمئن چہروں کو دیکھ کر ابوجہل' ولید بن مغیرہ' ابولہب' عقبہ بن ابی معیط اور اسی قماش کے دوسرے معاندین کے سینوں پر سانپ لوٹتے تھے۔ وہ ایک مسلمان کو بھی دیکھ لیتے تو یوں محسوس کرتے جیسے سارا مکہ بلکہ سارا عرب مسلمان ہو گیا ہے ان کے نزدیک سب سے بڑی اور وحشت ناک خبریہی تھی کہ فلاں مسلمان ہوگیاہے حضرت امیرحمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسلام سے وابستگی اور مصطفوی انقلاب کی تحریک میں شمولیت نے ان کی کمر توڑ ـــــ دی تھی اور وہ خود کو بے دست وپااور مجبور ومعذور محسوس کرنے لگے تھے۔

ابوجہل' ابولہب اور اس کے ساتھیوں نے صداقتِ نبوت کے بہت سے نشانات دیکھ لئے تھے۔ کلامِ ربانی کی بلاغت و تاثیر بھی جانچ لی تھی۔ آپس میں بیٹھ کر اعتراف بھی کرلیا تھاکہ یہ سچے ہیں مثلاً جب نبی اکرم ﷺ نے تمام امراءِ مکہ کو دعوت دی تھی اور وہ چالیس پینتالیس کے قریب کھانے کے لئے آگئے تھے تو انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھاکہ وہاں بمشکل ایک آدمی کا کھانا تھاجو تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایامگر متاثر ہونے کی بجائے ابولہب بگڑگیاکہ یہ تو جادو ہے۔ پھرایسا عظیم الشان معجزہ

انہوں نے ہر دعوت میں دیکھا۔

مختلف مواقع پر ابو جہل نے دیکھا کہ ایک خوفناک اونٹ یا آگ کی خندق اس کے اور حضور ﷺ کے درمیان حائل ہے۔ اسی طرح غیرمانوس مخلوق کا مشاہدہ کیا جو حضور اکرم ﷺ کی حفاظت کر رہی اور اسی قسم کے بہت سے خلاف معمول واقعات تھے جو ایک بالغ نظر اور سلیم الفطرت دانا انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جو اسے روشن حقائق تسلیم کرنے سے روکتی تھیں اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایمان قبول نہیں کرنی دیتی تھیں۔

قرآن پاک نے ان کی راہ میں رکاوٹ احوال و وجوہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ

(حم السجدة ، ۴۱ : ۵)

"اور وہ بولے! آپ ہمیں جس دین اور مشن کی طرف بلا رہے ہیں (ہم اسے قبول نہیں کریں گے) کیونکہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کان بند ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک بہت بڑا حجاب حائل ہے لہٰذا آپ اپنا کام کریں ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

یہ ہٹ دھرمی خواہ مخواہ کی ضد اور زبردست دشمنی بلاوجہ نہیں تھی بلکہ اس حسد و عناد کے پیچھے کچھ مصلحتیں کارفرما تھیں اور کچھ سیاسی اور معاشی وجوہات تھیں جو انہیں مخاصمت پر کمربستہ رہنے اور عداوت کی روش جاری رکھنے پر ابھارتی رہتی تھیں۔ وہ نوشتۂ دیوار پڑھ لینے کے باوجود اس مخالفت کو جاری رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ سیاسی معاشرتی اور معاشی وجوہات یہ تھیں۔

ا۔ سیاسی وجوہات

اقتدار ایک ایسی شراب ہے جس کا نشہ بہت تیز ہوتا ہے۔ عام شراب کا نشہ تو

پھر بھی کسی وقت اتر جاتا ہے مگر شرابِ اقتدار کا نشہ اُترتا ہی نہیں۔ یہ جسے ایک بار چڑھ جاتا ہے پھر وہ چاہتا ہے کہ یہ چڑھا ہی رہے۔ اگر کوئی اتارنا چاہے تو یہ اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ تمام سیاسی اصول' اخلاقی ضابطے اور معاشرتی تقاضے بالائے طاق رکھ کر بد اخلاقی' بدتمیزی بلکہ دہشت گردی پر اتر آتا ہے اقتدار بچانے کے لئے وہ سب کچھ کر گذرتا ہے جس کی اجازت انسانی ضمیر نہیں دیتا وہ دین چھوڑ دیتا ہے خدا' رسول اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔ بد دیانتی اور قوم فروشی کے جرم کو گوارا کر لیتا ہے مگر اقتدار سے ہاتھ دھونا گوارا نہیں کرتا۔

اگر مدِ مقابل لائق وفائق جہاندیدہ تجربہ کار اور حکومت و سلطنت چلانے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہو تو وہ اس کے حق میں دستبردار ہونے اور اسے امور جہانبانی انجام دینے کا موقعہ فراہم کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتا' بلکہ اپنی خامیاں اور خرابیاں نظرانداز کرکے اس کی عظیم المرتبت شاندار شخصیت اور قابل فخر ذات میں کیڑے نکالنے لگ جاتا ہے نیز اپنی جہالت پر شرمسار ہونے کی بجائے اس پر اتراتا ہے

اس کی وجہ یہ کہ اقتدار و منصب کی وجہ سے اس کے عیوب پر پردے پڑے رہتے ہیں کوئی اس کی ذات میں پائے جانے والے کیڑے اسے نہیں دکھاتا لوگ چار وناچار احترام سے پیش آتے ہیں۔ اور خاموشی ہی میں عافیت سمجھتے ہیں انتقامی کاروائی سے بچنے کے لئے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اس لئے اقتدار پر قابض چور اور حکومت کی گدی پر براجمان ڈاکو' اقتدار سے چمٹا رہنے ہی میں اپنی بقاء دیکھتا ہے۔ ابولہب وغیرہ کا معاملہ بھی یہی تھا اس میں سیادت و قیادت کی اہلیت نہیں تھی۔ وہ پرلے درجے کا خائن قومی سطح کا چور اور بددیانت سردار تھا۔ ایک دفعہ اس نے کعبہ معظمہ کے لئے وقف خزانے سے سونے کا ایک زیور چوری کرکے فروخت کردیا تھا۔ مگر اس کے سامنے کوئی دم نہ مار سکا۔ کسی نے اسے چور اور لٹیرا کہنے کی جرات نہ کی کیونکہ وہ سردار تھا۔ اقتدار پر قابض تھا اور اسی لئے قابض رہنا چاہتا تھا تاکہ خزانہ چوری کرنے کا موقعہ ملتا رہے اور پردہ پوشی بھی ہوتی رہے۔

ابولہب اور اس کے ساتھیوں کے مفادات اقتدار و حکومت کے ساتھ ہی وابستہ تھے اور اقتدار جانے سے ان کے مفادات پر براہ راست زد پڑتی تھی جبکہ مصطفوی انقلاب ان کے اقتدار ہی کا خاتمہ چاہتا تھا اور ان کی جعلسازیوں ریشہ دوانیوں اور لوٹ کھسوٹ کے لئے پیغام موت تھا۔ اس لئے وہ اسی تناسب سے شدت کے ساتھ اس کے دشمن بن گئے تھے۔

۲۔ معاشرتی وجوہات

عرب کے معاشرے میں ایک ہی باپ کی اولاد کے دو بڑے خاندان ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ بنو ہاشم اپنے حسب و نسب اور جاہ وجلال پر فخر کرتے تھے اور دوسری طرف بنو امیہ کو اپنی خوبیوں پر ناز تھا دونوں خاندان ایک دوسرے کا دباؤ اور دبدبہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اگر ایک فریق کو دوسرے پر کسی بھی لحاظ سے برتری حاصل ہو جاتی تو دوسرا آگے بڑھ کر اس کا توڑ کر دیتا مگر اس کی برتری تسلیم نہ کرتا۔

ابوسفیان اور عقبہ بن ابی معیط دونوں قبیلہ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے بنو ہاشم کی کسی عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے جود و کرم عطاء وبخشش امداد و اعانت شجاعت و بہادری اور فصاحت وبلاغت وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں کوئی بھی شخص دوسرے کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر سچی نبوت ایک ایسی چیز ہے جو اختیاری نہیں بلکہ وہبی ہے اور اس کا مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ اس کے پیچھے تائید ربانی کار فرما ہوتی ہے اور سخت مخالفت کی آندھیوں میں بھی اسے تحفظ فراہم کرتی ہے لیکن جھوٹی نبوت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی دجل و فریب کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹتا ہے اور جھوٹا شخص رسوا ہو جاتا ہے۔

جب قبیلہ بنو ہاشم میں حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان واظہار فرمایا تو بنو امیہ کے لئے بڑا مسئلہ بن گیا باقی معاملات میں تو وہ اس خاندان کا مقابلہ کرسکتے تھے مگر نبوت میں کیسے کرتے؟ اگر مخالفت کے جوش میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیتے تو سر عام بدنام

ہوتے اور سچی نبوت کو تسلیم کر لینے سے فریق مخالف کی عظمت تسلیم کرنا پڑتی تھی جوان کے لئے موت سے بدتر صورت تھی اس لئے بنو امیہ نے زبردست مخالفت کی روش کو اپنایا اور جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں پھر بھی زبان سے اقرار کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ ایک دفعہ اخنس بن شریق ابو جہل کے پاس آیا اور کہا:

"یہ تو طے ہے کہ ہم نے مصطفوی مشن کو قبول نہیں کرنا ہے اور اس کے راستے میں روڑے اٹکانے ہیں مگر میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ محمد سچے ہیں یا نہیں؟ یہاں کوئی موجود نہیں ہے دل کی بات بتا دو!"

ابو جہل نے تعصب بھرا جواب دیا۔

تنازعنا نحن وبنو عبد مناف الشرف اطعموا فاطعمنا، وحملوا فحملنا، واعطوا فاعطينا حتى اذا تجاذينا على الركب وكنا كفرسى رهان قالوا منا نبى ياتيه الوحى من السماء فمتى ندرك مثل هذه؟ والله لانؤمن به ابدا ولا نصدقه

(السيرة النبوية لابن هشام ، : ٣١٦)

"ہم دونوں خاندانوں نے شرف و کمال میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا چنانچہ انہوں نے لوگوں کی ضیافت کی تو ہم نے بھی کی انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی دیں انہوں نے سخاوت کی تو ہم نے بھی کی یہاں تک کہ جب ہم مقابلہ کرتے کرتے تھک گئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور ہماری حالت ان دو گھوڑوں جیسی ہو گئی جو شرط لگا کر دوڑائے گئے ہوں اور تھک کر چور ہو گئے ہوں تو اب بنو ہاشم نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ ہم میں ایک نبی ہے۔ جس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اب ہم یہ مقام کیسے پا سکتے ہیں؟ اس لئے خدا کی قسم! ہم ان پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کی تصدیق کریں گے۔"

ابو جہل نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا مخالفت کی بنا خاندانی چشمک اور رقابت ہے معاشرے اور برادری میں ہم پلہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کی برتری تسلیم کر ہی نہیں سکتے انہیں سچا نبی مان لینے کا مطلب یہ ہے کہ "بنو ہاشم" معاشرے میں فائق ہو گئے اور انہوں نے برادری میں "بنو مخزوم" اور "بنو امیہ" کو سرراہ پچھاڑ دیا یہ خاندانی ذلت ہے اور اسے گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

اسی قسم کے خیالات کا اظہار امیہ بن ابی الصلت نے بھی کیا تھا یہ وہ زاہد مزاج، نیک سیرت اور پرہیزگار شخص تھا جسے یہ خوش فہمی تھی کہ اس دور کا نبی وہی ہے اور وقت آنے پر خدا اسے ہی نبوت عطا فرمائے گا مگر جب حضور نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ابو سفیان نے اس سے پوچھا! تم حقائق کی روشنی میں جانتے ہو کہ آنے والے نبی سچے ہیں ان پر ایمان لانے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ امیہ نے اپنی ساری پرہیزگاری حق پسندی اور شرافتِ نفس بالائے طاق رکھ کر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ خاندانی تعصب سے لبریز جواب دیا:

وَاللہ ما کنت لاؤمن برسول من غیر ثقیف ابدا	خدا کی قسم! میں کسی ایسے رسول پر ایمان نہیں لا سکتا جو میرے قبیلہ ثقیف سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

(الوفا باحوال المصطفی : ٥٤)

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ولید بن مغیرہ اور اس کے جہالت مآب بھتیجے ابو جہل کی سفاکانہ عداوت کی واحد وجہ یہی تھی کہ "صادق و امین نبی" ہاشمی تھے اور خود ان دونوں کا تعلق "قبیلہ بنو مخزوم" سے تھا۔ ان کے نزدیک نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان کے اپنے قبیلے کی برتری ختم ہو گئی ہے اور بنو ہاشم کو عرب معاشرے میں بالادستی حاصل ہو گئی ہے وہ اس صورت کو کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے عداوت اور دشمنی میں اس انتہاء تک پہنچ گئے جہاں تک پہنچنا ممکن تھا۔

۳۔ معاشی وجوہات

کعبہ کے متولی اور خدام ہونے کے حوالے سے بنو ہاشم کو پورے عرب میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ڈاکو اور رہزن ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض نہ کرتے تھے اس طرح ان کی تجارت فروغ پذیر تھی اور اس سیادت کی بدولت انہیں معاشی آسودگی حاصل تھی۔ انہیں ہدایا و تحائف بھی وصول ہوتے رہتے تھے اور دیگر مراعات بھی حاصل تھیں انقلاب کی صورت میں انہیں خطرہ تھا کہ یہ سب مراعات ان سے چھن جائیں گی۔ سیادت کے سہارے جو کچھ وہ حاصل کر لیتے ہیں وہ خواب و خیال ہو جائے گا۔ دولت کی ریل پیل ختم ہو جائے گی اس لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کہ انقلاب نہ آئے اور ان کی معاشی سرداری قائم رہے۔

اللہ

باب ـ ۸

کردار کشی کی مہم

حج کے ایام قریب تھے۔ قریشِ مکہ کو علم تھا حج کرنے کے لئے قبائل دور دور سے آتے ہیں اور محمد عربی ﷺ اور ان کی نبوت کا شہرہ ملک کے طول و عرض میں پھیل چکا ہے۔ جو وفود اور تجارتی قافلے ادھر آتے ہیں انہوں نے نئے دین اور مصطفوی مشن کی خبر ہر جگہ پہنچادی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں نئے نبی سے ملنے اور ان کی باتیں سننے اور ان کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے سوچا اگر آنے والوں کو براہ راست اس نبی سے ملنے اور ان کی پُر حکمت باتیں سننے کا موقعہ مل گیا تو گھر گھر اسلام پھیل جائے گا اور لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگ جائیں گے اور وہ سماجی اور فکری انقلاب آجائے گا جو محمد عربی ﷺ کا مشن اور مطمع نظر ہے۔ ولید بن مغیرہ بہت چالاک عمر میں سب سے بڑا اور حالات پر گہری نظر رکھنے والا گھاگ قسم کا انسان تھا۔ اس نے تمام چیلوں کو جمع کیا اور انہیں ایک بہت بڑے خطرے کا احساس دلایا: ابناءِ عرب! تم جانتے ہو لوگ حج کے لئے آنے والے ہیں مکہ مکرمہ کے گلی کوچے زائرین سے کھچا کھچ بھر جائیں گے۔ معاشرتی اجتماعات ہوں گے میلے لگیں گے محفلیں جمیں گی تم محمد ﷺ کے کلام کی تاثیر اور زبان کی فصاحت و بلاغت اور گفتگو کی شیرینی سے واقف ہو وہ دل موہ لیتی ہے دماغوں کو متاثر کرتی ہے۔ اگر آنے والوں تک اس کا کلام پہنچ گیا تو سمجھ لو انقلاب آ گیا اس کا خطاب ہی جادو ہے اگر اس جادو کے اثر سے زائرین کو دور رکھنا اور اپنے مادی مفادات اور دنیاوی جاہ و جلال کا تحفظ کرنا ہے تو ابھی سے منصوبہ بندی کرلو اجتماعی سوچ بچار اور (PLANNING) کے بعد ایک نقطے پر جمع ہو جاؤ اور محمد (مصطفیٰ ﷺ) کے بارے میں ایک متفقہ رائے قائم کرلو اور پھر زور شور سے اس کا پرچار شروع کردو منظم طریقے سے اس کی کردار کشی کی مہم چلاؤ

جب مل کر ایک ہی بات تواتر کے ساتھ کہی جائے گی تو زائرین کو یقین آ جائے گا اور وہ اس کی بات توجہ اور دلجمعی سے نہیں سنیں گے اور نتیجتاً تم اپنا مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ مجلس میں حاضر تمام سرداروں کی باچھیں کھل گئیں ان کے نزدیک ولید کی ساری باتیں سو فیصد درست تھیں جس خطرے کی اس نے نشاندہی کی وہ واقعی سر پر منڈلا رہا تھا۔ وہ بیک زبان ملتجی ہوئے کہ آپ نے خطرہ محسوس کیا ہے اب آپ ہی اس سے بچنے کا راستہ بھی بتائیں۔ ولید نے کہا: سب اپنی اپنی رائے دو میں صائب رائے کی منظوری دے دوں گا۔ ایک سردار نے کہا: ہم ڈھنڈورا پیٹیں گے کہ وہ "کاہن" ہے۔ اس طرح لوگ اس کے قریب آنے سے گریز کریں گے۔

ولید نے تنقید کی: بالکل غلط رائے ہے کاہن لوگ بے معنیٰ تک بندی کرتے ہیں۔ مگر محمد (ﷺ) جو بات کہتا ہے وہ تو حکمت و موعظت سے لبریز ہوتی ہے۔ دوسرے سردار نے کہا: ہم کہیں گے وہ "مجنون" ہے۔ ولید نے اس خیال کو بھی رد کر دیا بولا: ہم نے دیوانے اور مجنون لوگ دیکھے ہیں جنہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو دانش و بصیرت کے گلستان کھلے ہوئے ہیں ان کی ذات نظافت وطہارت اور پاکیزگی کا پیکر ہے۔ ایسے میں کون یقین کرے گا کہ یہ دیوانہ ہے۔ تیسرا بولا: ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا: یہ دعوی بھی بے جا ہے اس کا حقیقت و اصلیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ ہم لوگ خود سخن شناس اور شاعری کی تمام اصناف سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس سے صادر ہونے والا کلام کسی صنف شاعری سے نہیں ملتا۔ چوتھے نے مشورہ دیا: تم مشہور کر دو کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا: دوستو! یہ دعوی بھی بے حقیقت ہے جادوگروں کی گندی اور بیہودہ زندگی سے ہم واقف ہیں۔ وہ معاشرے کے غلیظ ترین اور انتہائی گرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جبکہ محمد ﷺ ہمارے ہی قول کے مطابق صادق و امین اور حسن و جمال کا پیکر ہے۔ سب لوگ سٹپٹا گئے اے عرب کے دانا فرزند! جب ہماری آراء اور مشورے تیرے نزدیک قابلِ عمل نہیں تو پھر تو ہی کچھ کہہ! اور اس مشکل کا حل پیش کر! تاکہ ہم اس پر عمل پیرا ہوں اور اپنے خاندانی شرف کا

دفاع کریں۔ ولید نے کہا:

واللہ ان لقولہ لحلاوۃ وان اصلہ لعذق وان فرعہ لجناۃ وما انتم بقائلین من ھذا شیئا الا عرف انہ باطل وان اقرب القول فیہ، لان تقولوا ساحر، جاء بقول ھو سحر، یفرق بہ بین المرء وابیہ، وبین المرء واخیہ وبین المرء وزوجتہ وبین المرء وعشیرتہ،
(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ، ۱ : ۲۷۰)

"خدا کی قسم! اس کے کلام میں مٹھاس ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اس کی شاخیں رسیلے پھلوں سے لدی ہوئی ہیں تم جو تہمت بھی لگاؤ گے اس کا پتہ چل جائے گا کہ یہ باطل اور جھوٹ ہے البتہ قریب ترین بات یہی ہے کہ تم "جادوگر" کہنے پر اتفاق کر لو اور لوگوں کو ڈراؤ کہ وہ ایسا کلام لے کر آیا ہے جس کے ذریعہ وہ باپ بیٹے میاں بیوی بھائی بھائی اور خاندان اور اس کے افراد کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔"

ابو جہل اور دیگر امراء نے بھی اس رائے کو سراہا اور قریباً اسے ہی تھوڑا بہت قابلِ عمل سمجھا کیونکہ کاہن مجنون اور شاعر والی بات تو ان کے نزدیک بھی سرے سے بنتی ہی نہیں تھی۔ لوگ زیارت کر کے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتے کہ یہ ہستی وہ کچھ نہیں ہے جو اس کے بارے میں کہا گیا ہے البتہ جادوگر کی معاشرے پر ایک دہشت ہوتی ہے جس کا نام لے کر ڈرایا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کردار کشی کے لئے یہ منصوبہ تو بنا لیا مگر سب چور تھے کسی کا دل اس تہمت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا سب اپنے طور پر سمجھ رہے تھے کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ ان کی عزت و عظمت اور سیاسی اقتدار کی بقا کا سوال ہے۔ اگر کردار کشی کی زوردار مہم نہ چلائی گئی اور پیٹ بھر کر جھوٹ نہ بولا گیا تو بہت تھوڑے عرصہ میں انقلاب آجائے گا لوگ مصطفوی پرچم تلے جمع ہو جائیں گے اور ان کی جھوٹی معاشرتی قدریں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گی۔ ابو سفیان

ابو جہل اور اخنس بن شریق کو رات بھر نیند نہ آئی۔ وہ اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور کاشانۂ نبوی کے قریب کان لگا کر کھڑے ہو گئے کسی کو ایک دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔

اللہ کے پیارے نبی ﷺ کیف و سرور اور جذب و استغراق کے عالم میں بڑے پر سوز اور اثر آفرین لہجے میں کلامِ ربانی کی تلاوت فرما رہے تھے تینوں سنتے رہے۔ اعجازِ بلاغت نے تینوں کو ششدر کر دیا۔ زبان شناس فصیح و بلیغ اور سخنور لوگ تھے مبہوت و مسحور ہو گئے۔ دل ہی دل میں اس کی عظمت و انفرادیت کو سراہا اور تسلیم کیا کہ واقعی بے مثل طاقت بشر سے خارج اور اعجازی شان کا حامل کلام ہے جس کی رفعت و ندرت میں کوئی شک نہیں۔ ان کے حواس مختل ہو گئے جب اُجالا پھیلنے لگا تو بھاگے خدشہ لاحق ہوا کسی نے دیکھ لیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔ ڈر خوف کے باوجود ان کا بھانڈا حقیقتاً چوراہے میں پھوٹ گیا۔ تینوں چوراہے میں جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

تینوں چور تھے آپس میں وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ مگر دوسری رات بھی نہ رہ سکے اور اس رات بھی ان کا راز ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا۔ اب انہوں نے پختہ عہد کیا کہ آئندہ کسی قیمت پر بھی وہ ایسی حرکت نہیں کریں گے کیونکہ اس میں صریحاً نبی اکرم ﷺ کی جیت ہے لوگ جان لیں گے کہ ان کا کلام وحیٔ الٰہی ہے۔ جس سے بلغاء و فصحاء بھی متأثر و مرعوب ہیں۔ لیکن وہ فی الحقیقت مرعوب ہو چکے تھے اس لئے تیسری رات بھی وہ کشاں کشاں کاشانۂ عالیہ کے قریب پہنچ گئے اور کلامِ الٰہی سننے میں منہمک رہے۔ آخر دن کے وقت اخنس ابو جہل کے پاس گیا اور کہا ایمان لانے والی بات دوسری ہے مجھے صرف اتنا بتا دو محمد (کریم ﷺ) کا کلام سچا ہے یا نہیں؟ ابو جہل نے جواب دیا: یہ سب معاشرتی اور خاندانی رقابت ہے محمد (ﷺ) سچا ہے لیکن ہم نے اگر اسے نبی تسلیم کر لیا تو بنی ہاشم کو فوقیت حاصل ہو جائے گی جو ہمیں کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۱:۳۱۵)

مطلب یہ تھا کہ سوال نبی کی صداقت کا نہیں بلکہ اپنی خاندانی وجاہت کا ہے۔

جسے ہم ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں اس لئے "سچے نبی" کی کردار کشی کی مہم زور دار انداز سے چلائیں گے اور لوگوں میں بدگمانیاں پھیلائیں گے اور مشہور کردیں گے کہ جادوگر ہے اور جو کچھ بن پڑا وہ سب کچھ کہیں گے۔ چنانچہ ایام حج شروع ہونے کے ساتھ ہی حسب پروگرام کردار کشی کی مہم بھی شروع ہو گئی۔ ایک شخص ربیعہ بن عباد اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے کہ میں ان دنوں مکہ مکرمہ گیا ہوا تھا جب بازارہ ذوالمجاز سے گذرنے لگا تو ایک صاحب کو دیکھا جو حسن وجمال میں یکتائے روزگار تھے وہ کہہ رہے تھے

یاأیها النـاس، قولـوا، لا الـه الا الله، تفلحوا	اے لوگو! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لو! کامیاب ہو جاؤ گے۔

پھر ایک بھینگے شخص کو دیکھا جو ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ لوگو! اس کی بات نہ مانو یہ جھوٹا اور بے دین ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ مقامی لوگوں نے بتایا! یہ محمد رسول اللہ ہیں اور پیچھے آنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔ بعد میں یہی ربیعہ مسلمان ہو گئے تھے۔

ولید بن مغیرہ ' اخنس ' امیہ بن خلف اور نضر بن حارث نے کردار کشی کی اس نامسعود مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ باتیں بنا بنا کر بدنام کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا اور اپنی طرف سے لوگوں کی نظروں سے گرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ امیہ بن خلف جب بھی حضور ﷺ کو دیکھتا تو آوازے کستا اور چوٹیں کرنے سے باز نہ آتا۔ مجلس میں سامنے اور پیٹھ پیچھے اس کا یہی کام تھا گویا اس نے خود کو اس مقصد شنیع کے لئے وقف کر دیا تھا۔

عربی زبان میں علانیہ کردار کشی اور نکتہ چینی کرنے والے کو "همزة" اور آگے پیچھے لگائی بجھائی کرنے والے چغل خور کو "لمزة" کہتے ہیں امیہ بن خلف میں یہ دونوں عیب پائے جاتے تھے اس لئے اس کی مذمت میں یہ مکمل سورہ نازل ہوئی

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ۝ كَلاَّ لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ۝

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ• الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ• اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ• (الھمزۃ : ۱۰۴)

"کردار کشی اور چغل خوری کرنے والے ہر شخص کے لئے ہلاکت و بربادی ہے جس نے مال جمع کر لیا ہے اور اب اسے گن گن کر رکھ رہا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اسے دائمی زندگی بخش دے گا ایسا ممکن ہی نہیں وہ آتش دوزخ میں پھینکا جائے گا اے انسان! تو کیا جانے وہ دوزخ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو اپنے ہول کے ساتھ دلوں پر چھا جائے گی بے شک وہ لمبے لمبے ستونوں میں ان پر بند کر دی جائے گی۔"

ولید بن مغیرہ اس پروپیگنڈہ مہم میں امیہ بن خلف سے بھی دو چار قدم آگے تھا۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں جنہوں نے اس کے تمام پول کھول کر رکھ دیئے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ• هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ• مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ• عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ• (القلم ، ۶۸ : ۱۰-۱۳)

"آپ اس کی طرف دھیان نہ دیں جو بڑی قسمیں اٹھانے والا ہے ذلیل ہے کردار کشی کی مہم چلانے والا ہے۔ چغل خور ہے خیر و فلاح اور (دینی تحریک میں) شمولیت سے روکنے والا ہے حد سے بڑھ جانے والا سرکش اور گناہگار ہے بڑا ہی تند خو ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ حرام زادہ ہے۔

نضر بن حارث بڑا باتونی افسانہ طراز اور داستان گو شخص تھا اسے نمک مرچ لگا کر چٹخارے دار کہانیاں سنانے کا فن خوب آتا تھا اسے سیاحت و تجارت کے دوران کہیں سے رستم و اسفندیار کے قصے مل گئے جو دیو مالائی کہانیوں کی طرح بہت دلچسپ تھے۔ اس شخص نے عام لوگوں کو یہی چسکا ڈال دیا جب حضور ﷺ کسی مجلس میں تبلیغ فرما کر گھر تشریف لے جاتے تو یہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا اور انہیں رستم و اسفندیار کے تخیلاتی قصے سناتا لوگ ان میں کھو جاتے اور سب کچھ بھول کر یہی سنتے رہتے۔ نضر بن

حارث انہیں بتاتا جس طرح میں نے یہ کہانیاں جمع کی ہیں اسی طرح محمد (ﷺ) نے بھی کہیں سے حاصل کرلی ہیں۔ وہ تمہیں قومِ عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم واسفند کی جنگوں کے واقعات سناتا ہوں بنیادی طور پر دونوں ایک ہیں اس لئے تم لوگ ان کی باتوں پر دھیان نہ دو۔ اور نہ اپنے آباؤ واجداد کا دین چھوڑو چنانچہ اس کی مذمت اور رد میں بھی یہ آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا
(الفرقان ، ۲۵ : ۵)

اور وہ بولے! یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں پس وہ صبح وشام ان پر پڑھی جاتی ہیں۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا
(الجاثیة ۴۵ : ۸)

ایسے بربادی اور ہلاکت ہے ہر جھوٹے گنہ گار کے لئے جو اللہ کی آیات سنتا ہے پھر متکبر بن کر اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے گویا کچھ سنا ہی نہیں۔

کہانیاں سنا کر گمراہ اور غافل کرنے کا ذکر اس آیت کریمہ میں بھی ہے آخر میں اس کی سزا بھی سنادی گئی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ
(لقمان : ۳۱ : ۶)

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو بے کار باتیں (غافل کرنے والی باتیں) خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکائے اور نادانی کی وجہ سے اسے مذاق کا نشانہ بنائے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

کردار کشی کی اس مہم میں اور لوگ بھی شریک تھے جو انہوں نے پوری قوت اور زور شور کے ساتھ چلائی اور جو کچھ ان سے بن پڑا وہ کیا۔ جھوٹ بولا تہمتیں لگائیں، اذیتیں دیں، لوگوں کو متنفر کرنے کی کوششیں کی مگر حضور ﷺ نے بالکل ہمت

نہ ہاری۔ نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ فرماتے رہے اور اپنا مشن جاری رکھا۔ دعوت و تبلیغ کے عمل میں کوئی کمی نہ آنے دی مکہ مکرمہ سے باہر کے لوگ اس تحریک میں شامل ہوتے رہے اور مشن کی تقویت کا باعث بنتے رہے۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہماری کردار کشی اور بدنام کرنے والی جملہ کوششوں سے ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ لوگ زیادہ دلچسپی اور توجہ کے ساتھ آپ ﷺ کی بات سنتے ہیں اور حضور ﷺ بھی جرأت و بہادری کے ساتھ اپنے تبلیغی و انقلابی کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں تو بہت سیخ پا ہوئے۔ فیصلہ کر لیا کہ اب وہ بزورِ بازو اس تحریک کو دبانے اور بانیٔ تحریک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور انجام کی پرواہ کئے بغیر ذاتِ گرامی پر تشدد کریں گے اور ان کی صداقت و امانت اخلاص و شرافت صلاحیت و قابلیت اخلاقی عظمت اور کردار کی بلندی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیں گے۔ بے شک یہ اوصاف قابلِ احترام ہیں اور انسانیت کے حوالے سے ان کے بالا قامت ہونے پر دلالت کرتے ہیں مگر اس احترام اور اعتراف سے ان کا اپنا سیاسی قد چھوٹا ہوتا ہے۔ دنیاوی مفادات کو نقصان پہنچتا ہے جو کسی صورت گوارا نہیں خود کو برقرار رکھنے اور اپنا وجود تسلیم کرانے کے لئے ضروری ہے کہ اتنا بڑا انسان راستے میں نہ آئے اور لوگ اس کی خوبیوں سے آگاہ نہ ہونے پائیں اور ہمارے ہی ہتھے چڑھے رہیں تاکہ ہم انہیں جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ لیکن یہ ان کی سوچ تھی قدرت کو جو منظور تھا وہ ہو کر رہا اور کردار کشی کی مہم مصطفوی تحریک کا کچھ نہ بگاڑ سکی' اسلام کا نور روز بروز کراں تا کراں پھیلتا چلا گیا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دو گے
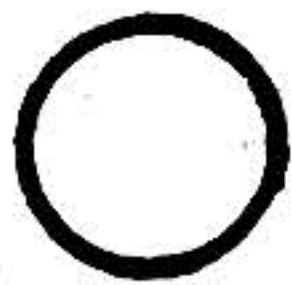
باب ۔ ۹

مخالفت کے طوفانوں میں صبر و استقامت اور قائدانہ جرأت

پیغمبر اعظم و آخر حضور نبی اکرم ﷺ نے جن ناسازگار حالات میں دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز فرمایا ان میں کام کرنا بڑی جرأت آمیزی تھی۔ راستے میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کرنے والے لوگ بڑے قد آور' بارسوخ اور دولت وطاقت کے نشے میں بدمست تھے وہ سب کچھ چھوڑ سکتے تھے مگر اپنی چار دن کی سرداری اور دنیاوی شوکت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ ایثار ان کے آمرانہ مزاج ہی کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے کھلے دشمن بن گئے کیونکہ انہیں نظر آتا تھا اس کے پھیلاؤ میں ان کے دنیاوی جاہ وجلال کی موت ہے۔

اہلِ مکہ کی زبردست مخالفت کا ایک سبب ان کا عشق بتاں بھی تھا۔ صدیوں کی اس پوجاپاٹ نے ان کے ذہنوں پر بتوں کی الوہیت کا نقش گہرا کر دیا تھا جب حضور ﷺ ان کی الوہیت کی نفی کرتے اور ان کی جھوٹی خدائی پر ضرب لگاتے تو ان کی عقیدت کو ٹھیس پہنچتی۔ اور جوابی کاروائی کے طور پر شدّومدّ سے حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت شروع کر دیتے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے اعمال وافعال پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے یا اپنے گریبان میں جھانکنے کی کوشش نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی یہ بھی نہ سوچا کہ ہمارے طور طریقے اور مذہبی نظریات دانش وبصیرت کے خلاف اگر محض آباؤ اجداد کی فرسودہ روایات کی پیداوار ہیں تو انہیں ترک کردیں اور اس دین کو اپنالیں جو عقل وبصیرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور پتھروں کی پرستش کی ذلت سے ہٹا کر ایک خدا کی عبادت کی عزت عطا کرتا ہے۔

مگر اعتقادی گمراہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لیتی ہے۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے چچا آزر کو بت گری اور بت فروشی کے غیر معقول عمل سے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ سمجھنے اور غلط حرکت سے باز آنے کی بجائے آپ علیہ السلام کا دشمن بن گیا تھا اور پتھروں سے لہولہان کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔

لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ — اگر آپ باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا۔
(مریم، ۱۹ : ۴۶)

اسی طرح ایک سلیم الفطرت دانا وبینا انسان کسی بچھڑے کی پوجا کا تصور بھی نہیں کر سکتا مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل اعتقادی گمراہی کی وجہ سے اس کی پوجاپاٹ میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس کی محبت میں خدا کو اور اس وقت کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیا تھا۔ اہلِ مکہ کی ذہنی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی بتوں کی محبت ان کے قلوب و اذہان پر چھا چکی تھی۔ جس نے ان کی فکری صلاحیتیں چھین لی تھیں اور انہیں اندھا بہرا اور گونگا بنا دیا تھا۔ اپنی سیادت اور چودھراہٹ کو بچانے کے لئے انہوں نے دین دشمنی اور مخالفت کی ایسی خوفناک فضاء پیدا کردی جو تبلیغ اور دعوت کے پھیلاؤ کے لئے انتہائی ناسازگار تھی۔ قائد کی ذات ہی مرکزی کردار ہوتی ہے انہوں نے تاک کر اسے نشانہ بنایا اور ذہنی صدمات پہنچانے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا تاکہ گھبرا کر اپنے مشن سے دستکش ہو جائیں۔ ان کی یہ منفی کاروائیاں کسی مختصر مدت تک محدود نہ تھیں بلکہ سالوں پر پھیل گئیں اور مخالفتوں کے اس طوفانِ بدتمیزی میں ایسی نازیبا حرکتیں بھی شامل ہو گئیں جن کا ایک مہذب اور شائستہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر امراءِ قریش دشمنی کے جوش میں تہذیب و شائستگی کی تمام حدود پھلانگ گئے۔ اور انہوں نے انسانی آداب اور معاشرتی تقاضے بالائے طاق رکھ دیئے خونی رشتے کا خیال واحساس تو بہت دور کی بات ہے حق ہمسائیگی بھول گئے اور کمینہ پن پر اُتر آئے۔

اہل محلہ اپنے گھروں کا تمام کوڑا کرکٹ گندی اور بیکار چیزیں درِاقدس کے سامنے لاکر پھینک دیتے بلکہ ادھر ادھر سے آنتیں، خون کے لوتھڑے، فضلات اور گوبر وغیرہ لاکر بھی حضور ﷺ کے دروازہ انور کے سامنے ڈھیر کر دیتے تاکہ آپ ﷺ

باہر نکلیں تو اذیت پہنچے اور گھر میں موجود ہوں تو اندر بدبو جاتی رہے۔ ابولہب کی بیوی تو آپ پر گھر کا کوڑا اور مٹی پھینکنے اور راستے میں کانٹے بچھانے سے بھی دریغ نہ کرتی تھی۔ حضور ﷺ ان مسلسل ایذا رسانیوں کو بڑے صبر و سکون سے برداشت کرتے رہے کبھی کبھار صرف اتنا فرما دیتے کہ "اے بنو عبد مناف! یہ کیسا حق ہمسائیگی ہے جو تم ادا کر رہے ہو؟" ایک دفعہ ابی بن خلف نے اپنے ایک نابکار دوست عقبہ بن ابی معیط سے کہا: اگر تم ان کے چہرے پر نہیں تھوکو گے تو میں تمہارے ساتھ نہیں بولوں گا اور اس بدبخت نے اس گستاخی کی جسارت کی لیکن یہ الگ بات ہے کہ اعجازی شان کا مظاہرہ ہوا اور وہ تھوک اس کے اپنے چہرے پہ آ گرا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ۲: ۳۳۶، الروض الانف، ۱: ۱۸۴)

ایسے اذیت ناک اعصاب شکن اور ذہنی دباؤ (TENTION) کے ماحول میں انسان کا سکھ چین رخصت ہو جاتا ہے اور وہ دلجمعی اور توجہ سے کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا اگر یہ کشمکش سالوں پر پھیلی ہوئی ہو اور بالکل یک طرفہ ہو پھر فریق مخالف خون کا پیاسا ہو اور الجھنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہو تو ایسے ماحول میں طبیعت کے اندر جو گھٹن پیدا ہوتی ہے اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مگر اللہ کے عظیم رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایسے حوصلہ فرسا ماحول میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی رضا کے لئے اپنا تبلیغی کام جاری رکھا اور اس میں بال برابر کمی نہ آنے دی۔

ناموافق حالات میں اپنے موقف پر ڈٹے رہنا اور اصولوں کا پرچار جاری رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک عام ذہنی سطح اور کمزور اعصاب کا انسان ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے اور خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں اتنی جرأت ہی نہیں رہتی کہ ان کا سامنا کرے اور قوتِ ارادی سے ان کا رخ موڑ دے مگر اہلِ عزم و ہمت کی بات ہی اور ہے وہ ناسازگار حالات کی تند و تیز آندھیوں ہی میں فکر و نظر کے چراغ جلاتے ہیں۔ اور دشمنوں کی پھونکوں سے اسے بجھنے نہیں دیتے ان کی اس جفاکشی محنت و مشقت اور اپنے مشن کے لئے اس طرح سرگرم عمل رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ

اپنے مالک کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں اور اسی پر نظریں جمائے رکھتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ مولیٰ کی رضاء اذیتیں سہہ کر مشن جاری رکھنے میں ہے تو وہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ مخالفتوں اور عداوتوں کے طوفانوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

چونکہ حضور ﷺ کی جدوجہد کا مقصود صرف رضائے الٰہی تھا۔ اس لئے بدترین حالات میں بھی ہمت واستقلال کا کوہ گراں بنے رہے۔ اور کسی سے مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ چند مثالوں سے اس حقیقت کبریٰ کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں اور اس دور کا نقشہ کھینچتے ہیں جب کفار مکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا ہوا تھا اور آپ کو خوف وہراس میں مبتلا کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ اپنی ذات میں الجھ جائیں اور ذہنی پریشانی کا شکار ہو کر فروغ دعوت کا کام ترک کردیں۔

کعبہ معظمہ کے قریب ہی امراء قریش جمع تھے موضوع سخن حسب معمول حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کا تبلیغی مشن تھا۔ متوقع اندیشے عذاب جان بنے ہوئے تھے کہ اگر یہ مشن اسی طرح پھیلتا رہا اور دین کی مقبولیت کی شرح یہی رہی اور اس سیلاب تند جولاں کے آگے بند نہ باندھا گیا تو وہ دن دور نہیں جب ہر گھر میں اسلام کی روشنی پھیل جائے گی۔ ایک سردار نے کہا: محمد (ﷺ) نے نئے دین کا تصور دے کر ہمارا سکون و قرار چھین لیا ہے ہم ایک غیرت مند اور بہادر قوم کے بیٹے ہیں عزت وآبرو اور قومی افتخار کی خاطر جانیں قرباں کردیتے ہیں۔ مگر یہ شخص ہمیں منہ پر گمراہ اور غلط کار کہتا ہے ہمارے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی اس کا یہی موقف ہے کہ وہ گمراہ اور بے دین تھے اور اب آگ میں اپنی گمراہی اور ضلالت کی سزا بھگت رہے ہیں وہ کہتا ہے یہ بت پتھر کی بے جان مورتیاں ہیں ان سے کسی فائدے کی آس لگانا عبث ہے۔ لیکن ہماری مجبوری دیدنی ہے کہ ہم سب کچھ اپنے کانوں سے سنتے ہیں مگر کچھ نہیں کرسکتے یہ باتیں سن سن کر ہمارے کان پک گئے ہیں اب ہم سے مزید صبر نہیں ہوتا ہماری غیرت ملی کا تقاضا ہے کہ اجتماعی کاروائی کریں اور اپنے مفادات کے خلاف اٹھنے والی یہ

تحریک سختی سے دبادیں۔

وہ ان ہی سوچوں میں گم اور اپنے افکار میں غلطاں تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا حسن وجمال کا پیکر، جاہ وجلال کا بادشاہ، انوار و تجلیات کا منبع، شکوہ دین کا نشانِ اعظم اور تختِ نبوت کا آخری تاجدار ﷺ بصد شان زیبائی خراماں خراماں کعبہ معظمہ کی طرف چلا آ رہا ہے ان کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں، غصے سے بھنویں تن گئیں۔ انہوں نے آنے والے پر خونخوار نظریں گاڑ دیں مگر آنے والے بے نیاز تھے وہ اسی شان بے نیازی سے آگے بڑھتے رہے حجر اسود کے پاس تشریف لائے اسے بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف شروع کر دیا۔ قطعاً پرواہ نہ کی کہ معاندین ومنکرین بھرے بیٹھے ہیں اور پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ جب طواف کرتے کرتے اس جتھے کے قریب پہنچے تو ان کے خون میں ہیجان پیدا ہو گیا، رگ شرارت پھڑک اٹھی ابی بن خلف نہ رہ سکا، عادت کے موافق اس نے ایک نازیبا جملہ شعلے کی طرح لڑھکا دیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا حضور ﷺ نے یہ جملہ سنا اور آپ کے رخ انور پر اس کا رد عمل ظاہر ہوا مگر آپ نے صبر کیا اور طواف جاری رکھا۔ جب دوبارہ ان کے قریب سے گذرے تو پھر انہوں نے کوئی چبھتا ہوا فقرہ کسا جس سے حضور ﷺ کے رخِ انور پر غضب کے آثار پیدا ہوئے مگر آپ ﷺ نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور انہیں کچھ نہ کہا۔ جب تیسری بار گذرے تو پھر انہوں نے کوئی طنزیہ بات کی اب آپ رک گئے اور جلال کے عالم میں فرمایا:

اتسمعون يامعشر قريش! اما والذي نفسي بيده لقد جئتكم بالذبح

اے قریش کے گروہ! کیا تم سن رہے ہو؟ خبردار! خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے آیا ہوں۔

یہ پُر جلال فرمان سن کر سب کے اوسان خطا ہو گئے جسموں میں جان نہ رہی، پتھر کی بے جان مورتیاں بن گئے۔ اور آنکھوں میں موت کے سائے لہرانے لگے کیونکہ جانتے تھے یہ سچے اور سیفِ زبان ہیں جو کہہ دیتے ہیں وہی ہو جاتا ہے۔ انہیں سارے

طنز و مزاح بھول گئے شیخی اور شوخی کرکری ہو گئی ہر ایک منت سماجت پر اتر آیا کہ: اے ابوالقاسم! آپ بڑے بردبار اور متحمل مزاج ہیں در گذر فرمائیں اور گھر تشریف لے جائیں کسی کی مجال نہیں کہ آپ کو چھیڑے یا تکلیف پہنچائے ہم معذرت خواہ ہیں۔ دوسرے روز صحن کعبہ میں پھر سب جمع ہو گئے کل کے واقعہ پر تبصرہ ہونے لگا۔ ایک نے کہا: کل انتقام لینے کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا تھا مگر تم نے ضائع کر دیا ہمیں معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کی بجائے جارحانہ اقدام کرنا چاہئے تھا۔

اتنے میں پھر حضور اکرم ﷺ طواف کعبہ کے لئے تشریف لے آئے جب ان کے قریب سے گذرے تو انہوں نے زبانی باتوں پر اکتفا کرنے کی بجائے بھاگ کر یکدم آپ کو نرغے میں لے لیا ایک بدبخت نے چادر مبارک پر ہاتھ ڈال دیا' عقبہ بن ابی معیط نے گلے میں کپڑا ڈال کر بل دینے شروع کر دیئے وہ اپنی کاروائی میں بالکل سنجیدہ تھا اس کی کوشش یہی تھی کہ گلا گھونٹ دے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے جب یہ ہوش ربا منظر دیکھا تو عقبہ کو کندھوں سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا جو باقی لوگ تھے انہیں بھی روکا اور یہ آیت کریمہ بار بار پڑھتے رہے۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ (المؤمن ، ۴۰ : ۲۸)

کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح معجزات لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو خود ہی اپنے جھوٹ کا خمیازہ بھگت لے گا اور اگر وہ سچا ہے تو پھر تم پر ضرور عذاب نازل ہو گا جس کا وہ تم سے ذکر کرتا ہے۔

دشمنوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا سر کے بال اس زور سے کھینچے کہ وہ ان کی مٹھی میں آ گئے ڈاڑھی کے بال بھی نوچ لئے اس طرح انہوں نے حرم کعبہ کا لحاظ کئے بغیر اس روز وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا جس

کی مثال نہیں ملتی۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خوش تھے کہ ان کی توجہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہٹ کر ان کی طرف مبذول ہو گئی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ۱: ۲۹۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ ایک اذیت ناک، تکلیف دہ اور خوف و خطر سے بھرا ہوا دن تھا جس میں سرداران قریش نے بڑی ہی بد اخلاقی اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا۔ تہذیب و شرافت کا جامہ اتار کر اس طرح سامنے آ گئے جیسے جنگل میں پلے ہوئے وحشی جانور ہوں اور ان میں کوئی معاشرتی رکھ رکھاؤ اور اصول وضابطہ باقی نہ رہا ہو۔ اس دن کے بعد ایسے واقعات روزمرہ کا معمول بن گئے وہ اعلانیہ دہشت گردی پر اتر آئے ان کی کوشش یہ تھی کہ خوف و ہراس کی ایسی فضاء قائم کر دی جائے کہ ان کے اعصاب جواب دے جائیں اور وہ قوت عمل سے محروم ہو جائیں اسی قسم کی ایک نامعقول اور بوکھلاہٹ کی مظہر کاروائی کا تذکرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

(۲) معمول کے مطابق تمام دشمن صحن کعبہ میں جمع ہو گئے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کرنے کا منصوبہ بنانے لگے تجویز یہ طے پائی کہ اب محمد (ﷺ) جونہی نظر آئیں ان پر یکبارگی حملہ کر کے خوب دل کی بھڑاس نکالی جائے پھر جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھوٹی سی بچی تھیں انہوں نے یہ بات سن لی عظیم باپ کے خلاف سازش کی یہ بات سن کر فکر مند ہو گئیں ممکن ہے دشمنوں نے انہیں سنانے ہی کے لئے بلند آواز سے بات کی ہو تاکہ گھر جا کر بات کریں اور خوف و ہراس کی فضاء قائم ہو۔ ننھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا واقعی پریشان ہو گئیں فوراً جا کر حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ دشمنوں نے آپ کے خلاف مار پٹائی کا پروگرام بنایا ہے۔ یہ سن کر غیرت نبوت بیدار ہو گئی پیاری بیٹی کو دلاسا دیا اور خوفزدہ ہو کر گھر میں بیٹھنے کی بجائے آپ صحن کعبہ میں تشریف لے آئے اور فتنہ پرداز گروہ کے سر پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں سانپ سونگھ گیا ایسا رعب طاری ہوا کہ قوت گویائی سلب ہو گئی کسی میں سر اٹھا کر

دیکھنے کا یارا نہ رہا آپ نے مٹی ان کے سروں پر پھینکی اور واپس تشریف لے آئے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی' ۲:۲۷۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ سازشی گروہ حسب معمول شرارت اور سازش کا تانا بانا بن رہا تھا حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور نماز و دعا میں مصروف ہو گئے ان غلیظ عناصر کی طرف کوئی دھیان ہی نہ دیا ایک بدبخت بولا۔

الا تنظرون الی هذا المرائی، ایکم یقوم الی جزور آل فلان فیعمد الی فرثها، ودمها وسلاها فیجئ به ثم یمهله حتی اذا سجد وضعه بین کتفیه

کیا تم اس ریاکار کو دیکھ رہے ہو؟ (نعوذ باللہ) تم میں سے کون جیالا ہے جو قصائیوں کے محلے میں جائے اور وہاں سے آنول اور اونٹنی کی اوجھری گوبر اور خون سمیت اٹھا لائے پھر انتظار کرے جب یہ صاحب سجدے میں چلے جائیں تو سب کچھ ان کے کاندھوں پر رکھ دے۔

یہ شیطانی منصوبہ سب سیاہ مقدروں کو بڑا بھلا لگا۔ بدبخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور تھوڑی دیر بعد تمام گند' بلا اٹھا لایا اور جب آپ سجدہ میں گئے تو آپ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ یہ لوگ اس بدتمیزی پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے ابن مسعود یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے بہت بے تاب ہوئے مگر کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے کمزور و ناتواں ہونے کے علاوہ اس دیس میں اجنبی تھے اس لئے دوڑتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے گھر پہنچے اور اہل خانہ کو اطلاع دی کہ بدبخت اوباشوں نے سجدے کی حالت میں آپ کے مبارک کندھوں پر اوجھ کا بوجھ رکھ دیا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو بے قرار ہو گئیں بھاگی بھاگی مسجد میں آئیں اور یہ خوفناک منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں ننھی بچی تھیں اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھیں مگر اس وقت ان میں باپ کی محبت نے بجلی بھر دی جس طرح بن پڑا یہ گند پھینکا پھر ان لوگوں کو شرم دلائی جو اس نازیبا حرکت پر خوش ہو رہے تھے۔

اتنے میں حضور ﷺ بھی نماز سے فارغ ہو گئے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور ان بدبخت قریشی امراء پر گرفت کے لئے التجا کی اور نام لے لے کر کہا۔

اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بعمرو بن هشام، وعتبة بن ربيعة، وشيبة بن ربيعة والوليد بن عتبة وامية بن خلف وعقبة بن ابى معيط وعمارة بن الوليد

اے اللہ! قریش کو پکڑ! اے اللہ قریش کو پکڑ! اے اللہ قریش کو پکڑ! اے اللہ ابوجہل کو پکڑ! عتبہ شیبہ ولید امیہ عقبہ اور عمارہ سب کو پکڑ اور سخت گرفت میں لے۔

جب لوگوں نے دعا کے یہ تیور دیکھے تو حواس باختہ ہو گئے کیونکہ جانتے تھے ان کی ہر بات پوری ہو جاتی ہے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اب وہ ہو کر رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس ذات برحق کی قسم جس نے حضور ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا میں نے ان اشخاص کو جن کا نام لے کر آپ نے دعا فرمائی تھی بدر کے میدان میں ذلت کے ساتھ پڑا پایا۔ ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ حدیث: ۴۹۸)

(۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ ابوجہل عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف تینوں حطیم کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تشریف لائے اور طواف کعبہ میں مصروف ہو گئے جب پہلے چکر میں شر و فساد کے ان مجسموں کے قریب سے گذرے تو یہ عادت سے مجبور چپ نہ رہ سکے ابوجہل بولا۔

واللہ لانصالحك مابل بحر صوفه وتنهانا ان نعبد ما يعبد آباؤنا

خدا کی قسم! جب تک سمندر میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہے جس سے صوف کا ایک دھاگہ بھی تر ہو سکتا ہو ہم آپ کے ساتھ مصالحت نہیں کریں گے کیونکہ آپ ہمیں آباؤ اجداد کے معبودوں کی عبادت سے روکتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے میں بھی اس معاہدے پر قائم ہوں۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابو جہل کی یہ مداخلت بہت بری لگی طواف عبادت ہے اور اس دوران ٹانگ اڑانے کا کوئی جواز ہی نہیں مگر وہ ابو جہل ہی کیا جو بے تکی بات نہ کرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اٹھے اور اپنے آقا کے ساتھ طواف میں مشغول ہو گئے آقا نے کرم فرمایا ایک طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں ان کی انگلیوں میں پیوست کر دیں دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگئے آپ نے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ان کی انگلیوں میں پیوست کر دیں اس شان سے تینوں طواف کرنے لگے۔

جب ابو جہل کے قریب سے گذرے تو وہ پھر بڑبڑایا اور کوئی گری ہوئی بات کہی۔ تیسرے چکر میں پھر اس سے نہ رہا گیا اور اس نے بیہودہ جملہ کسا جب چوتھے چکر میں اس کے پاس پہنچے تو وہ آپے سے باہر ہو گیا جیسے کوئی پاگل جنونی ہو وہ وحشی دیوانے کی طرح حضور علیہ السلام کی طرف لپکا تاکہ کمر بند پکڑ لے دوسرے دو خبطی بھی اسے دیکھ کر ہیجان میں آگئے جیسے دورہ پڑ گیا ہو ایسے موقعہ پر رواداری کا کوئی مطلب ہی نہیں تھا وہ عالم دیوانگی میں کچھ بھی کر سکتے تھے لہٰذا ان حضرات نے بھی مقابلے کی ٹھان لی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو زور سے دھکا دیا وہ پیٹھ کے بل جا گرا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو مار بھگایا حضور ﷺ نے عقبہ کو پچھاڑ دیا پھر آپ کھڑے ہو گئے اور افسوس بھرے لہجے میں انہیں متنبہ کیا۔

والله لاتنتهون حتی یحل عقابه عاجلا

خدا کی قسم! تم باز نہیں آؤ گے یہاں تک کہ اس کا عذاب جلد نازل ہو جائے۔

اب کپکپی طاری ہو گئی اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں آپ نے فرمایا۔

بئس القوم انتم لنبیکم

تم اپنے نبی کے لئے بہت بری قوم ہو۔

طواف سے فارغ ہو کر حضور ﷺ اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ کاشانہ عالیہ کی طرف تشریف لائے جب گھر میں داخل ہونے لگے تو دہلیز پر کھڑے ہو گئے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا۔

ابشروا فان الله عز وجل مظهر دينه، ومتمم كلمته وناصر نبيه، ان هؤلاء الذين ترون مما يذبح الله بايدكم عاجلا

(الوفا باحوال المصطفى ، ١٨٩)

گھبرانے کی ضرورت نہیں خوش ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا کلمہ کو مکمل کرے گا اور اپنے نبی کی مدد کرے گا یہ لوگ جنہیں تم دیکھ رہے ہو تمہارا صید زبوں ہیں اللہ کے حکم سے تم انہیں عنقریب ذبح کرو گے۔

آپ نے یہ حیرت انگیز اور جرأت مندانہ پیش گوئی اس وقت فرمائی جب بظاہر حالات بالکل ناساز گار تھے اور ہر طرف دشمنوں ہی کا غلبہ نظر آتا تھا مگر کچھ ہی عرصہ بعد حالات نے پلٹا کھایا دشمنوں کی قوت وشوکت خاک میں مل گئی اور میدان بدر میں اہل حق نے ان صنادید کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

○
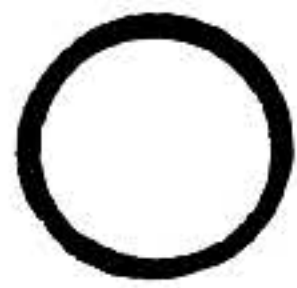
باب-۱۰

اہل ستم کی چیرہ دستیاں

دعوتِ حق قبول کرنے اور اعلانیہ دین میں شمولیت اختیار کرنے والوں کی دو قسمیں تھیں۔

اول وہ لوگ جو مصطفوی تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی تلاشِ حق میں سرگرداں تھے اور خیر و صداقت تک رسائی کے لئے اپنی ہمت کے مطابق ہاتھ پاؤں مار رہے تھے یہ لوگ طبعی طور پر نیکی پسند' دنیاوی تکلفات سے دور اور دائمی نجات کے خواہاں تھے انہیں مال و جاہ شہرت و شوکت اور مصنوعی عزت و وقار کی بھوک نہ تھی۔ وہ سیدھی راہ اور سچا رہنما چاہتے تھے جو بازو تھام کر انہیں حریمِ قدس تک لے جائے اور زرنگار پردے ہٹا کر محبوب کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرادے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ مصطفوی تحریک کے باکمال قائد اس معیار پر پورے اُترتے ہیں' اور ان میں وہ تمام مطلوبہ خوبیاں موجود ہیں تو کسی توقف اور ہچکچاہٹ کے بغیر انہوں نے فوراً اس میں شمولیت اختیار کر لی اور اس کے مخلص کارکن بن کر ان راہوں کی طرف بڑھنے لگے جو فلاح و کامرانی رحمت و نجات کی طرف جاتی ہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو معاشرتی حوالے سے کمزور ، بے بال و پر اور مستضعفین تصور کئے جاتے تھے۔ غربت اور ناداری ان کی پہچان تھی اور امراء کی چاکری' اربابِ اقتدار کی خدمت اور ذی جاہ آقاؤں کی بے دام غلامی ہی ان کا مقدر تھی۔ چونکہ وہ کسی سیاسی منصب پر فائز اور شریکِ اقتدار نہ تھے اس لئے ان کے مادی مفادات کو کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ جب انہوں نے آوازۂ حق سنا تو انہیں اس میں انسان کی قدر افزائی اس کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت محبت و شفقت کی جھلک اور روح کی تسکین کی شان نظر آئی۔ وہ ذہنی تحفظات کے بغیر بڑے شوق سے آگے بڑھے اور

ایمان لے آئے اور اس قافلۂ عشق و مستی میں شامل ہو گئے۔

چونکہ دولت و اقتدار کے نشے میں مست فرعون صفت امراء، افلاس و غربت کے باعث ان کو زمین کی پستیوں میں رینگنے والے کیڑے تصور کرتے تھے اور انہیں انسانی مقام دینے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے ان کے ایمان لانے کو انہوں نے دینِ اسلام کے غیر معیاری اور غیر حق ہونے کی دلیل ٹھہرا لیا اور استنباط یوں کیا کہ اگر یہ دین برحق ہوتا تو اس میں سب سے پہلے شمولیت کی عزت ہمیں نصیب ہوتی اور ان غرباء و مساکین کی بجائے ہم ایمان لا کر اس کے پیروکار بنتے اور دنیاوی اور اُخروی اعزاز پاتے مگر چونکہ معاملہ برعکس ہے یہ بے سرو سامان لوگ اس دین میں داخل ہوئے ہیں جن کی معاشرے میں کوئی حیثیت اور عزت ہی نہیں اس لئے یہ دین بھی سچا نہیں۔ انہوں نے حقارت آمیز انداز میں کہا:

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَآ — کیا یہ وہ لوگ ہیں ہمیں چھوڑ کر خدا نے جنہیں یہ اعزاز بخشا ہے۔ (الانعام ۶ : ۵۳)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے حبیب! انہیں بتا دو! یہ مسکین لوگ شکر گذار بندے ہیں جن کے جذبات تشکر، تواضع و عاجزی اور نیاز مندی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس لئے اس نے انہیں یہ عزت عطا فرمائی ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ — کیا اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے شکر گذار بندے نہیں ہیں؟ (الانعام، ۶ : ۵۳)

مطلب یہ تھا کہ تمہارا استنباط غلط ہے۔ تم فرعون و ہامان اور قارون و شداد ہو۔ تم سراپا طاغوت ہو۔ سرکشی اور نافرمانی تمہارے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ خود کو بہت بڑا اور بالاتر انسان سمجھتے ہو حالانکہ نااہل مردہ ضمیر بے کردار جاہل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین عناصر ہو۔ انہی برائیوں کی وجہ سے تمہیں اس اعزاز سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور تم ہو کہ اس محرومی کو اس دین کے برحق نہ ہونے کی دلیل ٹھہرا رہے ہو۔

ان ستم شعار باطل پرستوں نے جب دیکھا کہ نئے دین اور مشن کے ساتھ ان لوگوں کی جذباتی وابستگی نے دوسرے لوگوں کے لئے بھی راہ کھول دی ہے اور وہ اس کی رفاقت اختیار کرنے کے لئے سنجیدگی سے سوچنے لگ گئے ہیں تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ انہیں اپنے مادی مفادات خطرے میں نظر آنے لگے وہ جانتے تھے کعبہ میں رکھے ہوئے بت اور جابجا قائم صنم کدے ہی ان کی آمدن اور ذاتی وجاہت کا ذریعہ ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے لوگ انہیں عزت کی نظر سے دیکھتے اور نذرانے پیش کرتے ہیں اگر یہ ت خانے ہی ویران ہو گئے۔ تو کون انہیں پیشوا مانے گا اور نذرانے پیش کرے گا؟ الغرض مستقبل میں پیدا ہونے والے نتائج کے بارے میں سوچ کر ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا وہ تعصب و عناد غیظ و غضب اور جوشِ انتقام میں پہلے سے کہیں زیادہ آگے بڑھ گئے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوفناک مظالم اور جذبۂ انتقام کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ان کا خیال تھا کہ ان ظالمانہ کاروائیوں سے گھبرا کر یہ کمزور و ناتواں لوگ سب کچھ بھول جائیں گے۔ جب کھانے کو کچھ نہ ملا تو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا جب اوپر سے پٹائی ہوئی اور جسمانی اذیت پہنچی تو سب مذہب' دین اور فلسفے بھول کر اسی دین اور نظام کی طرف واپس آجائیں گے جس سے نکلے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا ظلم کا آغاز کس طرح کیا؟ اور سب سے پہلے کون لوگ ان کے ہوش ربا مظالم کا نشانہ بنے؟ اس کا ذکر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے فرماتے ہیں۔

كان اول من اظهر اسلامه سبعة، رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر. وعمار، وامه سمية، وصهيب، وبلال، والمقداد فاما رسول الله صلى الله عليه وسلم فمنعه الله بعمه ابى طالب واما ابوبكر فمنعه الله بقومه، واما سائرهم، فاخذهم المشركون والبسوهم ادرع الحديد، وصهروهم في الشمس،

(سنن ابی ماجه، المقدمة - حديث : ۱۵۰)

سب سے پہلے ان سات ہستیوں نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا: (۱) حضور نبی کریم ﷺ (۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمار رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عمار کی امی جان حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ (۷) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی حفاظت کا انتظام ان کے چچا ابوطالب کے ذریعہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے ذریعہ بچایا باقی پانچ افراد کو مشرکین نے اپنی گرفت میں لئے رکھا انہیں لوہے کی زنجیریں پہنائیں اور کڑکتی دھوپ میں بٹھا دیا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان مظالم اور غیر انسانی سلوک کی داستان ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

ان کانوا لیضربون احدھم ویجیعونہ ویعطشونہ حتی مایقدر ان یستوی جالسا من شدۃ الضر الذی بہ

(البدایۃ والنہایۃ ، ۳ : ۵۹)

"وہ لوگ انہیں بے تحاشا زدوکوب کرتے تھے اور بھوکا پیاسا رکھتے تھے یہاں تک کہ شدت تکلیف کی وجہ سے ان میں سے کوئی شخص اس قابل نہیں رہتا تھا کہ سیدھا بیٹھ سکے۔"

چونکہ یہ مساکین مختلف آقاؤں کے غلام تھے اس لئے انہوں نے اجتماعی مظالم کے علاوہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق جو انفرادی مظالم ایجاد کئے اور ان بے سہارا مظلوم غلاموں پر آزمائے ان کا کچھ تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی نژاد تھے اور سرزمین حبشہ کے سارے جسمانی خصائص ان کی ذات میں پائے جاتے تھے مگر قدرت نے انہیں ایمان و استقامت کا کوہ گراں بنایا تھا۔ ظلم و ستم کے تمام حربے اور سفاکی کے سارے ہتھیار ان پر آزمائے گئے مگر ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی وہ عزم و استقامت کی چٹان بن کر

ہو شریا تشدّد اور غیرانسانی مظالم کے سامنے سینہ سپر رہے۔ اپنی جانِ ناتواں پر ہر ستم سہا' مگر ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور انگاروں پر لیٹ کر دین کے ساتھ اپنی وابستگی قائم رکھی۔

امیہ بن خلف جیسا دشمنِ دین اور فرعون صفت شخص حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا تھا ایسے بدنہاد اور سفاک شخص سے کسی بھی بدسلوکی بلکہ ستمِ ناروا کی توقع کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ اس شخص نے توقع اور اپنی فطرت کے عین مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر وہ ستم ڈھائے جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر امیہ کی انسانی حس اس حد تک مر چکی تھی کہ وہ ہر ستم کو ناکافی سمجھتا تھا اور مظالم کے نئے نئے انداز ایجاد کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ مگر آفرین ہے اس شہبازِ راہِ وفا پر جسے بلالؓ کہتے ہیں جو ہر نئی ایجاد کردہ سزا کا تختہ مشق بنتا تھا مگر احد' احد کے سوا کوئی کلمہ منہ سے نہیں نکالتا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں

کان بلال بن رباح من المستضعفین من المؤمنین وکان یعذب حین اسلم لیرجع عن دینه، فما اعطاهم قط کلمة مما یریدون، وکان الذي یعذبه امیة بن خلف

"حضرت بلال رضی اللہ عنہ اہلِ ایمان کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو معاشرتی حوالے سے کمزور تھا۔ اسلام لانے کی وجہ سے انہیں سخت عذاب دیا جاتا تھا تاکہ اس دین سے پھر جائیں لیکن حضرت بلالؓ نے ان کی کوئی بات نہ مانی سزا دینے کا فریضہ امیہ بن خلف انجام دیتا تھا۔"

کان بلال اذا اشتدوا علیه في العذاب، قال: احد، احد، فیقولون، قل، کما نقول- فیقول: ان لسانی لایحسنه

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ، ۳ : ۲۳۲)

"چنانچہ جب وہ لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سخت تکلیف دیتے تھے تو وہ آگے سے احد' احد پکارتے رہتے تھے یعنی اللہ ایک ہے دشمن کہتے وہ

کچھ کہو جو ہم تلقین کرتے ہیں۔ آپ جواب دیتے: میری زبان پر وہ چڑھتا ہی نہیں ہے۔"

جب کوئی حربہ کارگر نہ ہوا تو وہ سٹپٹا گئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اس قوم کے سپرد کر دیا جن سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ یہ بچوں کی قوم ہے جو ہر عمل کو کھیل بنا لیتی ہے اور پھر اس میں ظلم کا خوفناک عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے مگر وہ ان کے لئے کھیل ہی رہتا ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

فجعلوا، في عنقه حبلاً ثم امروا صبيانهم ان يشتدوا به، بين اخشبى مكة، فجعل بلال يقول: احد، احد

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ، ۳ : ۲۳۳)

"پس انہوں نے بلال کے گلے میں رسی ڈال دی اور بچوں کے ہاتھ میں تھما دی تاکہ مکہ کے پہاڑوں کے درمیان ان کو گھسیٹیں مگر بلال رضی اللہ عنہ پھر بھی احد احد ہی کا نعرہ بلند کرتے رہے۔"

جب امیہ نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ان مظالم کا کچھ اثر نہیں ہوا اور اس نے بڑے عزم و حوصلہ کے ساتھ سب کچھ برداشت کر لیا ہے تو اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور ظلم و ستم کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا ابن اسحاق کا بیان ہے۔

كان امية بن خلف، يخرجه اذا حميت الظهيرة فيطرحه على ظهره في بطحاء مكة، ثم يامر الصخرة العظيمة فتوضع على صدره ثم يقول له، لاتزال هكذا، حتى تموت او تكفر بمحمد. وتعبد اللات والعزىٰ، فيقول: وهو في ذالك البلاء، احد. احد

(السيرة النبوية لابن هشام ، ۱ : ۳۱۸)

"امیہ بن خلف حضرت بلال کو تپتی دوپہر میں پکڑ کر باہر لے آتا تھا اور مکہ کی سنگلاخ زمین پر چت لٹا دیتا تھا پھر وہ ایک وزنی پتھر لانے کا حکم دیتا جو ان کے

سینہ پر رکھ دیا جاتا پھر امیہ حضرت بلالؓ کو مخاطب کر کے دھمکی دیتا تو تپتی زمین پر اس گرم وزنی پتھر کے نیچے اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ تو مر جائے یا پھر محمد (ﷺ) کا انکار کر دے اور ازسرِ نو لات اور عزیٰ کو پوجنے لگے۔ لیکن حضرت بلالؓ اس شدت اور تکلیف کے عالم میں بھی احد احد پکارتے رہتے۔"

كان ورقة بن نوفل، يمر به وهو يعذب بذالك، وهو يقول: احد، احد، فيقول: احد، احد والله يابلال! ثم يقبل على امية ومن يصنع ذالك به فيقول: احلف بالله، لئن قتلتموه على هذا لاتخذنه حنانا

بعض اوقات ورقہ بن نوفل حضرت بلالؓ کے قریب سے گذرتے اور سیدنا بلالؓ اس عذاب میں بھی احد، احد پکار رہے ہوتے تو ورقہ بن نوفل انہیں تسلی دینے کے لئے ان کے ہمنوا بن جاتے اور کہتے: ہاں اے بلال! اللہ کی قسم! بے شک وہ احد ہے، احد ہے۔ پھر وہ امیہ اور دوسرے ستم شعاروں کو مخاطب کر کے کہتے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم نے اسے اسی طرح ظلم کر کے قتل کر دیا، تو میں اس کی قبر کو "زیارت گاہ" بنا لوں گا۔

اسی کتاب کے حاشیہ پر اس کی وضاحت یوں ہے۔

اي لاجعلن قبره موضع حنان: اى عطف ورحمة، فاتمسح به متبركا، كما يتمسح بقبور الصالحين والشهداء

"یعنی میں اس کی قبر کو نزول رحمت و برکت اور کرم و عطوفت کی جگہ سمجھوں گا اور برکت حاصل کرنے کے لئے اسے ہاتھ لگایا کروں گا جس طرح شہداء اور صالحین کی قبور کو ہاتھ لگا کر برکت حاصل کی جاتی ہے۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے ظلم و ستم کی یہ مشق یونہی جاری تھی کہ ادھر سے حضرت ابوبکرؓ گذرے وحشت و بربریت کا یہ غیر انسانی کھیل دیکھ کر ان کا دل بھر آیا۔ امیہ بن خلف کے قریب گئے اور فرمایا:

الا تتقی اللہ فی هذا المسكين؟ حتى متى؟ قال: انت الذي افسدته، فانقذه مما ترى، فقال ابوبكر: افعل، عندی غلام اسود، اجلد منه واقوى، على دينك، اعطيكه به، قال: قد قبلت، فقال: هو لك- فاعطاه ابوبكر الصديق رضی اللہ عنه غلامه ذالك، واخذه، فاعتقه

(السرة النبوية لابن هشام، ۱ : ۳۱۸)

"کیا تو اس مسکین کے بارے میں اللہ تعالٰی سے نہیں ڈرتا؟ کب تک یہ ظلم ڈھاتا رہے گا؟ امیہ نے جواب دیا: تو نے ہی اسے خراب کیا ہے اور اب اس عذاب سے تو ہی اسے نجات دلا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ہاں میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میرے پاس اس سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور حبشی غلام موجود ہے۔ جو تیرے دین کا پیروکار ہے میں بلال کے بدلے تجھے وہ قوی غلام دیتا ہوں۔ امیہ نے کہا: مجھے منظور ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ تیرا ہوا۔ چنانچہ آپ نے طاقتور غلام دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لیا اور آزاد کر دیا۔

(۲) حضرت عمار بن یاسر اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ حارث اور مالک اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے اور پھر یہیں آباد ہو گئے۔ ان کے دونوں بھائی اپنا کام مکمل کر کے واپس چلے گئے مگر حضرت یاسرؓ نے اس پاکیزہ سرزمین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ ابو حذیفہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی بھرپور معاونت کی اور اپنی لونڈی سیدہ سمیہؓ کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ اس طرح یہ مکہ ہی کے باشندے بن گئے۔ قدرت نے انہیں عمار اور عبداللہ دو فرزند عطا کئے۔ اس طرح چار افراد پر مشتمل یہ مختصر سا کنبہ اپنی حیثیت کے مطابق سکون واطمینان کی زندگی گذارنے لگا۔

جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس کی رحمت بار شعاعیں اس خاندان پر بھی

پڑیں۔ اس نے بدل وجان اس نور سرمدی کو اپنے سینے میں اُتار لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اربابِ کفر و شرک کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ایک لاوارث کنبہ ہے تو وہ دندانِ ستم تیز کر کے اس پر پل پڑے اور اسے اپنے مظالم کے شکنجے میں کس لیا۔ علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے مغازی سے ابن اسحاق کی ایک روایت نقل کی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمر بعمار وامه وابيه وهم يعذبون بالابطح في رمضاء مكة فيقول صبرا يا آل ياسر، موعدكم الجنة (الاصابة في تمييز الصحابة ، ٤ : ٣٣٥)

"حضور ﷺ حضرت عمار اور ان کے ماں باپ کے قریب سے گزرتے تھے۔ اس وقت کافر لوگ مکہ کے تپتے پتھریلے میدان میں ان لوگوں کو عذاب دے رہے ہوتے تھے انہیں اس تکلیف میں دیکھ کر آپ ﷺ فرماتے اے آل یاسر! صبر کا دامن تھامے رہو۔ ہم تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کرتے ہیں۔"

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

كان عمار بن ياسر من المستضعفين الذين يعذبون بمكة ليرجع عن دينه

حضرت عمار بن یاسرؓ مسلمانوں کے اس کمزور گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں سخت عذاب دیا جاتا تھا تاکہ اپنا دین چھوڑ دیں۔

حضرت محمد بن عمرؓ نے اس گروہ کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے۔

والمستضعفون قوم لاعشائرلهم بمكة وليست لهم منعة ولا قوة فكانت قريش تعذبهم في الرمضاء بانصاف النهار ليرجعوا عن دينهم (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ، ٣ : ٢٤٨)

"اور کمزور گروہ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مکہ میں کوئی خاندان نہیں تھا اور

نہ ہی انہیں مالی اور سیاسی قوت حاصل تھی چنانچہ ایسے بے یار و مددگار لوگوں کو قریش کے "جیالے" دوپہر کے وقت گرم زمین پر لٹا دیتے تھے تاکہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں۔

عمر بن حکم کا بیان ہے۔

کان عمار بن یاسر یعذب حتی لایدری مایقول فکان صهیب، یعذب حتی لایدری مایقول وکان ابوفکیهة یعذب حتی لایدری مایقول

"حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب اور حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہم کو ایسی ہوش ربا اذیتیں دی جاتی تھیں کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے اور ان میں سے کسی کو یہ ہوش نہیں رہتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔"

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

احرق المشرکون عمار بن یاسر بالنار، قال: فکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یمر به، ویمر یده علی راسه، فیقول: یانار کونی بردا وسلاما علی عمار کما کنت علی ابراهیم

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ، ۳ : ۲٤۸)

"مشرکین نے حضرت عمارؓ کو آگ کے ساتھ جلا کر اذیت دینے کا مکروہ اور وحشیانہ دھندا شروع کیا ہوا تھا اتنے میں نبی مکرم ﷺ ادھر سے گذرے اور عمار کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا، اور عمار کو سلامت رکھ جس طرح تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو گئی تھی اور انہیں محفوظ رکھا تھا۔"

ایک دن حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس وقت بڑے ہی مغموم و مایوس اور انتہائی پریشان تھے۔ آقا ﷺ نے وجہ دریافت کی تو

عرض کی یارسول اللہ! آج ستمگروں نے اتنی اذیتیں دی ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کلمہ کفر کہلوانا چاہتے تھے تامقدور میں انکار کرتا رہا مگر جب ان کا تشدد برداشت کرنے کی طاقت نہ رہی تو میں نے وہ کلمہ منہ سے نکال دیا اور ان کے بتوں کے لئے کلمہ خیر بھی کہا ان کے مظالم سے بچنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اب میں پریشان ہوں۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: یہ بتاؤ! تمہارے دل کا کیا حال ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ میرا دل تو مطمئن ہے بدستور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہے اور بتوں کو باطل سمجھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا ایمان برقرار ہے جب دل مطمئن ہو تو کسی کے مجبور کرنے سے ایمان زائل نہیں ہوتا' انسان کو اجازت ہے کہ جان بچانے کے لئے جو ظالم کہے وہ منہ سے نکال دے۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِه اِلاَّ مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ

(النحل، ۱۶ : ۱۰۶)

"جس شخص نے ایمان لانے کے بعد جبرواکراہ کی حالت میں کفریہ کلمہ منہ سے نکالا مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سنا!

ان عمار املی ایمانا الی مشاشه

(الاصابة في تميز الصحابة، ۲ : ۵۱۲)

"بے شک عمار انگلیوں تک یعنی پورے کا پورا ایمان سے بھرا ہوا ہے"۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر واهتدوا بهدى عمار

(الاصابة في تميز الصحابة، ۲ : ۵۱۲)

"میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی اور متابعت کرو اور عمار کی سیرت سے رہنمائی حاصل کرو"۔

یہ ان خوفناک مظالم کا انعام وصلہ ہے جو حضرت عمارؓ نے راہِ حق میں برداشت کئے اور دشمنوں پر ثابت کر دیا کہ ایمان ایک ایسا جاودانی اور سرمدی نشہ ہے جو ظالمانہ کاروائیوں سے نہ اُترتا ہے نہ متاثر ہوتا ہے۔ جب یہ آبِ نشاط انگیز روح میں رچ بس جائے تو انسان ہر ظلم سہہ سکتا ہے مگر اس سے رشتہ نہیں توڑ سکتا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ہی کی طرح بہادر جانباز خاتون تھیں انہوں نے جان دے دی مگر ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

كانت سابعة سبعة في الاسلام عذبها ابو جهل وطعنها في قبلها فماتت فكانت اول شهيدة في الاسلام

(الاصابة في تمييز الصحابة ، ٤ : ٣٣٤)

اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا ساتواں نمبر تھا۔ ابو جہل نے انہیں بہت اذیتیں دیں جب انہوں نے ایمان کا دامن نہ چھوڑا تو اس نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا آپ اسلام میں پہلی شہید خاتون ہیں۔ رضی اللہ عنہا رضواناً کاملاً

(۳) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ "موصل" کے باشندے اور ایک امیر کبیر حکمران خاندان کے چشم وچراغ تھے ان کا باپ "ابلہ" کا حاکم تھا۔ کسی بات پر رومی بگڑ گئے اور انہوں نے ان کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ فوجی قوت کے حوالے سے وہ برتر تھے اس لئے غالب آئے اور یہاں کے باشندوں کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنا کر "روم" لے گئے ان قیدیوں میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے اس وقت یہ بالکل بچے تھے۔ روم ہی میں پل کر جوان ہوئے ان ہی کی زباں سیکھی' اس لئے فصیح عربی نہ سیکھ سکے اور عجمیت ان کی زباں پر غالب آ گئی۔ عرب کے ایک قبیلہ بنو کلب نے ان کو "اہلِ روم" سے خرید لیا اور مکہ لے آئے یہاں عبد اللہ بن جدعان نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور آزاد زندگی گذارنے لگے۔ درمیانے قد' انتہائی سرخ رنگ اور مضبوط اعصاب کے طاقتور انسان تھے۔ طبیعت حق پسند اور زہد و ریاضت کی طرف مائل تھی۔ دورِ

جاہلیت کی رسوم و عادات کو پسند نہ کرتے تھے جب ہدایت کی پہلی کرن پھوٹی اور حضور ﷺ نے دعوتِ حق دی تو یہ فوراً قبول حق کے لئے تیار ہو گئے ان دنوں حضور نبی اکرم ﷺ دارِ ارقم میں اقامت گزیں تھے اور خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس دور کی کہانی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے پہلی ملاقات کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں۔

لقيت صهيب بن سنان على باب دار الارقم ورسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقلت: ماتريد؟ فقال لى: ماتريد انت؟ فقلت: اردت ان ادخل على محمد فاسمع كلامه، قال: وانا اريد ذالك قال فدخلنا عليه فعرض علينا الاسلام فاسلمنا

(الطبقات الكبرىٰ، ۳ : ۲۲۷)

میں "دارِ ارقم" کے دروازے پر صہیب سے ملا حضور ﷺ گھر کے اندر موجود تھے۔ میں نے پوچھا: اے صہیب! کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: اے عمار! پہلے آپ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: میرا ارادہ ہے کہ اندر جاؤں اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی باتیں سنوں۔ انہوں نے جواب دیا میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ چونکہ مقصد ایک اور نیک تھا اس لئے اندر گئے حضور ﷺ نے اسلام پیش کیا ہم نے قبول کیا اور مسلمان ہو گئے۔

پھر صہیبؓ بھی اہلِ ستم کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بن گئے۔ ایسے بے یار و مددگار مسلمان ان کا خصوصی شکار تھے جو عربی خاندان نہیں رکھتے تھے یا کسی کی پناہ میں نہیں تھے۔ انہوں نے صہیبؓ کو جی بھر کے ستایا مارا پیٹا' ہوش ربا مظالم ڈھائے مگر ان کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا اور ظلم و بربریت کے طوفان میں بھی ثابت قدم رہے۔

(۴) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

باطل پرستی انسان کے باطن کو ویران اور اس کی ذات کو ہر انسانی قدر سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ انسان ہوتے ہوئے بھی تمام اوصاف عالیہ سے عاری اور

پاکیزہ جذبات سے محروم انسان نما وحشی درندہ بن جاتا ہے۔ ستم پسند اور اصنام کے پجاری انتقام کے جوش میں اسی قسم کے درندے بن گئے تھے اور وحشت و بربریت کو شعار بنالیا تھا۔ مزید آگے بڑھے تو دیانت و امانت کے تقاضے اور آدابِ معاشرت بھی بھول گئے اور انتہائی گھٹیا حرکتوں پر اتر آئے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بہترین تلوار ساز تھے آپ کی فنی مہارت کی پورے عرب میں شہرت تھی اور شوقین لوگ دور دور سے تلواریں بنوانے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے اور گراں قیمت پر خرید کر لے جاتے تھے۔

آپ ایک بااصول ہنرمند اور تجربہ کار دکاندار تھے۔ کھری چیز بنا کر دیتے تھے اور کھری قیمت وصول کرتے تھے کسی کو آپ کے ساتھ بے اصولی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب مسلمان ہوئے تو دین کے دشمن سب اصول بھول گئے ان کی ذات پر جو خوفناک مظالم ڈھائے وہ اپنی جگہ رہے جو دیانت و امانت کے تقاضے تھے وہ بھی طاق نسیاں پر رکھ دیئے اور ادائیگیوں سے انکار کر دیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ خود راوی ہیں۔

کنت قینا بمکة، فعملت للعاص ابن وائل سیفا، فجئت اتقاضاه فقال: لااعطیك حتی تکفر بحمد قلت: لااکفر بمحمد حتی یمیتك الله ثم یحییك (صحیح البخاري ، ۲ : ۶۹۱ کتاب التفسیر)

"میں لوہار تھا اور مکہ میں تلواریں بنایا کرتا تھا چنانچہ میں نے عاص بن وائل کی تلوار بنائی پھر قیمت لینے کے لئے اس کے پاس گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا: میں تلوار کی قیمت نہیں دوں گا۔ یہاں تک کہ تو محمد کا انکار کرے۔ میں نے کہا: میں تو محمد مصطفیٰ ﷺ کا کبھی بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے مار کر پھر زندہ کرے۔"

دوسری جگہ وضاحت ہے عاص بن وائل حیران ہو کر بولا۔

وانی لمیت ثم مبعوث؟ قلت: نعم قال: ان لی هناك مالا وولدا فاقضیکه (صحیح البخاری ، ۲ : ۶۹۱ کتاب التفسیر)

"کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے جواب دیا: ہاں اس نے ادائیگی کے بجائے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ جس طرح یہاں میرے پاس دولت و اولاد ہے اس طرح وہاں بھی ہوگی میں وہیں ادائیگی کر دوں گا۔"

اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ٥

(مریم، ۱۹ : ۷۷-۸۰)

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے دولت اور اولاد دی جائے گی کیا اس نے نظر نہ آنے والی دوسری دنیا کو جھانک کر دیکھ لیا ہے؟ یا اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا ہے؟ اس کی بات غلط ہے جو وہ کہتا ہے وہ ہم لکھ لیں گے اور اسے لمبا عذاب دیں گے اور ان چیزوں کے ہم مالک ہوں گے جن کا وہ دعویدار ہے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔"

(۵) حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ بھی ستم رسیدہ غلاموں میں سے تھے جب اسلام لے آئے تو اہلِ مکہ کی ستم رانیوں کا نشانہ بن گئے۔

ربط امية بن خلف في رجله حبلا فجره حتى القاه في الرمضاء وجعل يخنقه، فجاء اخوه ابى بن خلف فقال: زده، فلم يزل على ذالك حتى ظن انه مات فمر ابوبكر الصديق فاشتراه فاعتقه

(الاصابة في تمييز الصحابة، ٤ : ١٥٦)

اُمیہ بن خلف نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور اسی طرح گھسیٹتا ہوا میدان میں لے آیا اور تپتی زمین پر ڈال دیا پھر گلا دبانا شروع کر دیا۔ اتنے

میں اس کا بھائی ابی بن خلف آ گیا اور ترس کھا کر اسے چھوڑنے کا مشورہ دینے کی بجائے اور زیادہ اکسایا کہ اور زور سے گلا دبا: امیہ اسی طرح گلا دباتا رہا یہاں تک کہ آپ کی گردن ڈھلک گئی اور اس نے گمان کر لیا کہ مر گئے ہیں۔ اس حالت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گذرے اور انہیں اس ظالم سے خرید کر آزاد کیا۔

حضرت بلالؓ اور حضرت ابو فکیہہؓ کے علاوہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن لونڈیوں اور غلاموں کو خرید کر آزاد کیا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا، حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا، نہدیہ اور اس کی بیٹی، بنی مومل کی ایک لونڈی۔ یہ لوگ اس دور کی مظلوم ترین مخلوق تھے جن پر ہر ظلم روا رکھا جاتا تھا اور جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ان غرباء و مظلومین کو خرید کر آزاد کیا۔ اس پر آپ کے والد ابو قحافہ نے کہا: تم نے کمزور و ناتواں غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ وہ درست نہیں طاقتور غلام خرید کر آزاد کرو تاکہ ایک مضبوط جتھا تیار ہو اور کل تمہارے کام آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو بڑا ایمان افروز جواب دیا: اے باپ! میں یہ غلام اللہ کی رضا کے لئے آزاد کرتا ہوں ان کی آزادی سے میرا کوئی دنیاوی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل مقبول ہوا اور خوشنودی کا پروانہ اس آیت کریمہ کی صورت میں نازل ہوا۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝

(اللیل، ۹۳ : ۱۷-۲۱)

"وہ عظیم انسان اس آگ سے محفوظ رہے گا جو بڑا ہی متقی ہے، اور اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ پاک ہو اس کے اوپر کسی نے احسان نہیں کیا جس کا یہ بدلہ چکانا چاہتا ہو اس کے پیشِ نظر رب اکبر کی رضا ہے اور وہ یقیناً اس سے

راضی ہو جائے گا۔"

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ امراءِ مکہ کے مظالم میں شدّت آ گئی۔ وہ دہشت گردی پر اُتر آئے ان کے اطوار و حرکات میں دیوانگی کی جھلک نظر آنے لگی جیسے جوشِ انتقام میں ان پر جنون کی کیفیت طاری ہو گئی ہو' اور اب وہ ہر قیمت پر اس انقلابی تحریک کو کچلنا چاہتے ہوں۔

مظلوم غرباء و مساکین اور ظالم آقاؤں کے زیر نگین غلام اور کنیزیں آخر گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان تھے پتھر کی بے جان مورتیاں نہ تھے جوان چیرہ دستیوں سے متأثر نہ ہوتے۔ ان کے ناتواں جسموں پر آزمائے جانے والے ظلم و ستم کے نت نئے حربوں نے انہیں پریشان کر دیا۔ حوصلہ تو نہ ہارا مگر دل میں آرزو انگڑائیاں لینے لگی کہ ظلم کی کشتی بھر چکی ہے اب اسے بیچ منجدھار ڈوبنا ہی چاہیے۔ اہلِ مکہ نے مظالم کی انتہاء کر دی ہے اور تشدد کی ایسی خونچکاں داستانیں رقم کی ہیں۔ جن کی مثال نہیں ملتی اس لئے انہیں ان کی سزا ملنی چاہیے تاکہ انہیں احساس ہو کہ دوسرے بھی انسان ہیں اور ان پر سختی کی جائے تو انہیں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں اپنے ان جذبات کا اظہار کر ہی دیا:
حضرت خباب رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں:

اتیت النبی صلی الله علیه وسلم وهو متوسد بردة وهو في ظل الكعبة وقد لقينا من المشركين شدة فقلت الا تدعو الله؟ فقعد وهو محمر وجهه فقال: قد كان من كان قبلكم ليمشط بمشاط الحديد ما دون عظامه من لحم او عصب مايصرفه ذالك عن دينه؟ ويوضع المنشار على مفرق راسه فيشق باثنتين مايصرفه ذالك عن دينه وليتمن الله هذا الامر حتى يسير الراكب من صنعاء الى حضرموت، مايخاف الا الله

(فتح الباری، ۷ : ۱۶۵ حدیث : ۳۸۵۲)

"میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ کے زیر سایہ ایک چادر کا تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے یہ اس دور کی بات ہے جب ہم مشرکین کے شدید مظالم کا نشانہ بنے ہوئے تھے پس میں نے کہا: یا رسول اللہ: کیا آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان ظالموں کے خلاف دعا نہیں کریں گے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: جو اہل ایمان تم سے پہلے گذرے ہیں ان کا گوشت پوست لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ ہڈیوں سے ادھیڑا جاتا تھا مگر اتنی شدید اذیت بھی ان کو دین سے برگشتہ نہیں کرتی تھی کسی کے سر پر آرا رکھ کر اسے چیر دیا جاتا تھا۔ سنو! گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور غلبہ و اقتدار عطا فرمائے گا اور ایسا امن قائم ہو جائے گا کہ ایک سوار صنعاءِ یمن سے "حضر موت" تک تنہا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا۔"

حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بہت سے پہلو ہیں جن میں اسرار و رموز مختلف ادوار کے لئے رہنمائی اور بشارات کی ایک دنیا آباد ہے۔

(۱) حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عرضداشت پر آپ ﷺ نے انہیں کیفیت جلال سے سمجھایا اور اہلِ ستم کے خلاف دعا سے انکار فرما دیا۔ گذشتہ اہلِ ایمان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی کیفیات بتا کر صبر کی تلقین کی:

اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اہل حق پر ابتلاء کے ادوار بھی آتے ہیں جب وہ سفاک ظالموں کی سختیوں اور چیرہ دستیوں کا نشانہ بنتے ہیں اور بالکل بے دست و پا ہوتے ہیں عزم و استقلال اور ایمان کے سوا کوئی ان کا ساتھی نہیں ہوتا۔ حالات کا تجزیہ کرنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انقلابی تحریک ختم ہو گئی ہے اور انقلاب دشمن عناصر نے دہشت گردی سے کام لے کر اسے دبا دیا ہے۔ اس کے وابستگان کو ہراساں کر کے اس سے منحرف کر دیا ہے۔ لیکن یہ فقط ایک دور ہوتا ہے جس میں مشن سے وابستہ افراد کے ایمان و خلوص کی جانچ ہوتی ہے انہیں آزمایا جاتا ہے کہ وہ اپنے دین

کے ساتھ کس حد تک مخلص ہیں جو ہر آزمائش پر پورے اُترتے ہیں۔ انہیں حیاتِ جاودانی عطا کر دی جاتی ہے پھر ان شہیدوں کا خون ناب دین کو وہ اقتدارِ اعلیٰ عطا کرتا ہے کہ دشت نورد بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے اور امن و امان کے ساتھ بیابانوں کو عبور کرتے ہیں۔

(۲) حضور ﷺ نے یہ ایک نوید جانفزا اس وقت سنائی جب ظلم و ستم کا بازار گرم تھا اور کسی ایماندار کی جان محفوظ نہیں تھی۔ ظالموں نے خوف و ہراس کی ایسی فضا قائم کی ہوئی تھی جس میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں تھی' جب چاہتے تھے مسلح دہشت گردی کر دیتے تھے۔ ایسے ماحول میں کوئی فتح و نصرت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر سچے نبی ﷺ نے انہیں یقین دلایا کہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے وہ ظالموں کا پنجۂ ستم مروڑ سکتا ہے مگر بات صرف اتنی ہے کہ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ تمام حربے آزمالیں اور ان کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے اور دوسری طرف اپنوں کا امتحان لیتا ہے کہ جوانیاں لٹانے کے دعوے میں کہاں تک سچے ہیں پھر جب وقت آتا ہے تو نمرود و شداد اور فرعون و ہامان کے نیچے سے بھی تختہ کھینچ لیتا ہے اور اہلِ ایمان کو تخت پر بٹھا دیتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی پشین گوئی کے مطابق انقلاب آیا اور جو انقلاب دشمن عناصر یہ سمجھتے تھے کہ ان کا آفتابِ اقبال کبھی غروب نہیں ہو گا وہ حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے اور اس طرح پیوند زمین ہوئے کہ نام لینے والا بھی کوئی نہ رہا مگر دوسری طرف وہ لوگ جو کمزور و ناتواں تھے اور ان کے مظالم سہتے رہتے تھے دین سے وابستگی نے انہیں بقا کی دولت عطا فرما دی اور جریدہ عالم پر ان کا دوام ثبت کر دیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
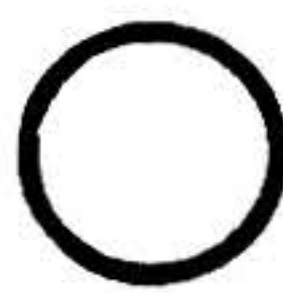
باب ۔ ۱۱

صداقتِ نبوت کا عجب امتحان

بت پرست طاغوتی طاقتوں نے دین حق کے علمبرداروں اور خدا اور رسول کی محبت سے سرشار اہل ایمان کو دین حق سے منحرف کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وحشت و بربریت کی انتہا کر دی اور کوئی ایسا ستم نہ چھوڑا جو ان کی ناتواں جانوں پر نہ توڑا ہو۔ مگر ان تمام مظالم اور مذموم کوششوں کے باوجود بھی جب مصطفوی تحریک نہ دبی، کارکنوں کے حوصلے بلند رہے اور وہ دعوت حق اور عشق رسالت مآب ﷺ کا پرچم تھامے جرأت و ہمت کے ساتھ راہ انقلاب پر گامزن رہے تو ان لوگوں کے حوصلے پست ہو گئے لیکن وہ آسانی سے ہار ماننے والے نہیں تھے۔ یہ ان کی نخوت کی توہین تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی معیشت، عیش و عشرت اور شان و شوکت کا ڈھانچہ ہی اس جھوٹے وقار اور عارضی اقتدار کے سہارے قائم تھا۔ اگر وہ اسے ہاتھ سے دے دیتے تو ان کی اصلیت واضح ہو جاتی جو مکر و فریب، جھوٹ، جہالت، غداری، ضمیر فروشی، جور و جفا اور خیانت و کمینگی سے عبارت تھی۔ پھر انہیں جھک کر سلام کرنے اور آداب بجالانے والا کوئی نہ رہتا بلکہ انہیں کوئی اس قابل بھی نہ سمجھتا کہ نگاہ حقارت ہی سے دیکھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی جھوٹی شان و شوکت کے دفاع کے لئے ایک اور محاذ کھولنے کا فیصلہ کر لیا، اور وہ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ سے ان کی صداقت کا کوئی ٹھوس ثبوت مانگا جائے جسے وہ پیش نہ کر سکیں۔ پھر اسے خوب اچھالا جائے اور منفی پروپیگنڈا کے ذریعے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی جائے مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ مواد کہاں سے لیا جائے۔ یہ تو طے تھا کہ پوچھے جانے والے سوالات نہایت مشکل ہوں مگر وہ کیا ہوں؟ اسی طرح لیا جانے والا امتحان بہت سخت ہو مگر وہ کیا ہو؟ ان کا غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ ذہن یہ مسئلہ حل نہ کر سکا۔ آخر ان کی نظر علماء یہود پر جا کر رکی سوچنے

لگے وہ گذشتہ سماوی کتابوں کے عالم اور پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ ہماری یہ مشکل بآسانی حل کرسکتے ہیں ان سے مشورہ اور رہنمائی لی جائے اور پھر ان کی بتائی ہوئی علمی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو تیار کیا۔ دین دشمنی میں ان دونوں کا نام سرفہرست تھا۔ اہل حق پر مظالم ڈھانے میں بھی یہ دونوں پیش پیش تھے اور مصطفوی تحریک کو دبانے اور انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے دن رات سرگرم عمل رہتے تھے۔ اس کام کے لئے ان کی نظر میں یہ موزوں ترین جوڑا تھا۔ یہ دو رکنی وفد انہوں نے احبار یہود کے پاس "یثرب" بھیجا اس وفد نے وہاں پہنچ کر ساری صورت حال (SITUATION) ان کے سامنے رکھی اور حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام صفات بتا کر کہا: انہوں نے دعوائے نبوت کیا ہے۔ آپ اپنی معلومات کی روشنی میں بتائیں کیا یہ سچے ہیں؟ یہود کے علماء و احبار نے جو جواب دیا اس نے ان کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ وہ ان کی توقع اور خواہش کے بالکل برعکس تھا تاہم انہوں نے ان کی ڈھارس بندھائی اور امتحان لینے کا طریقہ سمجھا دیا وہ بولے:

فان كان كما وصفتم لنا فهو نبي مرسل وامره حق، ولكن سلوه عن ثلاث خصال فانه يخبركم بخصلتين ولايخبركم بالثالثة ان كان نبيا (الخصائص الكبرى، ١ : ١٤٣)

جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر وہ درست ہے تو وہ سچے رسول ہیں اور ان کی دعوت برحق ہے اگر تم مزید آزمانا چاہتے ہو تو ان سے تین سوال کرو اگر وہ سچے نبی ہیں تو دو کا جواب دیں گے ایک کا جواب نہیں دیں گے۔

(۱) پہلا سوال یہ ہے کہ "عالمی سیاح" کون تھا جو اپنی حیرت انگیز سیاحت کے دوران زمین کے مغربی حصوں تک پہنچا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر مشرقی حصوں تک چلا گیا اور ان علاقوں کا بغور مشاہدہ کیا اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

(۲) وہ نوجوان کون تھے جو قدیم ترین زمانے میں اپنے شہر سے نکلے اور پہاڑ کی "کھوہ" میں جا کر پناہ گزیں ہوئے اور پھر انہیں ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا اس کی تفصیلات

بتائی جائیں؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ روح کی حقیقت پر روشنی ڈالیں۔

یہ سوالات سن کر نضر بن حارث اور عقبہ کی باچھیں کھل گئیں سوالات انتہائی مشکل اور دور ماقبل تاریخ سے تعلق رکھتے تھے جن کے متعلق انہوں نے اپنے طور پر ہی فیصلہ کر لیا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) ان کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔ پھر تسلی کا ایک اور پہلو بھی تھا وہ یہ کہ ان کی صداقت کی نشانی یہ تھی کہ وہ پہلے دو سوالوں کے جوابات دیں اور تیسرے کا نہ دیں اگر تینوں کے جوابات دے دیں تو بھی سچے نہیں تینوں کے نہ دیں تو بھی سچے نہیں۔

گویا سچائی کے امکانات کم تھے اور یہی چیز ان کے لئے خوشی کا باعث تھی۔ دو کا جواب دے کر ایک سے خاموشی اختیار کرنے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟ وہ یہی سوچتے اور دل ہی دل میں تانا بانا بنتے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور اپنے ساتھیوں کو خبر دی کہ مشکل سوالات مل گئے ہیں اور پھر انہوں نے ایک اجتماع میں حضور ﷺ سے یہ تینوں سوالات پوچھ لئے۔ آقا ﷺ نے فرمایا: ہم کل ان کا جواب دیں گے۔

اتفاقاً آپ اس وقت "انشاء اللہ" کہنا بھول گئے نتیجہ یہ نکلا کہ پندرہ روز تک وحی نازل نہ ہوئی اور دشمنوں کو پروپیگنڈا کرنے کا کچھ موقعہ مل گیا مگر جب وحی نازل ہوئی اور سورہ کہف میں دو سوالات کے جوابات دے کر تیسرے کے بارے میں فرمایا گیا۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً	آپ فرما دیجئے کہ روح امر ربانی ہے اور تمہیں اتنا علم نہیں دیا گیا کہ اسے سمجھ سکو۔
(بنی اسرائیل، ۱۷ : ۸۵)	

یہ بتا کر گویا تیسرے سوال کا جواب نہ دیا گیا تو وہ سناٹے میں آ گئے ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ان پر صداقت نبوت کی تمام نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں مگر وہ ہٹ دھرمی پر اُتر آئے اور اسے بھی جادو قرار دے کر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس

موقعہ پر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی: پندرہ روز تک ان کے حاضر خدمت نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا آئندہ اس کا خیال رکھیں اہل مقام کے لئے یہ ایک عطاء خاص اور انعام ربانی ہے جس سے مستفید ہونا باعث برکت و سعادت ہے کامیابی کا ذریعہ ہے اس سے تائید ایزدی اور رحمت ربانی شامل حال ہو جاتی ہے اور تمام کام پایہ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں اس لئے انشاء اللہ کہنے سے کسی انسان کو کبھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔

(۲) جب اہل مکہ اپنی اس اسکیم (SCHEME) اور چلائی ہوئی مہم میں بری طرح شکست کھا گئے اور ان کی منصوبہ بندی (PLANNING) دھری کی دھری رہ گئی تو بہت پریشان ہوئے اور خفت مٹانے کے لئے پھر جمع ہوئے ان کی توقع کے برعکس نبی مکرم ﷺ نے تین سوالوں میں سے دو کے جواب دے کر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا اور اپنی برتری اور سچائی ثابت کر دی تھی مگر ان کا مقصود تلاش حق نہیں بلکہ حق کے صاف سیدھے راستے میں روڑے اٹکانا تھا۔ اس لئے اب انہوں نے کچھ نئے روڑے نوکیلے پتھر اور سنگ گراں تلاش کرنے کے لئے ایک اجلاس طلب کیا اور سر جوڑ کر بیٹھے کہ اب ان سے کیا مطالبہ کریں جسے یہ کسی صورت میں بھی پورا نہ کر سکیں ۔ اس اجلاس میں مکہ کے تمام سردار شریک ہوئے قیادت کرنے والے اکابر میں سے حسب معمول ابو جہل ' ولید بن مغیرہ ' عاص بن وائل ' نضر بن حارث اور اسود بن عبد یغوث جیسے لوگ موجود تھے۔ زبردست بحث ہوئی آخر تان اس پر آکر ٹوٹی کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) بہت بڑے جادوگر ہیں زمین والوں پر جادو کر دیتے ہیں اس لئے کوئی آسمانی نشان طلب کیا جائے جس پر ان کا جادو نہ چل سکے۔ اس مقصد کے لئے ان کی نظر چاند پر پڑی۔ چودھویں کی رات تھی بدر نے آن بان کے ساتھ آسمان پر طلوع ہونا تھا انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سے مطالبہ کیا جائے وہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ ظاہر ہے یہ مشکل کام ہے وہ نہیں کر سکیں گے اور ہمیں ان کے خلاف مہم چلانے کا بہانہ ہاتھ تو آجائے گا۔ وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

ھل من آیۃ نعرف بھا انک رسول اللہ؟	کیا آپ کوئی ایسی نشانی دکھا سکتے ہیں جس سے ہم یہ جان سکیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں؟

حضور ﷺ نے انہیں اجازت عطا فرمائی وہ بولے:

ان کنت صادقا فشق لنا القمر فرقتین، نصفا علی ابی قبیس ونصفا علی قعیقعان، فقال لھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم "ان فعلت تؤمنوا" قالوا: نعم! وکانت لیلۃ بدر

(البدایۃ والنہایۃ، ۳ : ۱۲۰)

اگر آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں ایک ٹکڑا "کوہ ابو قبیس" پر ہو اور دوسرا ٹکڑا "کوہ قعیقعان" پر ہو؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں یہ معجزہ دکھا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ ان سب نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے۔

وہ چاندنی رات تھی چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا مصطفیٰ کریم ﷺ کے دستِ مبارک بارگاہ خدواندی میں دعا کے لئے اٹھے چاند کی طرف انگلی مبارک کا اشارہ کیا دیکھتے ہی دیکھتے منور تاباں چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک ٹکڑا اپنی جگہ پر رہا اور دوسرا ٹکڑا حرکت کرتا ہوا پہاڑ کی دوسری طرف چلا گیا اب دونوں ٹکڑے الگ الگ نمایاں نظر آ رہے تھے۔ سرکار نبی اکرم ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: غور سے دیکھ لو اور گواہ ہو جاؤ! وہ لوگ دم بخود رہ گئے عقلیں جواب دے گئیں۔

ثم قالوا بابصارھم فمسحوھا ثم اعادوا النظر فنظروا ثم مسحوا اعینھم ثم نظروا قالوا: یامحمد! ماھذا الا سحر واھب فار اھم القمر، قدر ما بین العصر الی الیل. ینظرون الیہ ثم غاب

انہوں نے غور سے چاند کو دیکھا پھر آنکھیں ملیں پھر اسے دیکھا وہ واضح طور پر دو حصوں میں منقسم تھا انہوں نے پھر آنکھیں ملیں اور اس کے بعد پھر اسے دیکھا چاند واقعتاً دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ وہ اس منظر کی کوئی توجیہہ نہ کر سکے اور بے ساختہ چلا اٹھے: *اے محمد! یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے عصر سے شام تک جتنا وقت ہوتا یہ منظر تقریباً اتنی دیر تک قائم رہا یہ لوگ دیکھتے رہے پھر چاند غائب ہو گیا۔*

ان کے نزدیک یہ ایک زبردست جادو کی کرشمہ نمائی تھی جس نے ان کی نظر بند کر دی تھی اور وہ فریب نظر کا شکار ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے کھڑے کھڑے اس واقعہ کی صداقت کا ایک معیار مقرر کیا کہ

انظروا السفار فان كانوا رأوا مثل ما رأيتم فهو سحر سحركم به فسئل السفار وقدموا من كل وجه وقالوا رأينا

(الخصائص الكبرىٰ ، ۱ : ۱۲۵)

مختلف مقامات سے آنے والے قافلوں کا انتظار کرو پس اگر انہوں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو اس کا مطلب ہو گا نبی نے سچ کہا ہے اگر انہوں نے وہ کچھ نہ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو اس کا مطلب ہو گا وہ جادو ہے جو اس نبی نے تم پر کر دیا ہے۔ جب ہر طرف سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو سب نے جواب دیا: ہم نے چاند کو دو حصوں میں منقسم دیکھا تھا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور اسے خوفناک جادو قرار دے کر خاموش ہو گئے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا امتحان لینے کی یہ اجتماعی سوچ انفرادی سوچ میں سرایت کر گئی اور عام افراد اپنی اپنی سطح پر اسی قسم کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

كان رجل من بنى هاشم يقال له ركانة وكان من اشد الناس

وافتکھم وکان مشرکاً وکان یرعی غنما لہ في واد یقال لہ اضم

رکانہ جس کا نسبی تعلق بنو ہاشم سے تھا بڑا ہی طاقتور مار دھاڑ کرنے والا ایک شخص تھا اور اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ کوہ "اضم" کے دامن میں ایک شاداب وادی تھی جہاں یہ بکریاں چرایا کرتا تھا اس کی وادی میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی لوگ یہاں سے کترا کر نکل جاتے تاکہ رکانہ پہلوان کا سامنا نہ ہو۔

ایک روز اسی وادی میں حضور ﷺ تنہا تشریف لے آئے اتفاق ایسا ہوا کہ رکانہ بھی ادھر آ گیا اور اس نے آپ کو دیکھ لیا پرانے خیالات و نظریات کا آدمی تھا جلال میں آگیا اور آپ کو مخاطب کرکے بولا:

یا محمد! انت الذی تشتم الھتنا اللات والعزی	آپ ہی ہیں جو ہمارے لات و عزّیٰ کو گالیاں دیتے ہیں۔

اے محمد (ﷺ) اور ہمارے معبودوں کو ناتواں ٹھہراتے ہیں اور اپنے خدا کی بڑائی بیان کرتے ہیں؟ اگر میرا آپ کے ساتھ خاندانی رشتہ نہ ہوتا تو آج آپ کا کام تمام کر دیتا۔

لیکن اب میں آپ کا امتحان لوں گا آپ میرے ساتھ کشتی لڑیں میں اپنے خداؤں کو پکاروں گا آپ اپنے خدا کو مدد کے لئے پکاریں اگر آپ غالب آ گئے تو میں آپ کو دس بکریاں دوں گا۔ حضور ﷺ نے اطمینان سے فرمایا: مجھے تمہاری تجویز منظور ہے میدان میں آ جاؤ! رکانہ عرب کا نامور پہلوان تھا تمام پہلوان اس سے خم کھاتے تھے وہ جانور کی کھال پر تن کر کھڑا ہو جاتا پھر پہلوانوں کو حکم دیتا کہ اس کے نیچے سے کھال کھینچیں اس کشمکش میں وہ کھال پھٹ جاتی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ان کے ہاتھوں میں آ جاتی تھی مگر اس کے نیچے سے کھسکتی نہیں تھی۔

حضور ﷺ نے ہاتھ میں ہاتھ دیا دست نبوت سے اس کا پنجہ مروڑا تو اس

کے ہوش اڑ گئے۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا جب سرکار دو عالم ﷺ نے اسے جھٹکا دیا تو وہ خزاں زدہ پتے کی طرح جھڑ گیا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا یہ انجام اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا اس نے اسے اتفاق پر محمول کیا اور دوبارہ کشتی لڑنے کی استدعاء کی۔ دوسری بار بھی حضور ﷺ نے اسے بڑی آسانی سے پچھاڑ دیا۔ اب تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تاہم اب مزید اطمینان کے لئے اس نے آخری بار کشتی لڑنے کی خواہش ظاہر کی اس بار بھی کوئی دیر نہ لگی وہ پلک جھپکنے میں چاروں شانے چت گر گیا۔ رکانہ اٹھا اور اپنے تاثرات بیان کئے۔

لست انت الذی فعلت بی ھذا
انما فعله الھك العزیز الحکیم
وخذلنی اللات والعزّٰی

یہ سب کچھ آپ نے نہیں کیا بلکہ آپ کے غالب و قادر اور حکیم رب نے آپ کی امداد کی ہے اور میرے خداؤں نے میری کوئی مدد نہیں کی۔

چونکہ آپ نے مجھے تین بار پچھاڑا ہے اس لئے تیس بکریاں لے جائیں۔

فقال له النبی صلی الله علیه وسلم ماارید ذالك ولکنی ادعوك الی الاسلام یارکانة! وانفس بك ان تصیر الی النار، انك ان تسلم، تسلم،

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے رکانہ! مجھے تمہارے مال سے کوئی دلچسپی نہیں البتہ تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ۔ سلامت رہو گے اور آگ میں جلنے سے بچ جاؤ گے۔

اس نے کہا: میں اسلام نہیں لاؤں گا ہاں اگر آپ اپنی سچائی کی کوئی اور نشانی پیش کر دیں تو اس موضوع پر غور کیا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا یہ مطالبہ منظور ہے ابھی تمہاری یہ خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ سامنے ایک سرسبز و شاداب درخت کھڑا تھا آپ نے اسے اشارہ کیا اور حکم دیا کہ فوراً چل کر آؤ۔

یہ حکم سنتے ہی اس میں حرکت پیدا ہو گئی اس نے اپنی جڑیں باہر نکالیں شاخیں

سمیٹیں اور خراماں خراماں لڑھکتا ہوا بارگاہ نبوت میں غلام کی طرح آکر کھڑا ہو گیا۔

رکانہ بولا: بہت خوب! واقعی بہت بڑی نشانی ہے اب اسے حکم دیں کہ واپس چلا جائے اور پہلی حالت میں آجائے حکم سنتے ہی وہ واپس مڑا اور جا کر پہلے کی طرح زمین میں گڑ گیا۔ رکانہ کے دل میں ایمان قبول کرنے کے لئے کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی وہ سوچوں میں گم ہو گیا بولا: اے محمد ﷺ! آج تک کسی نے زمین کے ساتھ میری پیٹھ نہیں لگائی اس حقیقت سے مکہ کے مرد و زن اور پیر و جواں سب واقف ہیں آج میں دل ہی میں بڑی خفت اور شرمندگی محسوس کر رہا ہوں مجھے گرا کر آپ نے تو میرے پندار و غرور کا پیمانہ چکنا چور کر دیا ہے بہتر یہی ہے کہ وعدے کے مطابق بکریاں لے لیں میں ایمان نہیں لاؤں گا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بے نیازی سے فرمایا: مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں یہ اپنے پاس رکھو۔ جب آپ وادی اضم سے باہر نکلے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نظر آئے وہ آپ ہی کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے آپ کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی عرض گذار ہوئے۔ یا رسول اللہ! یہ رکانہ کی وادی ہے وہ متعصب قسم کا دشمن ہے اگر دیکھ لیتا تو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا آپ ادھر تنہا تشریف نہ لایا کریں۔ حضور ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا۔ آج اس سے نہ صرف سامنا ہوا اور باتیں ہوئیں بلکہ کشتی بھی ہوئی اور ہم نے اسے تین مرتبہ پچھاڑا۔ ان حضرات کی حیرت اور خوشی کی انتہاء نہ رہی مگر چونکہ حقیقت شناس تھے اس لئے دوسرے ہی لمحے بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ اسے اعجازی قوت کے ساتھ پچھاڑا گیا ہے۔

(الخصائص الکبری' ۱:۱۳۰' دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۳۴۷)

ایک دوسری روایت ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں آپ فرماتے ہیں: رکانہ نے ایک مرتبہ پچھاڑنے پر سو بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا اور آپ نے تین مرتبہ پچھاڑ کر تین سو بکریاں جیت لیں حضور ﷺ نے اس کی بکریاں واپس کر دیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے جو حوالہ دیا ہے اس میں ہے وہ اتنے بڑے نقصان پر رونے

لگ گیا تھا جس پر آپ نے اس کی ساری بکریاں واپس کر دیں۔

(رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ :۸۸)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ رکانہ نے سرکار کے معجزے اور اخلاق سے متاثر ہو کر کہا:

یامحمد! ماوضع ظهری الی الارض احد قبلك وما كان احد ابغض الی منك وانا اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله

(البداية والنهاية ، ٣ : ١٠٤)

اے محمد! آج سے پہلے کسی نے زمین کے ساتھ میری پشت نہیں لگائی تھی اور آپ سے زیادہ کوئی شخص برا نہیں لگتا تھا، لیکن اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ معبود برحق ہے اور آپ اس کے رسول ہیں۔

(البدایہ والنھایہ ۳:۱۰۴)
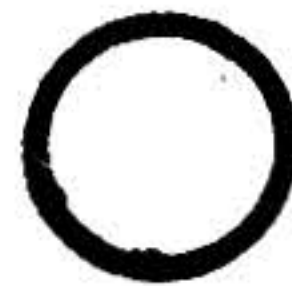
باب۔ ۱۲

منصوبہ قتل اور معاشرتی مقاطعہ

(Social Boycott)

مصطفوی تحریک کو ابتدا ہی میں بڑے مخلص' وفاشعار باہمت' سرفروش اور جانثار کارکن ملے جنہوں نے استبداد پسند امراء' اقتدار پرست وڈیروں اور قبائلی سرداروں کا ہر وار اپنے سینے پر سہا۔ ہر ستم بڑی حوصلہ مندی اور جوانمردی کے ساتھ برداشت کیا۔ تپتی زمین پر لیٹے اور دہکتے انگاروں پہ لوٹے۔ بھوکے اور پیاسے رہے۔ تنور کی طرح گرم دوپہر میں لوہے کی زنجیروں اور زرہوں میں جاں بلب پڑے رہے۔ جسم کو چیر دینے والے کوڑے کھائے۔ عقوبت خانوں کی غیر انسانی اذیتیں برداشت کیں مگر جس راہ محبت پر چل نکلے تھے اس سے ایک قدم بھی واپس مڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

تحریک کی قیادت کرنے والے عظیم و جلیل اور جرات مند رہنما بھی روز اول ہی سے ایک ناقابل تسخیر عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے بلند عزائم اور توانا ارادوں میں کوئی تزلزل پیدا نہ ہوا تھا اور نہ ہی قامت زیبا میں خم آیا تھا وہ اسی جرأت اور بہادری کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے' دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم اور اپنے فرض کی تکمیل و بجاآوری میں ہمہ تن مصروف تھے۔

عناد پسند اور بت پرست اہل مکہ کے مطالبہ پر زمینی اور آسمانی نشانات بھی دکھا دیئے روشن دلائل کے ساتھ اپنی نبوت کی صداقت بھی ثابت کر دی اہل شرک کے لئے کوئی بہانہ نہ چھوڑا جسے وہ تراش سکیں اور اس کے سہارے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کر سکیں۔ ان حالات و واقعات نے دین دشمن عناصر کو ناکامیوں کے اندھے کنویں میں دھکیل دیا وہ خود کو بے بسی اور مجبوری کی دلدل میں پھنسا ہوا محسوس کرنے لگے۔

وہ انقلابی تحریک سے ہر میدان میں شکست کھا چکے تھے مگر ذہنی طور پر

اعتراف شکست کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ ان کی "انا" خاندانی نخوت اور اقتدار کے وقار کا سوال تھا۔ جب معاشرے کے کمزور ترین افراد کو بھی ظلم وستم کے باوجود اپنے ڈھب پہ نہ لا سکے اور نبی کریم ﷺ کے معجزات اور صداقتوں کے نشانات سے بھی ہر میدان میں شکست کھا گئے تو ناکامی' بے عزتی' ذلت اور شکست کے تصور سے جھنجلا گئے۔ اسی جھنجلاہٹ میں وہ فیصلہ کر لیا جو دلائل و براہین کے سامنے عاجز آ جانے والا ہر باطل پرست کرتا ہے۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ اہل حق پر مظالم میں شدت پیدا کرنے کے ساتھ صاحب دعوت کو جس طرح بن پڑے قابو کر کے سرعام (معاذ اللہ) قتل کر دیا جائے۔ اس جارحانہ اقدام میں بنو ہاشم کی مزاحمت کا امکان ہے۔ مگر یہ بعد کا مسئلہ ہے جس سے پھر نپٹ لیا جائے گا۔ سردست کرنے کا کام صرف ایک ہی ہے۔ پھر وہ اس ناپاک ارادے میں سنجیدہ ہو گئے اور حملہ آور مقرر کر دیئے۔ ابو طالب کو جب اس خونی فیصلے اور سفاک سازش کا پتہ چلا تو انہیں سخت تشویش ہوئی۔ اسی وقت خاندان بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کر کے حکم دیا کہ سب "شعب ابی طالب" میں جمع ہو جائیں اور خاندان کے عظیم المرتبت اور قابل فخر فرزند محمد "مصطفیٰ ﷺ" کی دل وجان سے حفاظت کریں تاکہ دشمن قبائل انہیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکیں۔ "شعب ابی طالب" ایک محفوظ "درہ" تھا اپنے سربراہ کا حکم پا کر دونوں خاندان وہاں اکٹھے ہو گئے اور حفاظتی انتظامات مکمل کر لئے۔ امام ابن شہاب زہری کی روایت

ثم ان المشركين اشتدوا على المسلمين كاشد ماكانوا حتى بلغ المسلمين الجهد، واشتد عليهم البلاء واجتمعت قريش في مكرها ان يقتلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، علانية، فلما راى ابوطالب عمل القوم جمع بني عبد المطلب، وامرهم ان يدخلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم شعبهم ويمنعوه ممن ارادوا قتله، فمنهم من فعله حمية، ومنهم من فعله ايمانا ويقينا

(دلائل النبوة للبيهقي، ٢ : ٣١١)

(البداية والنهاية، ٣ : ٨٤)

پھر اہل شرک نے مسلمانوں پر پہلے سے بھی زیادہ سختی شروع کر دی جس سے جینا دوبھر ہو گیا اور مصیبت انتہا کو پہنچ گئی قریش نے یہ اجتماعی سازش تیار کی کہ رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ قتل کر دیا جائے جب ابو طالب نے قوم کا یہ رویہ دیکھا تو "بنو عبد المطلب" کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو "درے" میں لے جائیں اور جو قتل کے درپے ہیں ان سے بچائیں۔ چنانچہ کسی نے خاندانی عصبیت کی بنا پر آپ کی حفاظت کی اور کسی نے ایمان ویقین کے نور اور جذبے کے ساتھ آپ کا پہرہ دیا۔

فکان ابو طالب اذا اخذ الناس مضاجعهم امر رسول الله صلی الله علیه وسلم، فاضطجع علی فراشه حتی یری ذالك مـن اراد به مکرا واغتیالا له فاذا نام الناس امر احد بنیه او اخوته او بنی عمه فاضطجعوا علی فـراش رسـول الله صلی الله علیـه وسـلم وامر رسول الله ان یاتی بعض فرشهم فینام علیه

ابو طالب بہت دانا، تجربہ کار اور دوراندیش تھے رات کے وقت حضور ﷺ کو سب کے سامنے ایک بستر پر لٹا دیتے تاکہ سب دیکھ لیں کہ محمد (ﷺ) یہاں سوئے ہیں پھر موقعہ پا کر آپ کو اس بستر سے نکال کر کسی اور جگہ سلا دیتے اور اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا چچا زاد سے کہتے کہ وہ اس بستر میں سو جائے۔

جب قریش کو ابو طالب کی ان حفاظتی تدابیر اور عملی اقدامات کا علم ہوا تو بھر گئے اور ردعمل ظاہر کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہو گئے اور متفقہ طور پر ایک قرار داد منظور کی کہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہمارے راستے میں رکاوٹ بنے ہیں اور انہوں نے ہمارے عزائم کو ناکام بنایا ہے۔ یہ ایک قومی خیانت اور غداری ہے۔ جس سے صدیوں پرانے معاشرتی اعتقادات ونظریات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ اس لئے یہ اجتماعی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آج سے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا معاشرتی مقاطعہ (Social boycott) کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان سے معاشرتی روابط نہ رکھے۔ ہر قسم کا لین دین

میل میلاپ بند کر دے۔ نہ ان سے کوئی چیز خریدے نہ انہیں خریدنے دے۔ نہ خود ان کے پاس جائے نہ انہیں اپنے پاس آنے دے۔ نہ ان کے ساتھ نکاح کرے نہ انہیں اپنی برادری میں نکاح کرنے کی اجازت دے۔

فلما عرفت قريش ان القوم قد منعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم واجمعوا على ذالك، اجتمع المشركون من قريش فاجمعوا مرهم، ان لايجالسوهم ولايبايعوهم ولايدخلوا بيوتهم حتى يسلموا رسول الله صلى الله عليه وسلم للقتل، وكتبوا في مكرهم صحيفة وعهودا ومواثيق لايقبلوا من بني هاشهم صلحا ابدا ولاياخذهم بهم رافة حتى يسلموه للقتل

(البداية والنهاية ، ٣ : ٨٤)

جب قریش نے دیکھا کہ بنو ہاشم نے حضور رسول اکرم ﷺ کو محفوظ کر لیا ہے اور وہ اس نقطے پر متحد ہو گئے ہیں تو وہ بھی جمع ہوئے اور انہوں نے اس نقطے پر اتفاق کیا کہ وہ ان کے ساتھ نشست و برخاست نہیں رکھیں گے نہ کسی قسم کی خرید و فروخت کریں گے نہ ان کے گھروں میں جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو قتل کے لئے ان کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے ایک دستاویز بھی تیار کی جس میں یہ عہد کیا کہ وہ بنو ہاشم کے ساتھ کبھی بھی صلح نہیں کریں گے نہ ان پر ترس کھائیں گے یہاں تک کہ وہ حضور اکرم کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر سکیں۔

یہ دستاویز محرم کے شروع میں لکھی گئی اس وقت بعثت کا ساتواں سال تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم راوی ہیں۔

حصروا بني هاشم في شعب ابى طالب ليلة هلال المحرم سنة سبع من حين تنبى رسول الله صلى الله عليه وسلم وانحار بنو المطلب عبد مناف الى ابى طالب في شعبه مع بني هاشم

وخرج ابو لهب الى قريش فظاهرهم على بنى هاشم وبنى المطلب (الطبقات الكبرى لابن سعد ، ۱ : ۲۰۹)

قریش نے بعثت کے ساتویں سال ماہ محرم کے آغاز میں بنو ہاشم کا "شعب ابی طالب" میں محاصرہ کیا بنو عبدالمطلب بھی بنو ہاشم کے ساتھ آ ملے۔ البتہ ابولہب نکل گیا اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے خلاف قریش کا ساتھ دیا۔

ابولہب اپنے اس رویے پر بہت نازاں تھا اور اپنے اس کردار کی داد وصول کیا کرتا تھا ابن اسحاق کا بیان ہے۔

ان ابا لهب لقى هند بنت عتبة، حين فارق قومه وظاهر عليهم قريشا، فقال يابنت عتبة، هل نصرت اللات والعزّٰى، وفارقت من فارقهما وظاهر عليهما؟ قالت: نعم، فجزاك الله خيرا

(السيرة النبوية لابن هشام ، ۱ : ۳۵۱)

ابولہب نے جب اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور قریش کے ہاتھ مضبوط کئے تو اس وقت وہ عتبہ کی بیٹی ہند کے پاس گیا اور کہا اے بنت عتبہ! کیا تو محسوس کرتی ہے کہ میں نے لات وعزّٰی کا ساتھ دیا ہے اور جو لوگ ان کے خلاف ہو گئے ہیں اور انہیں چھوڑ گئے ہیں میں نے انہیں چھوڑ دیا ہے؟ وہ بولی: ہاں خدا تجھے اس وفا کی جزا دے۔

تمام قبائل کے اتفاق واتحاد سے جو دستاویز تیار کی گئی تھی وہ "جوف کعبہ" میں لٹکا دی گئی تاکہ سب کو اس کا پاس رہے اور کوئی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرے سب نے عہد وپیمان کے مطابق اس پر عمل شروع کر دیا۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے ہر قسم کے روابط توڑ لئے اور ملنا برتنا بند کر دیا اور ان کے لئے منڈی میں آکر خرید و فروخت کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اگر باہر سے کوئی قافلہ آتا تو قریش کے ظالم سردار پہلے ہی وہاں پہنچ کر گراں قیمت پر سارا مال واسباب اور غلہ خرید لیتے۔ تاکہ بنو ہاشم نہ خرید سکیں اتنی سخت ناکہ بندی اور محاصرے کے نتائج جلد ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔

شعب ابی طالب میں محصور افراد کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ رہا وہ پتے کھا کر گذارہ کرنے لگے۔ بھوک اور پیاس سے بلکنے والے بچوں کی چیخ و پکار سے پوری وادی گونج اٹھی۔ ان کے رونے اور چلانے کی آوازیں دور دور تک سنائی دینے لگیں۔

فمن قريش من سره ذالك
ومنهم من ساءه
(الطبقات الكبرى، ۱ : ۲۰۹)

یہ آوازیں سن کر کسی کا دل خوش ہوتا اور کوئی غمگین ہو جاتا اور اس کا دل درد سے بھر آتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص (جو غیر ہاشمی ہونے کے باوجود حضور ﷺ کے ساتھ برضا و رغبت اس مصیبت میں شریک تھے) فرماتے ہیں ایک دفعہ رات کو انہیں سوکھے ہوئے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے ملا' انہوں نے اسے پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پیا۔

(الروض الانف للسہیلی' ۱: ۲۳۲)

حکیم بن حزام اور ہشام بن عمرو ان لوگوں میں سے تھے جو اس نظر بندی اور ظالمانہ کاروائی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ انتہائی اقدام تھا۔ جو کسی لحاظ سے بھی جائز اور مناسب نہیں تھا۔ اس پر مستزاد جب انہوں نے شیر خوار بچوں کو بھوک سے بلکتے دیکھا اور ان کے چیخنے چلانے کی درد بھری آوازیں سنیں' تو ان کے اندر کا انسان جاگ اٹھا۔ انہوں نے اپنے طور پر چوری چھپے محاصرین کی امداد کا فیصلہ کرلیا۔

ہشام نے آدھی رات کے وقت اونٹ پر کھانے پینے کی اشیاء لادیں اور لے کر شعب ابی طالب کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب گھاٹی کے قریب پہنچا تو نکیل کھول دی اور اونٹ کو گھاٹی میں داخل کر دیا۔ پھر اس نے یہ معمول بنا لیا کبھی کپڑے، کبھی گندم اور کبھی دوسری ضرورت کی چیزیں اونٹ پر لاد کر اونٹ سمیت درے میں دھکیل دیتا۔

حکیم بن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا اس کی عظیم المرتبت پھوپھی جان درے میں بچوں سمیت جن روح فرسا اور اذیت ناک حالات سے دوچار تھیں اور درد و کرب کے عالم میں زندگی گذار رہی تھیں وہ ان سے بخوبی آگاہ تھا۔ ان کی بھوک،

پیاس کی تکالیف اور دیگر شدائد و آلام کے تصور نے اسے بے قرار کر دیا۔ تمام مصلحتیں اور خطرات نظرانداز کر کے اس نے اونٹ پر گندم لادی اور درے کی طرف چل دیا۔ ابو جہل نے اسے دیکھ لیا۔

فتعلق به، فقال: اتذهب بالطعام الی بنی هاشم؟ والله لاتذهب انت وطعامك حتی افضحك بمکة (البداية والنهاية ، ۳ : ۸۸)

اس نے آ کر گریبان پکڑ لیا اور کہا: تم بنو ہاشم کے پاس اناج لے کر جاتے ہو خدا کی قسم! تم یہ اناج نہیں لے جا سکو گے۔ میں تمہیں پورے مکہ میں بدنام کر دوں گا۔

اتنے میں وہاں ابو البختری آ گیا اور پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ ابو جہل نے مظلوم بن کر شکایت کی حکیم بن حزام قبائلی معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ یہ ہمارے مقاطعہ (Boycott) کو غیر مؤثر بنانا چاہتا ہے اور گھاٹی میں محصورین کی طرف گندم لے جا رہا ہے۔ ابو البختری نے کہا: تو کیا ہوا؟ اس کی پھوپھی وہاں ہیں اگر یہ ان کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو اس میں قباحت کیا ہے؟ جانے دو تاکہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں لیکن ابو جہل ہٹ دھرمی سے کہنے لگا۔ میں یہ گندم ہرگز نہیں جانے دوں گا۔ ابو البختری کو غصہ آ گیا۔ پاس ہی اونٹ کا خشک جبڑا پڑا ہوا تھا اس نے وہ اٹھا کر ابو جہل کے سر پر دے مارا اور اسے زخمی کر دیا۔ پھر اسے زمین پر پٹخ کر خوب رگڑا اور سارے بل نکال دیئے۔ ان حالات و واقعات نے ہشام بن عمرو کی سوچ کو اس رخ پر ڈال دیا کہ اس بے رحم معاشرے میں بنی ہاشم کے لئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ اور اگر انہیں صدق دل سے تلاش کیا جائے تو وہ بآسانی مل سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے طور پر یہ مہم سر کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور دل میں یہ سوچ لیا کہ وہ یہ ظالمانہ دستاویز بے اثر بنا کر رہے گا جس نے بنو ہاشم کی زندگی اجیرن کر دی ہے اور تین سال سے انہیں الگ تھلگ زندگی گذارنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔ وہ زہیر بن ابی امیہ کے گیا اور دکھ بھرے لہجے میں کہا:

یازهیر! أقد رضیت ان تاکل الطعام وتلبس الثیاب وتنکح النساء واخوالك حیث علمت لایباعون ولایبتاع منهم ولاینکحون ولاینکح الیهم، اما انی احلف بالله لو کانوا اخوال ابی الحکم بن هشام ثم دعوته الی ما مثل دعاك الیه منهم، مااجابك الیه ابدا

اے زہیر! کیا تمہیں گوارا ہے کہ تم کھانا کھاؤ' کپڑے پہنو' عورتوں سے نکاح کرو لیکن تمہارے ماموؤں کے پاس نہ کوئی چیز بیچی جائے نہ خریدی جائے نہ ان کے ساتھ کسی کو نکاح کرنے دیا جائے نہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ کسی اور کے ساتھ نکاح کر سکیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر ابو جہل کے ماموں اس حال میں ہوتے' اور تم اسے دعوت دیتے کہ وہ ان کے ساتھ اسی قسم کا رویہ اختیار کرے تو وہ کبھی تمہاری بات نہ مانتا۔

زہیر نے افسردگی سے کہا: اے ہشام! تم ہی بتاؤ ان حالات میں میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟

ہشام نے صورت حال امید افزا اور حسب منشا پا کر کہا: تم اکیلے نہیں ہو ایک اور آدمی بھی ہے اور وہ میں ہوں۔ زہیر نے کہا: پھر ہمیں ایک تیسرا ساتھی تلاش کرنا چاہیے۔ ہشام تیسرے ساتھی کی تلاش میں مطعم بن عدی کے پاس گیا اور کہا:

یامطعم! قد رضیت ان یهلك بطنان من بنی عبد مناف وانت شاهد علی ذالك موافق لقریش فیه؟

اے مطعم! کیا تم پسند کرتے ہو کہ بنو عبد مناف کے دو خاندان تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیں اور تم قریش کی موافقت میں یہ سب کچھ گوارا کر لو۔

مطعم نے بڑے کرب کا اظہار کیا اور بتایا میں اس ظلم کو پسند نہیں کرتا لیکن

اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟ ہشام نے جواب دیا تم اکیلے نہیں ہو میں تمہارے ساتھ ہوں اور تیسرا شخص زہیر بھی ہمارے ساتھ ہے۔ مطعم نے کہا: پھر ہمیں دو' تین افراد اور ڈھونڈنے چاہئیں جو ہمارے ہمنوا ہوں اور بوقت ضرورت ہماری تائید کریں۔ ہشام نے یقین دلایا کہ میں اور افراد بھی تیار کرلوں گا چنانچہ اس نے کوشش کر کے ابوالبختری اور زمعہ بن اسود کو بھی ساتھ ملالیا اور یوں پانچ افراد کا ایک جتھا تیار ہو گیا جو دستاویز پھاڑنے اور بنو ہاشم کا مقاطعہ (Boycott) ختم کرنے کے حق میں تھا۔ لائحہ عمل طے کرنے کے لئے یہ لوگ "حجون" میں اکٹھے ہوئے یہ ایک الگ تھلگ مقام تھا جہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہ تھا۔ زہیر نے کہا: تم لوگ فکر نہ کرو بات کی ابتدا میں کروں گا پھر بعد میں آپ لوگ یکے بعد دیگرے تائید کرتے چلے جائیں۔ اور کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں ہو گی۔ پروگرام کے مطابق دوسرے روز زہیر نے لباس فاخرہ پہنا اور بڑے طمطراق کے ساتھ صحن کعبہ میں آگیا پہلے طواف کیا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے مخاطب ہوا۔

> یااهل مكة! أناكل الطعام ونلبس الثياب، وبنو هاشم هلكوا، لايبتاعون ولايبتاع منهم، والله لااقعد حتى تشق هذه الصحيفة القاطعة الظالمة
>
> اے اہل مکہ! کیا یہ مناسب ہے کہ ہم کھائیں پئیں' کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم بھوک سے مرتے رہیں نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائے اور نہ انہیں کچھ خریدنے دیا جائے خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک قطع تعلق کا باعث بننے والی یہ ظالم دستاویز پھاڑ نہیں دی جاتی۔

ابوجہل ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سانپ کی طرح بل کھا کر بولا: "یہ دستاویز نہیں پھاڑی جائے گی" زمعہ دوسرے کونے سے بولا: ہم شروع ہی سے اس معاہدہ کے حق میں نہیں تھے یہ دستاویز ہماری مرضی کے خلاف لکھی گئی ہے۔ اس لئے ضرور پھاڑی جائے گی۔ پھر ابوالبختری اور مطعم نے بھی اس کے حق میں آواز اٹھائی۔

ابوجہل بڑا طرار تھا سمجھ گیا بالا بالا مشورہ ہو چکا ہے اور یہ طے شدہ منصوبے کے تحت بول رہے ہیں، غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ اتنے میں خلاف توقع حضرت ابو طالب نظر آئے جو ادھر ہی آ رہے تھے۔ دشمنوں کو امید بندھی کہ شاید تین سالہ محاصرہ سے تنگ آ کر اب مصالحت کی غرض سے آ رہے ہیں اور وہ شرائط قبول کر لیں گے جو ہم نے پیش کی تھیں۔ یہ لوگ سراپا انتظار بن گئے حضرت ابو طالب نے قریب آ کر بتایا۔

ان ابن اخی قد اخبرنی ولم یکذبنی قط ان الله قد سلط علی صحیفتکم الارضة فلحست کل ما فیها من جور او ظلم او قطیعة رحم وبقی فیها کل ما ذکر به الله فان کان ابن اخی صادقا نزعتم عن سوء رایکم وان کان کاذبا دفعته الیکم فقتلتموه او استحییتموه

(الطبقات الکبری لابن سعد ، ۱ : ۲۱۰)

میرے بھائی کے بیٹے (محمد ﷺ) نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے ہر وہ لفظ کھا لیا ہے جس میں جور و جفا، ظلم و ستم اور قطع تعلق کا ذکر تھا اور ہر وہ کلمہ باقی رہنے دیا ہے جس میں اللہ کا ذکر تھا۔ تم دستاویز نکال کر دیکھ لو اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو اس برے معاہدے کو کالعدم قرار دے دو اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں اسے تمہارے سپرد کر دوں گا پھر تم جو چاہے سلوک کرنا زندہ رکھنا یا قتل کر دینا۔

ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ یہی چاہتے تھے انہوں نے جھٹ یہ شرط مان لی کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دستاویز کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ بڑی حفاظت سے رکھی گئی ہے پھر یہ کہ سات پردوں میں بند دستاویز کی کیفیت کا محمد کو کیسے علم ہو سکتا ہے؟ قتل کرنے کے شوق میں انہوں نے فوراً حامی بھر لی ابو طالب سے کہا: ہم آپ کی پیشکش منظور کرتے ہیں۔ جب فریقین میں یہ معاہدہ طے پا گیا تو

قام المطعم بن عدی الی الصحیفۃ لیشقھا فوجد الارضۃ قد اکلتھا الا باسمك اللھم

(البدایۃ النھایۃ ، ۳ : ۹۷)

مطعم کھڑا ہوا تاکہ دستاویز نکال کر اسے پھاڑ دے جب اسے کھولا تو دیکھا دیمک اسے چاٹ چکی ہے اور صرف "باسمک اللھم" کے الفاظ باقی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

ثم اطلع اللہ رسولہ علی امر صحیفتھم وان الارضۃ قد اکلت ماکان فیھا من جور وظلم وبقی ما کان فیھا من ذکر اللہ عزوجل

(الطبقات الکبری ، ۱ : ۲۰۹)

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دستاویز کی کیفیت سے آگاہ کر دیا کہ دیمک نے ظلم وستم والی ہر بات چاٹ لی ہے اور اس میں صرف اللہ کا نام رہ گیا ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اکل کل شیئ کان فی الصحیفۃ الا باسمك اللھم

"باسمک اللھم" ان کلمات کے سوا دیمک نے سب کچھ کھا لیا تھا۔

(الطبقات الکبری ، ۱ : ۲۰۹)

ابو سلیمان کی روایت ہے۔

کان کاتب الصحیفۃ منصور بن عکرمۃ العبدری فشلت یدہ حتی یبست فما کان ینتفع بھا

اس دستاویز کو لکھنے والا منصور بن عکرمہ تھا اس کا ہاتھ خشک اور شل ہو گیا تھا وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ بے کار ہاتھ سے کوئی کام لے سکے۔

(الخصائص الکبری ، ۱ : ۱۵۲)

جب قریش نے دیکھا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی ہر بات سچی ثابت ہوئی ہے اور اب انہیں قتل کرنے کا وہ شوق پورا نہیں ہو گا جو وہ برسوں سے دل میں دبائے بیٹھے تھے تو آپے سے باہر ہو گئے۔ شرافت وانسانیت اور حق وصداقت کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھ دیئے اور بڑی ڈھٹائی سے بولے: یہ ساری کاروائی زبردست جادو کا

کرشمہ ہے ہم اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مقاطعہ جاری رہے گا اور ہم بنو ہاشم کو کسی قیمت پر معاف نہیں کریں گے۔

جو لوگ بنو ہاشم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی ڈٹ گئے اور ان ہی کی زبان میں جواب دیا: جھوٹے اور غلط کار تم لوگ ہو۔ قدرت نے بھی تمہارے ظلم کے خلاف گواہی دے دی ہے تمہاری خونخوار دستاویز دیمک نے مٹی بنا دی ہے دستاویز لکھنے والے کا ہاتھ شل ہو گیا ہے اس سے بڑھ کر تمہارے ظلم اور تعدی کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہ صاف جواب سن کے ابو جہل اور اس کے حواریوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی عرصہ دراز کے بعد انہیں اپنے مکروہ خواب کی تعبیر نظر آنے لگی تھی اور امید بندھی تھی کہ اب وہ اپنے منصوبہ قتل میں کامیاب ہو جائیں گے مگر قدرت نے ان کے عزائم کو ناکام بنا دیا ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ان کا منصوبہ بھی دھرے کا دھرا رہ گیا اور بائیکاٹ بھی ختم ہو گیا۔ مکہ کے معزز افراد شعب ابی طالب میں گئے اور بنو ہاشم کو اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لے آئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے از سر نو اپنے معمول کے مطابق سلسلہ تبلیغ شروع فرما دیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام '۱: ۳۷۵ 'البدایہ والنھایہ '۳: ۸۴ '۹۶ 'الخصائص الکبریٰ '۱: ۱۵۲ 'دلائل النبوۃ 'للبیہقی '۲: ۳۱۱)
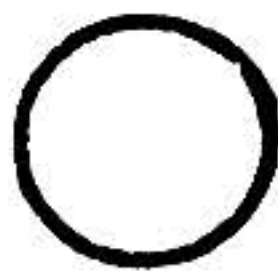
باب۔ ۱۳

حزن وملال کا سال

معاشرتی مقاطعہ (Social boycott) اپنی تمام تر ہولناکیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ تین سال تک جاری رہا۔ ابھی اس میں پیش آمدہ سختیوں کی کربناک یادیں تازہ ہی تھیں کہ چند ہی روز بعد حضرت ابو طالب بستر مرگ پر دراز ہو گئے اور ان کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ انہوں نے صنادید قریش اور اکابرین مکہ کو اپنے پاس بلایا اور مصطفوی تحریک کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے کچھ حقائق بیان کئے اور آنکھیں کھولنے کے لئے انہیں کچھ نصیحتیں کیں۔ فرمایا:

اے گروہ قریش! تم برگزیدہ خلائق ہو، میں تمہیں محمد (ﷺ) کیساتھ بہتر رویہ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ قریش میں "امین" اور پورے عرب میں "صدیق" کے لقب سے مشہور ہیں اور جامع الصفات ہیں۔ وہ ایک ایسا دین لیکر آئے ہیں جسے دلوں نے تو قبول کر لیا ہے مگر زبانیں عداوت کے باعث اسکا انکار کر رہی ہیں۔ خدا کی قسم! میں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے فقراء و مساکین اور خانہ بدوش دیہاتیوں نے انکی دعوت قبول کر لی ہے اور کلمہ پڑھ کر انہیں زبردست فوجی قوت بہم پہنچا دی ہے۔ وہ انہیں لیکر موت کے سمندر میں گھس گئے ہیں اور قریش کے رؤساء و اکابرین انکے باج گزار اور تابع مہمل بن گئے ہیں۔ انکی رہائش گاہیں ویران ہو گئی ہیں اور جو لوگ کمزور تھے وہ بااختیار ہو گئے ہیں چنانچہ جو شخص عظیم ترین تصور کیا جاتا تھا وہ محتاج ترین ہو کر رہ گیا ہے اور جو مرتبے کے لحاظ سے دور تھا وہ مراعات یافتہ ہو گیا ہے۔ عرب نے اس نبی پر اپنا خلوص اور پیار نچھاور کر دیا ہے اور انہیں دل کی گہرائیوں میں جگہ دی ہے اور اپنی زمام قیادت ان کے سپرد کر دی ہے۔ اے قریش! ہوش سے کام لو! اور وقت سے پہلے تم بھی انکے دوست اور انکے گروہ کے طرفدار بن

جاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی انکی راہ پر چلے گا ہدایت پا جائے گا اور جو بھی انکی پاکیزہ سیرت اپنائے گا نیک بخت ہو جائے گا۔ اگر مجھے مزید مہلت ملتی اور کچھ عرصہ کے لئے موت مؤخر ہو جاتی تو میں ان سے فتنوں کو روکتا اور مصائب دور کرتا۔

(الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ' ۴۹)

بڑی خلوص بھری باتیں تھی جو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلیں۔ حضرت ابو طالب کے نصائح اور حقائق و واقعات کا تجزیہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے انہیں اپنی قوم کی عزت و آبرو اور شان و شوکت بے حد عزیز تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ قوم ذلت کی دلدل میں دھنسے اور بے آبرو ہو کر جگ ہنسائی کا باعث بنے۔ اس شان کے حصول کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ عدوان و خود سری کی روش ترک کر کے ایمان و اطاعت کی راہ اختیار کرلے جس کا انہوں نے مشورہ دیا مگر بگڑی ہوئی' سرکش اور خود سر قوم ادھر نہ آئی۔ اس نے ان مخلصانہ نصائح سے کچھ اثر نہ لیا اور اپنی ہی ضد پر اڑی رہی۔ الٹا حضرت ابو طالب کو ان آخری لمحات میں پٹڑی سے اتارنے کی کوشش کی۔

حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایمان' عدم ایمان اور سکوت کے حوالے سے ائمہ و اسلاف نے موقف اپنائے ہیں۔ اپنے تئیں ہر کسی نے اپنے موقف کو دلائل و براہین سے مزین کیا ہے۔ آیئے! ان کے نکتہ ہائے نظر کو جاننے' سمجھنے کے لئے اختصار کے ساتھ ان کا مطالعہ کریں۔

ایمان ابی طالب پر پہلا موقف

حضرت ابو طالب کے ایمان کے حوالے سے پہلا موقف یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو طالب کو ایمان لانے کی دعوت دی اور زندگی کے آخری لمحات میں کلمہ طیبہ پڑھنے کی ترغیب و تشویق دی مگر حضرت ابو طالب رؤساء قریش ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کے عار دلانے پر اور قریشی نخوت و عصبیت کے باعث اور لوگوں کی طرف سے ممکنہ بزدلی کے طعنے سے بچنے کے سبب کلمہ پڑھ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے سے محروم رہے۔

اپنے موقف کے حق میں وہ صحیح بخاری کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔
سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ

ان اباطالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبى صلى الله عليه وسلم وعنده ابو جهل فقال اى عم قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عند الله فقال ابو جهل وعبد الله بن ابى اميه يا ابا طالب ترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزالا يكلمانه حتى قال اخر شىء كلمهم به على ملة عبد المطلب فقال النبى صلى الله عليه وسلم (لاستغفرن لك مالم انه عنه) فنزلت ما كان لنبى والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربى من بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم ونزلت انك لاتهدى من احببت

(صحيح البخاري، فضائل الصحابة ٣٦٧١)

جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی تھا۔ آپ نے فرمایا اے چچا! کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ** کہہ دو اس کلمہ کے باعث میں بارگاہ ایزدی میں کچھ عرض کر سکوں (دوسری روایت میں **اشھد** کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے گواہی دے سکوں) تو ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے۔ اے ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ وہ برابر یہی بات دہراتے رہے تو حضرت ابو طالب نے ان سے آخری کلام یہ کیا کہ عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں مسلسل آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے اس سے منع فرما دیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لئے مناسب نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی کہ وہ دوزخی ہیں اور دوسری آیت یہ نازل ہوئی۔ بے شک (اے رسول!) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دیتے اور (آپ تو تبلیغ فرماتے ہیں) لیکن اللہ جس کو

چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

خاندانی عصبیت و نخوت، اباؤ اجداد کا طریق، شرم و غیرت کے سماجی پیمانے، قبولیت ایمان کے حوالے سے سد راہ بن گئے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمه قل لا اله الا الله اشهد لك بها يوم القيامة قال لولا ان تعيرني قريش يقولون انما حمله على ذلك الجزع لاقررت بها عينك

(صحيح المسلم كتاب الايمان، ٤٢)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا کہ کلمہ شہادت **لا الہ الا اللہ** پڑھ لیں تاکہ قیامت کے دن اس چیز پر آپ کا گواہ بن سکوں۔ حضرت ابو طالب نے کہا اگر قریش مجھے عار دلاتے ہوئے (اب یا بعد ازاں) یہ نہ کہیں کہ ابو طالب نے ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو میں ضرور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا۔

اس موقف کے قائلین کے نزدیک حضرت ابو طالب اس دنیا فانی سے حالت ایمان میں رخصت نہ ہوئے۔ اس نکتہ نظر کو اپنانے والے کثیر ہیں۔

ایمان ابی طالب پر دوسرا موقف

بعض ائمہ و مجتہدین نے حضرت ابو طالبؓ کی خدمات، ایثار، قربانی اور دونوں طرف کی روایات کو دیکھتے ہوئے خاموشی اور سکوت کو ترجیح دی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے **مدارج النبوۃ** میں ارشاد فرمایا:

کم ازاں نباشد کہ دریں مسئلہ توقف کنند و صرفہ نگاہدارند

(مدارج النبوۃ، ۲:۶۹)

اس مسئلے میں کم از کم یہ ہو سکتا ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور تقاضا احتیاط کے تحت صرف نظر کیا جائے۔

علاوہ ازیں اور بھی متعدد ائمہ نے اس مذہب کو اعتدال کی راہ سمجھتے ہوئے قبول کیا ہے۔

ایمان ابی طالبؓ پر تیسرا موقف

ایمان ابی طالبؓ پر علماء کا تیسرا موقف بھی ہے جس کے مطابق وہ انہیں موحد بھی تسلیم کرتے ہیں اور مومن بھی۔ اپنے اس موقف کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں جن کا ہم مختلف اعتبارات سے یہاں ذکر کریں گے۔

حضرت ابو طالب جاں نثاری کا پیکر اتم

حضرت ابو طالبؓ کی آغوش میں سرور کائنات فخر موجودات ﷺ نے تربیت پائی۔ لحہ لحہ انہوں نے آپ کی نگہداشت کا خیال بھی کیا اور تکلیف کا احساس بھی' آپ کے آرام و آسائش کے لئے خود بے آرام رہے' آپ کی خاطر ہر وقت جذبہ ایثار سے مملو بھی رہے اور اس کا عملاً مظاہرہ بھی کرتے رہے' انتہائی نامساعد حالات میں بھی' آپ کی کفالت و پرورش کرتے رہے اور زندگی کے آخری سانس تک آپ کی حمایت و نصرت پر قائم اور ثابت قدم رہے' ہر مخالفت اور عداوت کو بڑی جراتمندی سے نہ صرف برداشت کیا بلکہ اس کے سامنے سینہ سپر بھی ہو گئے۔ قریش کی طعن و تشنیع سے آلودہ باتوں کو گوارا کیا' ان کی ہر ترهیب کا سینہ سپر ہو کر سامنا کیا۔ ہر کسی نے جھکانے کی انتہائی کاوش کی مگر آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی حمایت سے انہیں نہ کوئی روک سکا اور نہ کوئی جھکا سکا۔ بسا اوقات قریش نے حصار اتنا تنگ کر دیا اور آپ پر دباؤ اتنا شدید بڑھا دیا کہ مجبوراً حضور نبی اکرم ﷺ کو قریش کی خواہش کی موافقت کرنے کا کہہ بیٹھے مگر اس کے جواب میں زبان رسالتمآب ﷺ سے یہ کلمات سنے:

"اے چچا! کفار و قریش اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں' تو پھر بھی دعوت حق سے باز نہیں آؤں گا۔"

عزیمت اور جرات سے مملو یہ ارشاد سن کر پھر حمایت و نصرت میں قائم ہو گئے۔ دشمن کے تخریبی اور سازشی حربے نئی نئی صورت اختیار کرتے رہے حتیٰ کہ تمام حربے آزمانے کے بعد بھی ناکامی ان کا مقدر رہی۔ بزعم خویش انہوں نے آخری ضرب

کاری کے لئے منصوبہ بندی شروع کی جو قبیلہ بنو ہاشم کے معاشی اور معاشرتی مقاطعہ (Social Bycott) پر منتج ہوا۔ تین سال کے لئے سارے قبیلے کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ یوں پورے عرب سے لاتعلق کر دیا گیا۔ بنو ہاشم کے ساتھ سماجی، معاشرتی، معاشی اور ہر قسم کے تعلقات استوار کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے کڑی سزاؤں کا اعلان کیا گیا۔

حضرت ابو طالب اس اذیت ناک اور دردناک عرصے میں مسلسل حضور نبی اکرم ﷺ کی حمایت و نصرت پر نہ صرف قائم رہے بلکہ پوری دلجمعی کے ساتھ ثابت قدم بھی رہے۔ آفریں ہے اس ہستی کو جس نے اپنے آرام و آسائش، سکون و اطمینان اور خوشی کو آپ کی ذات کے ساتھ متعلق کر لیا تھا۔ آیئے اب اس جانثار، ہمدرد اور غم خوار ہستی کی ان بے مثال، قابل رشک اور عظیم قربانیوں کا ذکر کریں جو آفتاب رسالتماب ﷺ کے طلوع سے شروع ہوئیں اور اس کے نصف النہار کے قریب پہنچنے تک پوری آب و تاب اور استقامت و دوام کے ساتھ جاری رہیں۔

۱۔ حق کفالت کی کمال ادائیگی

حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب کی آغوش تربیت میں آ گئے جنہوں نے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر آپ کو عزیز رکھا اور زندگی کے آخری سانس تک اس شفقت و محبت میں ایک ذرہ برابر بھی کمی نہ ہونے دی۔

حضرت ابو طالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے اس لئے گھر کا گزارہ بڑی مشکل سے چلتا تھا۔ معاشی آسودگی کی بجائے معاشی تنگ دستی تھی، کوئی ٹھوس ذریعہ معاش نہ تھا جس سے اپنے بچوں سمیت اس چاند سے بھی حسین بھتیجے کی پرورش بھی باآسانی ہو جاتی مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت گزاری کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ ہر تکلیف و پریشانی کو

آپ کی خاطر نہ صرف برداشت کیا بلکہ پوری استقامت کے ساتھ اس کا سامنا بھی کرتے رہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس سلاتے، ہر لحہ و لحظہ آپ کا خیال کرتے اور آپ کو نہ کبھی اداس ہونے دیتے اور نہ کبھی رنجیدہ و غمزدہ، آپ کی ہر خواہش کا احترام بھی کرتے اور اہتمام بھی، سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے آپ سے اتنی شدید محبت کرتے کہ نسبی اولاد کو بھی اتنی میسر نہ آتی۔ ان کا آرام حضور نبی اکرم ﷺ کے آرام میں مضمر تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔

وکان لاینام الا الی جنبه ویخرج فیخرج معه وصب به ابوطالب صبابة لم یصب مثلها بشیء قط

(الطبقات الکبری، ۱ : ۱۱۹)

حضرت ابو طالب حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے پہلو میں لے کر سوتے باہر جاتے تو پھر بھی اپنے ساتھ رکھتے۔ آپ سے اتنی شدید چاہت رکھتے کہ اتنی کسی اور چیز سے بالکل نہ تھی۔

کھانے کا وقت ہوتا، دستر خوان حسب استطاعت سج جاتا مگر اس وقت تک آغاز نہ ہوتا جب تک حضور نبی اکرم ﷺ تشریف نہ لے آتے۔ دستر خوان پر بیٹھنے والوں سے حضرت ابو طالبؓ فرماتے: رک جاؤ!

حتی یحضرا بنی

حتیٰ کہ میرا بیٹا آجائے۔

(الطبقات الکبری، ۱ : ۱۲۰)

ایسا کیوں کرتے، اس لئے جب وہ سب حضور نبی اکرم ﷺ کے بغیر کھانا تناول کرتے تو سیر نہ ہوتے، کھانا ختم ہو جاتا مگر جب آپ کے ساتھ کھاتے تو خوب سیر بھی ہو جاتے اور کھانا بھی ختم نہ ہوتا اس لئے حضرت ابو طالب کہتے ''**انک لمبارک**'' اے بیٹے! یہ ساری برکت تیرے دم قدم سے ہے۔ محبت میں غیر معمولی شدت، ہر وقت آرام و آسائش کا خیال اور بچپن کی اس عمر میں آپ کے ہر معاملے کو اہمیت و فوقیت دینے کے پس منظر میں ضرور کوئی نظریہ اور عقیدہ کار فرما تھا۔

۲- فاقہ کشی اور معاشی مقاطعے کی صعوبت

حضرت ابو طالب کی حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے جاں نثاری اور وفاداری اس وقت سارے قریش مکہ کے سامنے انتہائی قابل رشک بن جاتی ہے جب وہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کی قیادت کرتے ہوئے شعب ابی طالب میں تین سال کے لئے محصور ہو جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کس کی خاطر اور کس کے لئے خود کو اور پورے خاندان کو اس تکلیف دہ اور جان لیوا صورتحال سے دوچار کرتے۔ وہ وجہ فقط حضور نبی اکرم ﷺ کا دفاع اور تحفظ تھا۔

فلما رای ابوطالب ذلك جمع بنی هاشم والمطلب مومنهم وکافرهم وامرهم ان یدخلوا برسول الله صلی الله علیه وسلم الشعب ویمنعوه ففعلوا (السیرة الحلبیة، ۱ : ۳۳۷)

حضرت ابو طالب کو جب معلوم ہوا کہ قریش مکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جان کے درپے ہیں تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو بلایا اور ان سے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ساتھ لے کر سب کے سب شعب ابی طالب میں جمع ہو جائیں اور آخر وقت تک آپ کی حفاظت کریں۔ اس تجویز کو دونوں خاندانوں نے قبول کیا۔

تین سال تک بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب شعب ابی طالب میں محصور رہے جہاں تمام قریش مکہ کے باہمی معاہدے کے نتیجے میں بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے ساتھ ہر قسم کا لین دین بند کر دیا گیا۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی و ترسیل بھی روک دی گئی، کسی قبیلے کو بھی ان کے ساتھ سماجی و معاشرتی تعلقات بڑھانے اور شادی و بیاہ کرنے کی اجازت تھی اور نہ خرید و فروخت کی۔

امام ابن کثیر ان کے اس سنگدلانہ اور ظالمانہ عمل کا سب سے بڑا مطالبہ اور شرط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حتی یسلموا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للقتل	حتیٰ کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ان (قریش) کے حوالے کردیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ۲ : ٤٤)

بلاذری کی انساب الاشراف میں ہے کہ اس اذیت ناک صورتحال میں بنو ہاشم کی اس قدر شدید حالت زار ہوئی۔

حتی بلغھم الجھد حتی تضاغی صبیانھم فسمع صغاؤھم من وراء شعب	کہ بھوک کے بچوں کے رونے اور بلکنے کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر سنی جاتی تھیں۔ ظالم اور سنگدل قریش یہ آوازیں سن کر خوش ہوتے۔

(انساب الاشراف، ۱ : ۲۳٤)

جبکہ مرد و زن کبھی سوکھے پتے کھاکر گزارہ کرتے، کبھی خشک گھاس کھاکر اور کبھی خشک چمڑے کو غذا بناتے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ سارا کچھ کس کی ایماء پر اور کس کی خاطر برداشت کیا گیا۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو طالب کی سیادت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی جان کے تحفظ کے لئے یہ ساری تکلیف و اذیت اور کلفت و تنگی برداشت کی گئی۔ حضرت ابو طالب نے اپنے بڑھاپے اور جسمانی کمزوری کو اس فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔ اس میں صرف نسبی اور قرابتی تعلق ہی کار فرمانہ تھا بلکہ ضرور حضرت ابو طالب کا عقیدہ بھی محرک تھا۔

محافظ و پہرہ دار

حضرت ابو طالب کے عزم و ہمت اور ایثار و قربانی کی تاریخ حضور نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی جب حضور سرکار دوعالم ﷺ نے حکم ربی

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ	اور (اے رسول! پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو نصیحت کیجئے۔

(الشعراء، ۲٦ : ۲۱٤)

کے مطابق اعلانیہ دعوت اسلام کا سلسلہ عزیز و اقارب تک بڑھایا تو ابولہب نے اسی وقت سے آپ کی مخالفت و مخاصمت کے لئے کمر باندھ لی۔ پورے قبیلے کو بجائے آپ کی حمایت کے عداوت میں اکسانے لگا اور کہنے لگا کہ کوئی ایک فرد بھی قریش میں آپ کی دعوت پر لبیک کہے گا اور نہ ہی آپ کی حفاظت و دفاع کے لئے تیار ہو گا۔ حضرت ابو طالب نے اس موقع پر بڑی جوانمردی اور جراتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی الاعلان کہا

والله لنمنعنه مابقينا — بخدا جب تک ہمارے جسم میں جاں ہے ہم آپ کی حفاظت و دفاع کریں گے۔

(السيرة الحلبية، ١ : ٢٧١)

شعب ابی طالب میں محصوری کے تین سال کے طویل عرصے میں حضرت ابو طالب کا روزانہ یہ وظیفہ ہوتا۔

وكان ابو طالب في كل ليلة يامر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ياتي فراشه ويضطجع به فاذا نام الناس اقامه وامر احد بنيه او غيرهم اى من اخوته او بنى عمه ان يضطجع مكانه خوفا عليه ان يغتاله احد ممن يريد به السوء

(انسان العيون المعروف السيرة الحلبية، ١ : ٢٤٣)

حضرت ابو طالب کا ہر روز یہ معمول ہوتا کہ جب رات کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرتے کہ آپ میرے پاس رہیں اور میرے بستر پر ہی استراحت فرمائیں۔ جب سب لوگ سو جاتے تو شفیق چچا حضور نبی اکرم ﷺ کو وہاں سے اٹھاتے اور آپ کی جگہ پر اپنے بیٹوں یا آپ کے چچا زاد بھائیوں میں سے کسی ایک کو سلا دیتے۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں رات کے وقت کوئی دشمن برائی کے ارادے اور دھوکے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارک سے نہ کھیل جائے۔

گویا شعب ابی طالب میں حضرت ابو طالب کھانے پینے کے علاوہ رات بھر حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کی خاطر مسلسل جاگنے کی تکلیف بھی برداشت کرتے

رہے تاکہ کوئی بدبخت حضور نبی اکرم ﷺ کو معمولی سی اذیت بھی نہ پہنچا سکے۔

معارج النبوۃ میں ہے۔

ہیچ وقتے حضرت مقدس نبوی ﷺ تغافل و تساہل جائز نداشتے وچوں در ہنگامِ خواب آں آفتاب عالمتاب در مغرب شعب متوازی گشتے شمشیر حائل کردہ گرد خانہ پیغمبر ﷺ انجا کہ بیتوتت فرمودے چوں پروانہ شمع طواف نمودے

(معارج النبوۃ '۲: ۶۴)

حضرت ابوطالب کسی وقت بھی حضور رسالتماب ﷺ کے معاملے میں غفلت اور تساہل روا نہیں رکھتے تھے اور جب سرکار دوعالم ﷺ رات کو محو خواب ہوتے تو آپ شمشیر لٹکا کر آپ کی خواب گاہ کے گرداگرد پہرہ دیتے اور اس کے گرد اس طرح پھرتے جیسے پروانہ شمع کے گرد طواف کرتا ہے۔

غرضیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خاطر انہوں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ سب کچھ قربان کر کے بھی فقط حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت و سلامتی چاہتے تھے۔ حضرت ابوطالب کا حضور نبی اکرم ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالتے وقت سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک یہی کردار رہا ہے جس کے بارے میں امام زرقانی فرماتے ہیں۔

وکان ابو طالب له عضدا وناصرا علی قومه

حضرت ابوطالب دشمنوں کے مقابلے میں آپ کی مدد و اعانت کرنے والے تھے۔

(شرح المواهب اللدنية، ۱ : ۲۹۳)

۴۔ کفار کے مقابلے میں مضبوط حصار

حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوطالب کی زندگی کا گزرنے والا ایک ایک لمحہ آزمائش اور ابتلاء کا تھا۔ کفار و مشرکین نے انہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی حمایت و نصرت سے روکنے کے لئے ہر ممکنہ حربہ استعمال کیا' ہر طریقے سے دباؤ بڑھایا' دھمکیوں کی زبان استعمال کی' سازشوں کے جال بنے' کردار کشی کی مگر ہر بار وہ

ناکام و نامراد رہے۔ حمایت مصطفےٰ ﷺ میں حضرت ابو طالب کی ثابت قدمی کو ایک ذرہ برابر بھی متزلزل نہ کر سکے۔

جب قریش نے دیکھا اسلام کی قوت مسلسل بڑھتی اور تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے اور مسلمان خود کو محفوظ اور منظم کرتے جا رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابو طالب کو حضور نبی اکرم ﷺ کی حمایت و نصرت سے دست کش ہونے کے لئے ایک نیا حربہ اختیار کیا۔

وہ عمارہ بن ولید کو آپ کے پاس لے کر آئے اور کہنے لگے اے ابو طالب! یہ عمارہ بن ولید ہے۔ یہ قریش کا سب سے زیادہ خوبصورت اور تندرست نوجوان ہے۔ اسے لے لو اور اس کی عقل و دانش سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے بدلے میں اپنا بھتیجا ہمیں دے دو۔ قریش کا یہ عجیب و غریب مشورہ سن کر حضرت ابو طالب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور غضبناک ہو کر کہا خدا کی قسم یہ بہت برا سودا ہے جو تم مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔

اتعطوننی ابنکم اغذوه لکم واعطیکم ابنی تقتلونه هذا والله مالا یکون ابدا

(السیرة النبویة لابن کثیر، ۱ : ۲۷۴)

تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے تمہاری خاطر کھلاؤں پلاؤں اور اس کی پرورش کروں جبکہ اپنا بیٹا (بھتیجا) تمہارے سپرد کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ واللہ ایسا ہرگز ہرگز نہ ہو گا۔

جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابو طالب کسی طرح بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی حمایت و نصرت سے باز نہیں آ رہے ہیں انہوں نے فیصلہ کیا کہ (معاذاللہ) حضور نبی اکرم ﷺ کو جان سے ہی مار دیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر براہ راست حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کیا گیا تو حضرت ابو طالب اس کا سخت ترین انتقام لیں گے۔ اس بناء پر انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ آپ کو دھوکے سے قتل کر دیا جائے۔

ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ اپنی قیام گاہ پر نہ پائے گئے چنانچہ حضرت ابو طالب اور دیگر بنی ہاشم آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوئے تو حضور نبی اکرم ﷺ کو

وہاں نہ پاکر انہیں تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں قریش نے آپ کو قتل نہ کر دیا ہو۔

حضرت ابو طالب نے ہاشمی اور مطلبی نوجوانوں کو جمع کیا اور کہا کہ تم میں سے ہر کسی کو ایک تیز تلوار کے ساتھ میری پیروی کرنا چاہئے۔ جب میں بیت اللہ شریف میں داخل ہو جاؤں تو تم میں سے ہر نوجوان کسی ایک بڑے سردار کے پاس جا بیٹھے اس لئے کہ اگر محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں تو ابو جہل اس شرارت میں ضرور شریک ہو گا۔ تمام نوجوانوں نے کہا ہم اس کام کے لئے تیار ہیں۔

اس اثناء میں حضرت زیدؓ تشریف لے آئے انہوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو انہوں نے بتایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ بالکل خیریت سے ہیں۔ پھر آپ ہی کی اطلاع سے حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس تشریف لے آئے۔ آپکو دیکھ کر حضرت ابو طالب کی جان میں جان آئی۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو حضرت ابو طالب اپنے ہاشمی اور مطلبی نوجوانوں کیساتھ اس جگہ گئے جہاں قریش کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ وہاں پہنچ کر آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس کو تھام کر آپکو قریش کی مجلس میں کھڑا کیا اور کہا اے گروہ قریش! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس ارادے سے آیا ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر انہیں سارا واقعہ بتایا بعد ازاں انہوں نے اپنے ہاشمی اور مطلبی نوجوانوں سے کہا جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے اسے ظاہر کر دو۔ انہوں نے ایسے ہی کیا تو وہ چیز کیا تھی کہ ہر نوجوان کے پاس ایک انتہائی تیز' دھاری دار تلوار تھی۔ حضرت ابو طالب نے کہا

واللہ لو قتلتموہ مابقیت منکم احدا حتی نتفانی نحن وانتم

(الطبقات لابن سعد، ۲۰۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی قسم اگر تم حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کر دیتے تو تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا یہاں تک کہ ہم اور تم دونوں فنا ہو جاتے۔

اس جرأت مندانہ گفتگو کو سن کر سب قریش بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے سب سے زیادہ تیز دوڑنے والا ابو جہل تھا۔

قریش نے آخری کوشش کے طور پر اپنے رؤسا اور معززین کا ایک وفد تشکیل دیا جس نے بڑے فیصلہ کن لہجے میں گفتگو کی اور کہا اے ابو طالب! تم عزت و شرف اور قدر و منزلت میں ساری قوم میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہو۔ ہم نے پہلے بھی آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے باز آنے کا حکم دیں لیکن آپ نے انہیں نہیں روکا۔ بخدا اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ ہم مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمیں احمق اور بیوقوف بناتا ہے' ہمارے خداؤں کی عیب جوئی کرتا ہے۔ یا تو آپ انہیں ان باتوں سے روک لیں ورنہ ہم تم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے اور یہ جنگ جاری رہے گی جب تک ہم میں سے ایک فریق فنا نہ ہو جائے۔ اتنا کہہ کر وہ لوگ چلے گئے۔ حضرت ابو طالب کو اس دھمکی سے بڑا دکھ ہوا۔ پیرانہ سالی میں پوری قوم سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتے تھے لیکن اس بات پر بھی آمادہ نہ تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نصرت و اعانت سے دست کش ہو جائیں اور آپ کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ حضرت ابو طالب نے آپ کو اپنے پاس بلا بھیجا اور اس گفتگو سے آگاہ کیا جو قریش کے ساتھ ہوئی اور پھر کہا:

فابق علی وعلی نفسك	اے جان عم! مجھ پر بھی رحم کرو اپنے
ولاتحملنی من الامر مالا اطیق	آپ پر بھی' مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے
(السیرۃ النبویۃ لابن هشام ، ۱ : ۲۷۸)	اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔

اپنے چچا کی یہ باتیں سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے خیال کیا شاید حضرت ابو طالب اب میری مدد اور تعاون سے عاجز آ گئے ہیں۔ آپ نے بڑے اطمینان اور سکون سے جواب دیا اے چچا!

واللہ لو وضعوا الشمس في یمیني	سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ
والقمر في یساري علی ان اترك	دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں
هذا الامر حتی یظهره اللہ او	اور یہ توقع کریں کہ میں دعوت حق کو
اهلك فیه ماترکته	ترک کر دوں گا تو یہ ناممکن ہے یہاں

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ۱ : ٤٧٤)

تک کہ باری تعالیٰ یا تو اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں (دین) کے لئے جان دے دوں گا اس وقت تک میں (دعوت حق کے) کام کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔

یہ کلمات ارشاد فرمانے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کی چشمان مقدس سے آنسو ٹپک پڑے اور وہاں سے چل پڑے۔ حضرت ابو طالب نے آواز دے کر بلایا اور کہا واپس تشریف لائیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو مشفق چچا نے کہا:

اذهب يا ابن اخى وقل مااحببت فو الله لااسلمك لشىء ابدا

(السيرة النبوية لابن هشام، ۱ : ۱۷۵)

اے پیارے بھتیجے! آپ کا جو جی چاہے کہئے میں آپ کو کسی قیمت پر کفار کے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت عباسؓ سے مروی روایات اور ایمان ابی طالب

حضرت عباسؓ سے حضرت ابو طالب کے ایمان کے بارے میں تین معروف روایت آئی ہیں۔

۱۔ پہلی روایت میں ہے کہ جب حضرت ابو طالب قریب المرگ ہوئے تو حضرت عباسؓ نے ان کی طرف دیکھا وہ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے۔ انہوں نے کان لگا کر سنا اور بارگاہ رسالتماب ﷺ میں عرض کیا:

والله لقد قال اخى كلمة التى امرته ان يقولها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم اسمع

(تهذيب سيرة لابن هشام، ۹۶)

(الزرقانى على المواهب، ۱ : ۲۹۱)

اے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے جس کا آپ نے حکم دیا تھا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تو نہیں سنا۔

بعض کتب میں **لم اسمع** کے الفاظ نہیں آئے ہیں۔ سو ایسی روایات حضرت ابو طالب کے ایمان پر ایک قوی دلیل اور وقیع بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ جیسے **الاصابہ** میں ہے:

فقال قد قال واللہ الکلم التی ساله عنها

(الاصابۃ، ٤ : ١١٦)

حضرت عباسؓ نے عرض کی بے شک یقیناً حضرت ابو طالب نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے جو آپ نے ان سے کہنے کے لئے فرمایا ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں عرض کی۔

یارسول اللہ اترجوا **لابی طالب؟** قال کل الخیر ارجو من ربی

(الطبقات لابن سعد، ١ : ١٢٥)

یارسول اللہ! ﷺ کیا آپ حضرت ابو طالب کی (بخشش و مغفرت اور نجات کے لئے) پر امید ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے ان کے لئے ہر بھلائی کی امید ہے۔

اسنی المطالب میں اس حدیث کو حضرت ابو طالب کے صاحب ایمان ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

مما یدل علی ان ابا طالب مؤمن "ارجو من ربی" رجاؤہ محقق ولایرجو کل الخیر الا المؤمن

(اسنی المطالب، ١١٣)

حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ کلمات مبارکہ **"ارجو من ربی"** حضرت ابو طالب کے صاحب ایمان ہونے پر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا رجاء حتمی و قطعی یقین کا فائدہ دیتا ہے اور (فی الحقیقت) یہاں ہر

قسم وکی خیر و بھلائی کی امید حضرت
ابو طالب کے صاحب ایمان ہونے کی
صورت میں ہی رکھی جاسکتی ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ لفظ خیر اس مقام پر اپنے اطلاق اور استعارے میں نجات اور بخشش کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ کے کلمات اسی معنی کو مزید تحقق اور ثبوت کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کا رجاء بارگاہ خداوندی میں یقین و ایقان کا آئینہ دار ہے۔ گو اس حدیث میں **کل الخیر** کا مصداق ایک مؤمن کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ امام ابن حجر **عسقلانی فتح الباری** میں فرماتے ہیں:

لکن رجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه اذا اقرا بالتوحید ولو في تلك الحالة ان ذلك ینفعه بخصوصه وتسوغ شفاعته صلی اللہ علیه وسلم لمکانه منه وکان ذلك من الخصائص في حقه

(فتح الباري، کتاب التفسیر، ۵۰۶)

حضور نبی اکرم ﷺ کی امید ورجاء اس لئے تھی کہ انہوں نے توحید کا اقرار کر لیا تھا اگرچہ وہ آخری وقت تھا مگر پھر بھی ان کو نفع حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص مبارکہ کی وجہ سے پہنچے گا اور حضور نبی اکرم ﷺ سے اپنے تعلق و مرتبے کی وجہ سے آپ کی شفاعت سے بھی بہرہ یاب ہوں گے۔ یہ سارا کچھ حضرت ابو طالب کے حق میں خصائص مصطفےٰ ﷺ کی برکت سے ہوگا۔

اگر یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابو طالب نار دوزخ میں جائیں کیونکہ خاصہ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ جس سے دیگر تمام قوانین و ضوابط کالعدم ہو جائیں جیسے نظام شمسی اپنے مقررہ شدہ ضابطے سے اس دن ہٹ گیا جس دن حضرت علیؓ کی عصر کی قضا ہونے والی نماز کو ادا میں بدلنے کے لئے حضور

نبی اکرم ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ کھڑے کر دیئے تو قریب الغروب سورج واپس عصر کے وقت پر لوٹ آیا۔ حضرت ابو طالب کے حوالے سے خصوصیت مصطفٰے ﷺ اس صورت میں متشکل ہو سکتی ہے کہ آپ دولت ایمان سے بھی سرفراز ہوں اور بخشش و مغفرت الٰہی سے بھی۔

۳- تیسری روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے بارگاہ رسالتماب ﷺ میں عرض کیا: یارسول اللہ ! ﷺ حضرت ابو طالب جو آپکے گرد حصار بنکر رہتے تھے اور آپکی حمایت و نصرت میں ہر لحہ کمربستہ رہتے اور آپ ہی کیلئے غضبناک ہوتے تھے۔

فهل نفعه ذلك قال نعم وجدته في غمرات من النار فاخرجته الى ضحضاح

(كتاب الايمان باب الشفاعة النبي لابي طالب)

کیا اس عمل نے حضرت ابو طالب کو کوئی فائدہ پہنچایا؟ فرمایا: ہاں! میں نے انہیں دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پایا اور انہیں وہاں سے نکال کر مقام ضحضاح (جہاں آگ بہت ہلکی ہے) پر لے آیا۔

مذکورہ بالا پہلی دونوں روایتیں صراحتا حضرت ابو طالب کے ایمان کے حق میں ہیں۔ ان سے قطعاً کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جو ان کے کفر و شرک پر دال ہوں۔ حدیث میں مذکور حضور نبی اکرم ﷺ کا "ارجاء" جو فی الحقیقت یقین کامل ہے۔ حضرت ابو طالب کی بخشش و مغفرت اور آپ کی حالت ایمان کی طرف ایک صریح اور بلیغ اشارہ ہے۔

مدحت مصطفٰے اور تلقین نصرت' ایمان ابی طالب پر ایک دلیل

حضرت ابو طالب کو حضور نبی اکرم ﷺ سے دلی لگاؤ بھی تھا اور محبت و عشق بھی' آپ کی شان اقدس میں شاندار الفاظ میں مدح سرائی بھی کیا کرتے تھے۔ اس قدر اعلٰی پائے کے نعتیہ اشعار کہتے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ یہ تعلق اور ان کے اشعار کا نفس مضمون بھی ان کے ایمان کی خبر دیتا ہے۔

ان کا انداز بیان کچھ اس طرح ہے۔

الم　تعلموا　انا　وجدنا　محمدا
نبیا　بموسی　خط　فی　اول　الکتب

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی پایا جس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں موجود ہے۔　(البدایہ والنہایہ' ۳:۸۷)

(سیرت ابن ہشام' ۱:۳۲۰)

الا　ان　خیر　الناس　نفسا　و　والد
اذا　عد　سادات　البریہ　احمد
نبی　الا　لہ　و　الکریم　باصلہ
و　اخلاقہ　و　ھو　الرشید　الموید

(الاستیعاب' ۲:۹۲)　(سیرت ابن ہشام' ۲:۸۸)

"آگاہ رہو جب بھی دنیا کے سرداروں کا تذکرہ کیا جائے گا تو ان سب میں اپنے **نفس** اور والد کے لحاظ سے بہترین انسان احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہو گا۔"

"وہ اللہ کے نبی ہیں' نسب اور اخلاق کے اعتبار سے شریف ہیں۔ ہدایت یافتہ ہیں **اور** (من جانب اللہ) موید ہیں"۔

اسی طرح متعدد اشعار ان کے ایمان کی طرف مشعر ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے خاندان کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے وصیت فرمائی۔

لن تزالوا بخیر ماسمعتم من محمد وما اتبعتم امرہ فاتبعوہ واعینوہ ترشدوا

(الطبقات لابن سعد، ۱ : ۱۲۳)
(الخصائص الکبری، ۲۱۵)

جب تک تم لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں مانتے رہو گے اور ان کی اتباع کرتے رہو گے' بھلائی پر رہو گے اس لئے ان کی پیروی **کرو اور ان کی مدد کرو** تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

ایسی نصیحت و وصیت اپنے دامن میں ضرور بالضرور ایک نظریہ و **عقیدہ** رکھتی

ہے۔ اس کے بغیر ایسے الفاظ ادا کرنا ایک مشکل امر ہے۔ انسان جس عقیدے و نظریے کو صحیح اور درست سمجھتا ہے اسی کو "زبان نصیحت و وصیت" دیتا ہے۔ اس نصیحت میں حضرت ابو طالب ہدایت کو حضور نبی اکرم ﷺ کی پیروی میں مضمر قرار دے رہے ہیں اور گویا کہ ہدایت کو اتباع رسول ﷺ کا نتیجہ ٹھہرا رہے ہیں۔

ایمان ابی طالب کے قائلین ائمہ کرام

حضرت ابو طالب کے ایمان کا عقیدہ رکھنے والے چند مشہور ائمہ اسلام میں سے امام سبکی، امام برزنجی، امام نبھانی، امام شعرانی اور امام قرطبی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ قاضی احمد زین دحلان مفتی مکۃ المکرمہ نے اس موضوع پر ایک تصنیف **"اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب"** رقم کی ہے اور محمد برخودار محشی شرح عقائد نے اس موضوع پر ایک کتاب **"القول العلی فی نجاۃ عم النبی ﷺ"** لکھی ہے۔

تمام ائمہ اہل بیت حضرت ابو طالب کے مومن ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں فرمایا:

جامع الاصول آوردہ کہ زعم اہل بیت آنست کہ ابو طالب مسلمان از دنیا رفتہ (مدارج النبوۃ، ۲: ۶۲۴)	اہل بیت کا موقف ہے کہ حضرت ابو طالب نے اس دنیا سے حالت ایمان میں انتقال فرمایا ہے۔

لعلہ تنفعہ شفاعتی

حضرت ابو طالب کے لئے شفاعت مصطفےٰ ﷺ کی نفع بخشی

حضرت ابو طالب کیلئے قیامت کے دن حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت حق ہے۔ کوئی اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ احادیث رسول ﷺ سے یہ بات ثابت شدہ ہے۔

بخاری و مسلم کی یہ متفق علیہ حدیث ہے کہ

عن ابی سعید الخدری انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر عندہ عمہ ابو طالب فقال لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیامۃ

فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ يغلى منه دماغه

(صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب قصة ابى طالب)

(صحيح المسلم، كتاب الايمان باب شفاعة النبى لابى طالب)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آپ کے چچا حضرت ابو طالب کا ذکر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا یقیناً میری شفاعت قیامت کے دن ان کو نفع دے گی۔ انہیں (میری شفاعت ہی کے باعث) مقام ضحضاح (دوزخ کے درمیانی درجے) میں رکھا جائے گا جہاں آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس کے باعث ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت عباسؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے عرض کیا

قال یارسول الله صلى الله عليه وسلم هل نفعت ابا طالب بشیء فانه كان يحوطك ويغضب لك؟ قال نعم هو في ضحضاح من نار ولولا انا لكان في الدرك الاسفل من النار

(كتاب الايمان، باب شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم لابى طالب

یارسول اللہ ﷺ ! کیا آپ نے حضرت ابو طالب کو بھی کچھ نفع پہنچایا ہے جبکہ وہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اور آپ کی خاطر لوگوں پر غضبناک بھی ہوتے تھے۔ فرمایا ہاں! اب وہ جہنم کے اوپر کے حصے میں ہیں۔ اگر میں ان کی شفاعت نہ کرتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوتے۔

اس حدیث کی شرح میں امام قسطلانی ارشاد الساری میں رقمطراز ہیں۔

حدثنا العباس بن عبد المطلب انه (قال للنبى صلى الله عليه وسلم ما اغنيت عن عمك) ابى طالب اى اى شیء دفعته عنه (فوالله كان يحوطك) يصونك ويحفظك ويذب عنك (ويغضب لك قال) عليه الصلوة والسلام (هو في ضحضاح) يبلغ كعبيه (من نار ولو

انا) شفعت فيه (لكان في الدرك الاسفل من النار)

(ارشاد الساري، ۲ : ۳۰۱)

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ آپ نے حضرت ابو طالب سے کس شئے کو دور کیا ہے۔ بخدا انہوں نے آپ کی حفاظت وصیانت اور حمایت ونصرت کی اور آپ کے لئے غضبناک ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ دوزخ کے مقام ضحضاح میں تھے جہاں ان کے ٹخنوں تک آگ پہنچتی ہے اور اگر میری شفاعت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے مقام میں ہوتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہاں صراحتاً حضرت ابو طالب کو اپنی شفاعت کا مستحق اور سزاوار گردانا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن کی رو سے شفاعت کے مستحقین فقط اہل ایمان ہی ہیں۔ یہ بات متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت شدہ ہے ان میں سے صرف ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ — اب کسی سفارش کرنے والے کی کوئی سفارش ان کے کام نہ آئے گی۔

(المدثر، ۷۴ : ۴۸)

جب یہ بات محقق ہو گئی کہ شفاعت، مؤمنین کے لئے ہی ہو گی اور حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی جو کتب صحاح میں آیا ہے کہ میری شفاعت حضرت ابو طالب کو یقیناً نفع دے گی تو اس سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وعدہ شفاعت قرآنی آیات کی روشنی میں پورا ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ نصوص قرآنی کے مطابق کفار ومشرکین شفاعت کے حقدار نہیں ہوں گے۔ دوسری یہ کہ شفاعت رسول ﷺ کے حق سے حضرت ابو طالب بالیقین بہرہ مند ہوں گے تو پھر اب یہ ماننا پڑے گا کہ ایسا ہو جانا حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص مبارکہ میں سے ہے۔

مزید برآں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضور نبی اکرم ﷺ کے اس قول کا مدار کیا ہے اور یہ کیونکر آپ نے ارشاد فرمایا؟

اس بارے میں تفسیر روح البیان میں یہ روایت آئی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما عاد من حجۃ الوداع احی اللہ له ابویه وعمه فامنوا به	حضور نبی اکرم ﷺ جب حجۃ الوداع سے واپس پلٹے تو باری تعالیٰ نے آپ کے والدین کریمین اور آپ کے چچا کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔

(روح البیان، ۲ : ٤٦)

غرضیکہ اس کا مدار کچھ بھی ہو حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی لعلہ تنفعہ شفاعتی حضرت ابو طالب کے لئے ایک نرم گوشہ لئے ہوئے ہے۔ اب سوچنے اور غور و فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ بذات خود حضرت ابو طالب کے حوالے سے ایک نرم گوشہ رکھتے ہیں تو پھر ایک امتی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ حضرت ابو طالب کے بارے میں سخت گیر موقف اپنائے نگاہ رسالتماب ﷺ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت ابو طالب کی' اسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بے مثال خدمات کو دیکھتے ہوئے ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ان کے حوالے سے نرم گو بھی رہیں اور عقیدہ صحیحہ اور ایمان مقبلہ کا یقین بھی رکھیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال

حضرت ابو طالب کی وفات کو زیادہ دن نہیں گذرے تھے اور یہ زخم ابھی ہرا ہی تھا کہ حضور ﷺ کی غمگسار رفیقہ حیات حضرت خدیجہ الکبری صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بستر مرگ پر دراز ہو گئیں۔ حضور ﷺ نے ساری توجہات ان کی طرف مبذول فرما دیں۔ زندگی کے اس عظیم' طویل اور آخری سفر کے خوشگوار ہونے کی نوید سنائی ہر طرح سے تسلی دی جنت سے انگور منگوا کر کھلائے اور خصوصی رحمت اور خیر و برکت کی دعاؤں کا سایہ عطا فرمایا۔ وصال مبارک اور تجہیز و تکفین کے بعد جب لحد میں اتارنے کا وقت آیا تو سب سے پہلے اس میں خود اُترے اور اس کے بعد زندگی کی اس وفاشعار ساتھی کو آغوش لحد میں اُتارا۔ انوار و برکات کا توشہ ساتھ دیا اس وقت حضرت خدیجہ

طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پینسٹھ سال تھی۔ ان پے در پے صدمات کی وجہ سے حضور ﷺ نے اس سال کو "عام الحزن" قرار دیا یعنی حزن وملال کا سال۔

(الزرقانی علی المواہب '۱:۲۹۶)
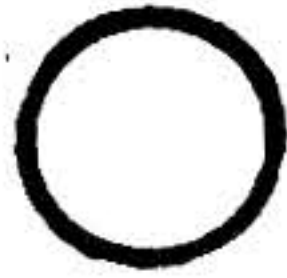
○

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا

باب۔ ۱۴

طائف کا پر خطر دعوتی اور تبلیغی سفر

آپ ﷺ کے لئے ابھی تک شریکہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا ابو طالب کا وجود ایک ڈھال تھا عرب کی ان نامور شخصیات کے ہوتے ہوئے معاندین کو کسی بھی قسم کی بدتمیزی اور غیر شریفانہ حرکت کرنے کے لئے پہلے سو بار سوچنا پڑتا تھا کیونکہ یہ دونوں شخصیات حضور ﷺ کی پشت پناہ تھیں اور آپ ﷺ کو ان کی وجہ سے ہر قسم کا تحفظ میسر تھا۔

مگر ان دونوں کی وفات کے بعد میدان صاف ہو گیا برادری میں کوئی ایسا معتبر شخص باقی نہ رہا جس کا انہیں پاس لحاظ ہوتا اور اس کے ڈر سے یہ لوگ کسی انتہائی اقدام سے گریز کرتے چنانچہ انہوں نے ابولہب کی سرکردگی میں حضور نبی اکرم ﷺ کو دھمکی دے دی کہ وہ اب بھی تبلیغی سرگرمیوں سے باز آ جائیں اور عوام کو ہمنوا بنانے کا وہ سلسلہ بند کر دیں۔ چنانچہ مکہ کی زمین مزید تبلیغ اور عمل دعوت کے لئے تنگ ہو گئی اگر ایک سرزمین جدوجہد کے لئے غیر موزوں ہو جائے تو قیادت کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اس سرزمین کو خیر آباد کہہ دے اور نئے جہانوں کی تلاش میں چل نکلے جو اس کی انقلابی جدوجہد کے لئے موزوں ہوں' چنانچہ حضور ﷺ نے نئی سرزمین کی تلاش میں نکلنے کا اصولی فیصلہ کر لیا۔

مکہ مکرمہ سے ساٹھ ستر کلومیٹر دور طائف ایک زرخیز و شاداب بستی تھی پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور پھولوں سے مہکتے ہوئے چمنستانوں والی اس سرزمین کے لوگ بڑے خوشحالی اور دولت مند تھے۔ اور جیسا کہ دولت مندوں کا عمومی مزاج ہوتا ہے وہ ہر وقت دولت کے نشے میں دھت رہتے ہیں۔ اہلِ طائف کے احساسات بھی اس سے مختلف نہ تھے خاندانی رعونت و پندار نے انہیں فرعون بنایا ہوا تھا۔ وہ کسی کو

خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے۔ دولت وجہالت کے نشے میں اس طرح غرق تھے کہ گردوپیش کا بھی ہوش نہ تھا۔ اسی مدہوشی میں انہوں نے انسانی اور اخلاقی قدروں کو بھی خیر آباد کہہ دیا ہوا تھا۔ چونکہ نبوت' نڈر اور بے باک ہوتی ہے اسے کوئی مادی طاقت' جاہ ومنصب اور ظالم اقتدار خوفزدہ نہیں کر سکتا کسی بھی نبی کو جب حکم ملتا ہے کہ

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدۃ، ۵ : ۶۷)

جو احکام تیری طرف نازل کئے گئے ہیں وہ بندوں تک پہنچادے۔

تو وہ سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے اور ہر قیمت پر پیغام خداوندی بندوں تک پہنچاتا ہے خواہ ان کی جبینیں شکن آلود ہو جائیں۔ تاکہ کل قیامت کے روز وہ یہ نہ کہہ سکیں۔

مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَانَذِيْرٍ (المائدۃ، ۵ : ۱۹)

ہمارے پاس تو کوئی بشارت دینے والا یا کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا۔ (ورنہ تو ہم ضرور ایمان لے آتے اور اس کی پیروی کرتے۔)

حضور ﷺ نے بھی اہل طائف کی رعونت اور ردِ عمل کی پرواہ کئے بغیران تک دعوت حق پہنچانے کا فیصلہ فرمالیا چنانچہ آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت طائف کے قبیلہ "بنو ثقیف" کی سربراہی اور نمائندگی عبدیالیل' مسعود اور حبیب کے سپرد تھی یہ تینوں بھائی بڑے باا ثر سمجھے جاتے تھے ان میں سے ایک کی شادی قبیلہ قریش میں ہوئی تھی اور اس کے گھر قریشی خاتون تھی جس کا نام "صفیہ بنت معمر" تھا اس قرابت و خصوصیت کی بنا پر حضور نبی اکرم ﷺ طائف میں سب سے پہلے ان ہی کے پاس پہنچے اور انہیں پیغام حق دیا۔ یہ سرپھرے وڈیرے اور بگڑے ہوئے رئیس حق کی بات سن کر بھر گئے انہیں یوں لگا جیسے انہیں موجودہ معاشرتی حیثیت' جاہ و جلال اور اقتدار سے دستبردار ہونے کا حکم دے دیا گیا ہو۔ ان کے نتھنے پھول گئے غیظ و غضب نے انہیں آتش زیرپا کر دیا ایک بولا۔

هو يمرط ثياب الكعبة ان كان الله ارسلك	اگر خدا نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کے پردے پھاڑ رہا ہے۔

دوسرے نے یوں گستاخی کی:

اما وجد الله احدا، يرسله غيرك	اللہ کو رسول بنا کر بھیجنے کے لئے تیرے سوا اور کوئی نہ ملا؟

اور تیسرا انتہائی رعونت سے گویا ہوا:

والله لااكلمك ابدا، لئن كنت رسول الله لانت اعظم خطرا، من ان ارد عليك الكلام ولئن كنت تكذب على الله ماينبغى ان اكلمك (الزرقانی علی المواهب ، ۱ : ۲۹۷)

بخدا! میں تجھ سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں اگر تو واقعی اللہ کا رسول ہے تو تجھ سے بات کرنا بے ادبی ہے۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ تجھ سے کلام کروں۔

ایسے فرعون صفت اور ہامان سرشت نمرودوں کے پاس اس جرأت اور دھڑلے سے پہنچ جانا بڑے دل گردے کا کام تھا اس سے حضور ﷺ کے عزم و استقلال آپ کی جرأت وہمت خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کا پتہ چلتا ہے پیغام پہنچانا مقصود تھا۔ وہ پہنچا کر اپنا فرض منصبی ادا کر دیا۔ مشہور متعصب مستشرق سرولیم میور (William Muir) نے بھی اس عظمت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

محمد (ﷺ) کی خود اعتمادی اور قوت ارادی کا یہ کمال ہے کہ وہ مکہ میں پیش آنے والی مسلسل ناکامیوں کے باوجود اکیلے طائف میں چلے گئے جو دشمنوں کا شہر تھا اور پھر وہاں جا کر تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔

فقام صلى الله عليه وسلم من عندهم وقد يئس من خيرهم وقال: اذا فعلتم مافعلتم، فاكتموا على وكره ان يبلغ قومه عند

ذالك فيزيدهم عليه، فلم يفعلوا
(شرح مواهب اللدنية ، ۱ : ۲۹۷)

حضور ﷺ نے ان لوگوں کے نازیبا سلوک سے سمجھ لیا کہ ان میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے لہٰذا آپ مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں سے کہا: "جو کچھ تم نے کرنا تھا وہ تو کر دیا اب اتنا کرو کہ بدسلوکی کی اس داستان کو اپنے تک ہی محدود رکھو" کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مکے والوں تک یہ خبر پہنچ جائے اور وہ اپنی زیادتیوں میں اور اضافہ کر دیں۔ مگر طائف کے یہ تنگ ظرف سردار ایسا نہ کر سکے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ہمت نہ ہاری آپ اتمامِ حجت فرض منصبی کی ادائیگی اور دعوت کے تقاضے پورے کرنے کے لئے دوسرے سرداروں کے پاس بھی گئے۔

انه لم يترك احدا من اشرافهم الا جاء اليه وكلمه فلم يجيبوه وخافوا على احداثهم منه، فقالوا: يامحمد! اخرج من بلادنا

پس آپ ﷺ سرداروں میں سے ہر ایک کے پاس گئے اور اس سے دینی امور پر بات چیت کی اور اسلام پیش کیا مگر کسی نے قبول نہ کیا۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ نئی پود متأثر ہو جائے گی لہٰذا انہوں نے کہا: یا محمد ﷺ! آپ ہمارے شہر سے چلے جائیں۔

انہوں نے یہ صاف جواب دینے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اپنی کمینگی اور پست فطرت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے اوباش نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور مذاق اڑانے' آوازے کسنے' پتھر مارنے اور ذہنی اذیت پہنچانے کے لئے پیچھے لگا دیا یہ بدبخت لوگ دونوں طرف قطاروں میں کھڑے ہو گئے اور جسم اطہر پر پتھر برسانے لگے زیادہ تر ان کی کوشش یہی تھی کہ مبارک ٹخنوں اور قدمین شریفین کو نشانہ بنایا جائے تاکہ چل نہ سکیں۔ شدت کرب سے جب آپ بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور پھر پتھراؤ شروع کر دیتے۔ سارا جسم اطہر لہولہان ہو گیا۔ کپڑے خون میں لت پت ہو گئے۔ یہ وہ

منظر تھا جس کی پیش گوئی تورات میں کی گئی تھی کہ وہ نبی آخرالزمان ﷺ خون میں ڈوبا ہوا لباس پہنے ہوئے تھا۔ (بحوالہ رحمتہ اللعالمین '٦٦ جلد اول)

حضرت زید رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر پروانے کی طرح نثار ہو رہے تھے جدھر سے پتھر آتا اسے اپنے جسم پر لینے کی کوشش کرتے اسی کشمکش میں ان کا سر پھٹ گیا۔ یہ وہ کربناک لمحات تھے جو رہتی دنیا تک اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت کا سرعنوان بن گئے' آقائے نامدار سرورِ کائنات نبی اکرم ﷺ کے نرم و نازک جسم پر پتھروں کی بارش' پائے نازنین کو زخموں سے چور چور کرنے والے کون تھے؟ وہی جن کے دامن حضور ﷺ دنیا و آخرت کی نعمتیں ڈالنے گئے تھے قدرت کا یہ بھی عجب نظام ہے جو مسیحا بن کر قوم کے درد بانٹنے نکلا' نادان قوم نے اس پیکرِ رحمت و شفقت کا استقبال سنگ زنی سے کیا اسی لئے تو سیدنا جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے آقا! اگر اجازت دیں تو میں اس بستی کو تباہ و برباد کر دوں کیونکہ یہ لوگ بدبخت اور شقاوت میں حد سے گزر گئے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جبرائیل نہیں' میں اس قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں عذاب سے چھڑانے آیا ہوں کیا ہوا اگر یہ نادان مجھے پتھر مارتے ہیں کل انہی کی نسلیں اسلام کی پاسبان ہوں گی۔

حدود طائف میں زخم کھا کر دعا کے سکے لٹانے والا
بریدہ جسموں پر سبز چادر عطا و بخشش کی ڈال دے گا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہادی برحق ﷺ کی اس قدر شدت کے ساتھ مخالفت کیوں کی گئی اگر اہل مکہ و طائف کسی مذہب کی مخالفت میں اس حد تک گزرتے تو یہودی و نصرانی بھی اپنے اپنے مذاہب کی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے! اور اگر ان فرعون نما سرداروں کو محض بھلائی اور خیر کے کاموں کی تبلیغ و اشاعت سے خطرہ ہوتا جو اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہیں تو اس سے پہلے ورقہ بن نوفل' قیس بن ساعدی اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ بھی تھے یہ لوگ بڑے پاکباز' بلند کردار' عابد و زاہد اور رشد و ہدایت کے داعی اور مصلحین قوم تھے۔ لوگوں کو اچھی باتوں کی تلقین کرتے رہتے تھے مگر کسی نے

ان کے خلاف آواز نہیں اٹھائی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے ان کی اصلاحی دعوت ان کی اپنی ذات تک محدود ہے اور اس سے ان کے باطل نظام کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مگر مصطفوی تحریک اس سے بالکل مختلف تھی وہ جانتے تھے۔ یہ تحریک' تسبیح ومناجات اور اخلاقی تعلیمات و عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ پورے غیر عادلانہ نظام کے خلاف بغاوت سے عبارت ہے۔ یہ مروجہ قبائلی اقتدار اور سیاسی جاہ وجلال کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ اس کے عروج وارتقاء اور کامیابی کا مطلب نظام باطل کی شکست وریخت ہے۔ وہ لوگ یہ کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کہ اسے پنپنے نہ دیں اور افواہ طرازی' جھوٹ اور غلط پروپیگنڈا کے ذریعہ خواص و عوام میں بدنام کر دیں۔

مکہ والوں کی طرح اہلِ طائف نے بھی اسی وجہ سے شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا۔ غنڈہ گردی پر اُتر آئے اور سوقیانہ انداز میں ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ انہوں نے یہ خوفناک رویہ اس لئے اختیار کیا تاکہ طائف کی فضائیں بدستور شرک آلود رہیں اور حق کی ترنم ریز صداؤں سے آشنا نہ ہوں مگر یہ ان کی بھول تھی۔ اس ہولناک تشدد نے اس سرزمین پر مستقبل میں انقلاب کے لئے تخم ریزی کر دی اور بہت جلد یہ علاقہ اسلامی تحریک کی زد میں آ گیا لوگوں نے بتوں کی غلامی کا جوا گلے سے اُتار پھینکا جو انہوں نے پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈالا ہوا تھا اور اس باطل نظام سے نجات حاصل کر لی جو صدیوں سے جونک کی طرح ان کا خون چوس رہا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ ستانے کے لئے ایک باغ کے قریب بیٹھ گئے طائف کے سفاک اور بدنہاد لوگوں نے جو اخلاق کے منافی اور تہذیب و شرافت سے گرا ہوا سلوک کیا اور بدتمیزی سے پیش آئے تھے اس سے قلب اطہر نے گہرا اثر لیا جسم مبارک زخموں سے چور چور تھا اور غم کی شدت سے نڈھال ہو چکا تھا ایسے عالم میں آپ نے درد بھرے لہجے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی:

اللهم اليك اشكوا ضعف قوتي، وهو انى على الناس ياارحم

الراحمين انت رب المستضعفين وانت ربی، الی من تکلمنی؟ الی بعد يتجهمنی، ام الی عدو ملكته امری؟ ان لم يكن بك غضب علی فلا ابالی، ولكن عافيتك هی اوسع لی، اعوذ بنور وجهك الذی اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والآخرة، اعوذ من ان تنزل بی غضبك او تحل علی سخطك لك العتبى حتى ترضى لاحول ولاقوة الا بك

(البداية والنهاية : ۳ : ۱۳۶)

اے اللہ! میں قوت کی کمی اور لوگوں نے جو تحقیر آمیز سلوک کیا ہے اس کی تیری بارگاہ میں فریاد کرتا ہوں اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! تو عاجز و درماندہ لوگوں کا رب ہے تو میرا بھی رب ہے تو مجھے کن کے پاس بھیج رہا ہے؟ اس گنوار کے پاس جو دور کا رشتہ دار ہے اور ماتھے پر تیوری چڑھا کر رکھتا ہے یا اس بااقتدار دشمن کے پاس جسے تو نے قدرت اور دنیاوی شوکت دی ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں تیری عطا کردہ عافیت ہی میرے لئے کافی ہے میں تیرے نور کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں جس نے تاریکیوں کو روشنی بخشی ہے اور دنیا اور آخرت کو زینت و آرائش عطا کی ہے۔ میں تیرے غضب اور ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری رضا اور خوشنودی کا خواستگار ہوں بے شک نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق تیری ہی بارگاہ سے نصیب ہوتی ہے۔

عتبہ اور شیبہ دو بھائی تھے طائف میں رہتے تھے' جس باغ میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے یہ باغ ان کا تھا۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کو بلایا اور حکم دیا کہ باغ کے قریب جو صاحب بیٹھے ہیں۔ ان کے لئے انگوروں کا ایک گچھا لے جاؤ۔ عداس نے طباق میں انگور رکھے اور لے کر حضور ﷺ کے پاس آگیا اور عرض کی: آپ تھکے ہوئے ہیں یہ تناول فرمالیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کا دانہ منہ میں

ڈالا تو عداس چونک اٹھا اور حیران ہو کر حضور ﷺ کو دیکھنے لگا وہ اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا آخر بول ہی پڑا۔ اس سرزمین پر تو کوئی بسم اللہ سے واقف نہیں ہے پھر آپ نے یہ کیسے پڑھ لی؟ حضور ﷺ نے پوچھا: تم کس سرزمین کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نصرانی ہوں اور نینوٰی کا باشندہ ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

من قرية الرجل الصالح يونس بن متى	اچھا تو تم صالح ترین انسان حضرت یونس بن متیؑ کے شہر کے رہنے والے ہو۔

عداس کے تعجب کی انتہا نہ رہی وہ ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا جب ہوش میں آیا تو بولا:

وما يدريك ما يونس بن متى؟ والله لقد خرجت من نينوى، وما فيها عشرة، يعرفون ما متى، فمن اين عرفته؟ وانت امى في امة امية (الزرقاني على المواهب، ۱ : ۳۰۰)

(کیا آپ جانتے ہیں) کہ یونس بن متی کون ہے؟ یہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ خدا کی قسم جب میں اپنے شہر سے نکلا تو دس آدمی بھی یونس بن متی کو نہیں جانتے تھے پھر آپ نے اسے کیسے پہچان لیا حالانکہ آپ امی ہیں اور امی قوم میں رہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

ذاك اخاك وهو نبی مثلی	بے شک وہ میرا بھائی ہے اور میری طرح نبی ہے۔
فاكب عداس على يديه وراسه ورجليه يقبلها واسلم	یہ سن کر عداس آپ کے پاؤں پر گر پڑا آپ کے ہاتھ پاؤں اور سر مبارک چومنے لگا اور مسلمان ہو گیا۔

عتبہ اور شیبہ دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے جب عداس ان کے

پاس گیا تو انہوں نے کہا: یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے پاؤں پر گر پڑے اور ہاتھ پاؤں چومنے لگے؟ عداس نے جواب دیا:

یاسیدی! مافي الارض شیئ خیر من هذا لقد اعلمنی بامر لایعلمه الا نبی

میرے آقا! آج روئے زمین پر ان سے افضل کوئی نہیں ہے انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

عداس کے بارے میں معتبر روایات و آراء یہ ہیں کہ پڑھا لکھا اور حق شناس انسان تھا اور نبی آخرالزمان ﷺ کی سیرت' حالات زندگی اور خصوصی اوصاف واحوال سے واقف تھا جب حضور ﷺ نے اسے بتایا کہ آپ نبی ہیں تو اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ وہ اسی وقت آپ کے قدموں پر گر پڑا اور نہایت محبت و عقیدت سے اپنی اطاعت و نیازمندی کا اظہار کیا اور اسی وقت کہا:

اشهد انك عبد الله ورسوله

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حکیم بن حزام راوی ہیں کچھ عرصہ بعد جب جنگ بدر برپا ہوئی تو اہل مکہ کی طرف سے اس میں شرکت کرنے کے لئے عتبہ اور شیبہ بھی نکلے اس وقت عداس ایک سفید چٹان پر ان کی راہ میں بیٹھا ہوا تھا۔

فوثب لما رای عتبة وشیبة واخذ بارجلهما، یقول بابی وامی انتما والله انه لرسول الله وما تساقان الا الی مصارعکما

جب اس نے عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو اُچھلا اور جا کر ان کے پاؤں پکڑ لئے اور کہنے لگا: میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں خدا کی قسم! وہ اللہ کے رسول ہیں اور تم لوگ اس وقت اپنے مقتل کی طرف جا رہے ہو۔

اسی دوران عاص بن شیبہ بھی وہاں سے گذرا تو اس نے دیکھا کہ عداس رو رہا ہے اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ عداس نے اسی گریہ زاری کے عالم میں جواب دیا:

یبکینی سیدای وسیدا هذا الوادی فیخرجان ویقاتلان رسول الله	مجھے اس وقت اپنے اور اس وادی کے دو سرداروں پر رونا آ رہا ہے جو اللہ کے سچے رسول کے مقابلے میں جا رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کے رسول کے مقابلے میں جانا ہلاکت اور ابدی خسران کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس وقت یہ لوگ اسی مقصد کے لئے نکل رہے ہیں، ظاہر ہے کہ مارے جائیں گے اور مجھے ان کا حسرت ناک اور عبرتناک انجام رونے پر مجبور کر رہا ہے۔ عاص نے ذرا انکار کے لہجے میں کہا: بھلا وہ اللہ کے رسول ہیں؟

فانتفض عداس، انتفاضة شديدة واقشعر جلده وبكى وقال: اى والله انه لرسول الله الى الناس كافة

(الاصابة فى تميز الصحابة ، ٢ : ٤٦٧ القسم الاول)

عداس، تحقیر و انکار کی یہ بات سن کر بری طرح کانپ اٹھا خوف سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ روتے ہوئے گویا ہوا ہاں، اللہ کی قسم! وہ تمام کائنات کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔

یہ تمام شواہد اس حقیقت کے غماز ہیں کہ عداس دل و جان سے ایمان لایا تھا اور اسے معرفت حق نصیب ہو گئی تھی اس نے چاہا کہ یہ نعمت اپنے آقاؤں میں بھی تقسیم کر دے اور انہیں راہ ہدایت پر لے آئے مگر اس کی ہزار کوشش کے باوجود انہیں یہ دولت ہدایت نصیب نہ ہوئی اور وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہے۔ اہلِ طائف کے انتہائی وحشیانہ اور غیر مہذب طرزِ عمل سے نالاں اسی افسردگی کے عالم میں آپ "قرن الثعالب" تک پہنچ گئے یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس نے آپ کی عظمت اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کی قدر و منزلت کو چڑھتی دھوپ کی طرح آشکار کر دیا اور وہاں آپ کی شان رحمۃ للعالمینی بھی صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کی طرح

نمایاں ہو گئی۔ اس واقعہ کی راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں آپ فرماتی ہیں۔ ایک روز میں نے حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ!

هل اتى عليك يوم كان اشد من يوم احد؟ قال: لقد لقيت من قومك مالقيت، وكان اشد مالقيت منهم يوم العقبة اذ عرضت نفسي على ابن عبديا ليل بن عبد كلال، فلم يجبني الى ماأردت، فانطلقت وانا مهموم، على وجهي فلم استفق الا وانا بقرن الثعالب، فرفعت راسي، فاذا انا بسحابة قد اظللتني، فنظرت فاذا فيها جبريل، فناداني فقال: ان الله قد سمع قول قومك لك وماردوا عليك وقد بعث الله اليك ملك الجبال، لتامره، بما شئت فيهم، فناداني ملك الجبال، فسلم على، ثم قال: يامحمد! فقال: ذالك فيما شئت ان شئت ان اطبق عليهم الاخشبين؟ فقال النبى صلى الله عليه وسلم، بل ارجو ان يخرج الله من اصلابهم من يعبد الله وحده لايشرك به شيئا

(فتح البارى شرح بخارى ، ٦ : ٣١٣)

احد کا دن اپنے احوال و واقعات کے حوالے سے بہت شدید تھا کیا تبلیغ کے میدان میں کوئی ایسا دن بھی آیا جو اس سے بھی شدید تر ہو؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیری قوم کے ہاتھوں جو دکھ اٹھائے وہ اپنی جگہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اذیت ناک "عقبہ کا دن" تھا جب ہم "ابن عبد یالیل" کے پاس طائف گئے اور اس نے ہمارے پیغام حق کو قبول نہ کیا۔ پس ہم اپنی راہ پر چل دیئے (سنگ زنی سے) اس وقت طبیعت بہت مغموم تھی اس طرح چلتے چلتے "قرن الثعالب" میں پہنچ گئے ہم نے اپنا سر اٹھایا۔ اچانک ایک بادل دیکھا جو ہم پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ اس میں جبریل دکھائی

دیے۔ انہوں نے ندا دی: آپ کی قوم نے جو بات کہی ہے اور آپ کو جو تلخ جواب دیا ہے وہ اللہ پاک نے سماعت فرمالیا ہے اس لئے اس نے پہاڑوں پر مامور فرشتے کو بھیجا ہے آپ اسے جو چاہیں حکم دیں وہ حکم بجا لائے گا۔ پہاڑوں کے فرشتے نے ہمیں سلام کے ساتھ مخاطب کیا پھر عرض کی: اہل طائف کے بارے میں آپ جو چاہیں حکم عطا فرمائیں اگر حکم دیں تو دونوں پہاڑ ان پر الٹ دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہمیں یہ منظور نہیں مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو صرف خدائے واحد کے عبادت گذار ہوں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانا گوارا نہیں کریں گے۔

طائف کا یہ سفر تقریباً ایک ماہ جاری رہا روایات کے مطابق آپ ۱۰ نبوی میں شوال کی ستائیس تاریخ کو تشریف لے گئے تھے اور تئیس ذی قعدہ کو واپس تشریف لائے۔ اس حساب سے تقریبا پچیس دن بنتے ہیں

(دلائل النبوۃ' ابو نعیم' ۳۰۸)

سفرِ طائف اور اس میں پیش آنے والے واقعات میں اہل علم ودین اور مبلغین کے لئے ایک خاص اسوۂ اور نبوی درس پوشیدہ ہے وہ یہ کہ۔

دعوت اور تبلیغ کا میدان عشرت کدہ اور پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ حق وصداقت پر مبنی تبلیغ کے راستے میں قدم قدم پر بے شمار مشکلات آتی ہیں۔ مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' طعن و تشنیع اور تمسخرواستہزاء کے زہریلے تیر سہنے پڑتے ہیں' اہلِ ہوس کی نفرت و حقارت' جاہلوں کے اکھڑپن 'اصحابِ اقتدار کے عنادوانتقام اور ابن الوقت ہم عصروں کی ریشہ دوانیوں' افتراپردازیوں اور بدترین سازشوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اگر کسی جگہ معاملہ برعکس ہو اور وہاں تبلیغ کے راستے میں پھولوں کے ہار اور دولت کے انبار ہوں اسے شاہانہ عیش اور قرب شاہ حاصل ہو اور اسے دیکھ کر کسی ذی جاہ صاحب منصب کے ماتھے پر بل نہ پڑتے ہوں' کسی زر پرست حاسد کی آنکھ میں نفرت

وحقارت اور غیظ و غضب کے انگارے نہ دہکتے ہوں کوئی دنیادار اسے دیکھ کر آوازے نہ کستا ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ حق پر مبنی' خالص دعوت اور بے لوث تبلیغ نہیں ہے 'اس نے اہلِ باطل سے مفاہمت کر رکھی ہے اسی مفاہمت نے اسے شرپسند' دین دشمن باطل طاغوتی طاقتوں کے لئے گوارا اور قابلِ قبول بنا دیا ہے وہ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتی ہیں' زر و جواہر میں تولتی ہیں' قرب عطا کرتی ہیں۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی دنیا پرست' استبداد پسند' خدا اور رسول ﷺ کے باغی حکمران کے مفادات کسی تبلیغ سے ٹکرائیں اس کی حکومت و دولت اور شہرت و منصب کو اس سے خطرہ بھی لاحق ہو اور پھر وہ اس پر پھولوں کی بارش کرے۔ اگر کسی تبلیغ کو یہ اعزازات حاصل ہوں تو وہ سمجھ لے اس میں کہیں باطل کا اختلاط ہو چکا ہے۔ جو اس کے چشمۂ صافی کو گدلا کر رہا ہے۔

اسی واقعہ میں یہ درس بھی پنہاں ہے کہ تبلیغِ حق اور دعوت الی اللہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور ایک عظیم فرض ہے جس کی ادائیگی بہر صورت ضروری ہے خواہ اس راستے میں پتھر کھانا پڑیں اور دشمنوں کے ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بننا پڑے اس راستے میں یہ سب صعوبتیں اور یہ آلام و شدائد ربانی اعزازات اور انبیاء کرام کا طریقہ ہیں۔ بظاہر انسان عوام کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جاتا ہے مگر دعوت کے صلے میں ملنے والے مقام و منصب کی وجہ سے رب کا مقرب بندہ بن جاتا ہے اور یہ وہ انعام ہے جسے ہوس کے مارے اور دین سے بے بہرہ دل کے اندھے نہیں سمجھ سکتے۔

دعوت الی اللہ دینے والے مخلصین وہ سعادت مند لوگ ہوتے ہیں جو وہی فریضہ انجام دیتے ہیں جو سابقہ اُمتوں میں حضراتِ انبیاء کرام انجام دیتے تھے اس سے ان کے مقام و مرتبے کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ طائف سے واپسی پر بظاہر حالات انتہائی ناسازگار تھے اور تحریک کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی افق پر دور تک انقلاب کے آثار ناپید تھے۔ ایسے میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید سے جس اعتماد و یقین کے ساتھ بات کی اور روشن مستقبل کی نوید سنائی اس سے یہ درس

ملتا ہے کہ کارکنوں کو ناموافق حالات میں مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یقین وایمان کے دیئے فروزاں رکھنے چاہئیں یہ ممکن ہی نہیں کہ محض اللہ کی رضا اور دینِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء و اعلاء کے لئے کام کیا جارہا ہو اور پھر اس میں ناکامی ہو۔ چنانچہ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا!

یازید ان اللہ جاعل لما تری فرجا ومخرجا، وان اللہ ناصر دینه ومظهر دینه

(الطبقات الکبریٰ ، ۱ : ۲۱۲)

اے زید! تم جو ناسازگار حالات دیکھ رہے ہو ان سے گھبراؤ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ کشائش اور ان سے نکلنے کا راستہ ضرور پیدا فرمادے گا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد فرمائے گا اور اپنے نبی کو ضرور غلبہ واقتدار عطا فرمائے گا۔

اور پھر مستقبل قریب ہی میں دنیا نے دیکھ لیا کہ زبان نبوت سے نکلے ہوئے یہ کلمات بالکل سچے ثابت ہوئے۔ ظلمتِ شب گریزپا ہوگئی اور سحر کے نور سے آسمان جگمگا اٹھا۔

باب ۔ ۱۵

مصطفوی تحریک میں جنات کا حصہ

طائف کی سرزمین ہدایت و رحمت کے نور سے خالی بالکل بنجر اور ویران پڑی تھی۔ مسیحائے وقت کی نگاہ انتخاب اس سرزمین کی طرف اٹھی' نور و نکہت اور خیر و برکت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب خود اس کی طرف بڑھا مگر اہل طائف بڑے ہی نادان' تیرہ باطن اور بد قسمت نکلے وہ مسلسل گمراہی میں رہ کر اندھیروں کے عادی ہو چکے تھے انہیں پتہ ہی نہیں تھا۔ اُجالا اور نور ہدایت اور رحمت کسے کہتے ہیں۔ اس لئے اُجالوں کے سیلاب کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بدک گئے اور الٹا اس کے آگے بند باندھنے کے لئے تیار ہو گئے انہوں نے جس بھونڈے طریقے سے انوار ہدایت کو آگے بڑھنے سے روکا۔ جس بھیانک انداز سے مسیحائے ذی شان کا استقبال کیا اور جس بے دردی اور سنگدلی سے اسے طائف سے نکالا اس نے قلبِ اطہر کو افسردہ کر دیا۔ آپ رنجیدہ دل لے کر وہاں سے نکلے ان کے بے ڈھب سلوک اور نازیبا حرکات سے طبیعت مبارک اتنی ملول ہوئی کہ آپ چلتے ہی رہے کسی طرف دھیان ہی نہ دیا یہاں تک کہ اسی عالم میں آپ "وادیٔ نخلہ" میں پہنچ گئے' یہ ایک سرسبز و شاداب اور دلکش وادی تھی جہاں قدرتی حسن ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر طبیعت مبارک کچھ سنبھلی قدرت کو منظور ہوا کہ طبع مبارک پر جو غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ جائیں حزن و ملال کے اثرات زائل ہوں اور دل لازوال خوشیوں سے لبریز ہو جائے۔

حضور ﷺ کو ایسی خوشیاں ایک ہی چیز عطا کر سکتی تھی اور وہ تھی "مخلوق خدا کی ہدایت کی طرف رغبت ان کا دینِ حق کی طرف میلان اور اسلام قبول کرنے کی طرف جھکاؤ۔

قدرت نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے اور ایک ایسی مخلوق کو اِدھر بھیج دیا جو نظر نہیں آتی تھی یہ جنات کی ایک جماعت تھی جو ادھر سے گذر رہی تھی حضور ﷺ کو دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ نماز فجر میں تلاوت قرآن پاک فرما رہے تھے وہ کلام کی شیرینی میں کھو گئے انہوں نے ایسا پر تاثیر کلام کبھی نہیں سنا تھا وجد و سرور نے سب کو بے خود بنا دیا انہماک سے سننے اور سمجھنے کے لئے انہوں نے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ قرآن نے ان لمحات کی منظر کشی یوں کی ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا

(الاحقاف، ۴۶ : ۲۹)

اے ہمارے رسول! یاد کیجئے وہ وقت جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا تاکہ قرآن سن سکیں جب وہ وہاں پہنچے تو بولے: خاموش رہو اور غور سے سنو!

یہاں کے انسانوں نے اسے سننے اور قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جب ایک نادیدہ مخلوق نے اسے سن کر دل وجان سے قبول کرنے کے لئے شوق کا اظہار کیا تو سرور کائنات ﷺ کی خوشی کی انتہاء نہ رہی غم زائل کرنے کا حسبِ حال یہ ایک ہی طریقہ تھا۔ شانِ رحمت نے یہی طریقہ اختیار فرمایا اور قیامت تک آنے والے اہلِ محبت کے لئے یہ راز کھول دیا کہ محبوب اکرم ﷺ کو راضی کرنا سنت الٰہیہ ہے جو شخص کسی بھی ذریعے اور طریقے سے آپ کو راضی کرے گا وہ سنتِ خداوندی پر عمل کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

ان هؤلاء الجن كانوا سبعة من جن نصيبين، فجعلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم رسلا الى قومهم وقيل كانوا تسعة

(عمدة القارى شرح بخارى، ۱۵ : ۱۸۷).

علاقہ نصیبین کے یہ سات یا نو جن تھے جنہیں حضور ﷺ نے نمائندگی عطا کی اور حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی قوم میں جاکر تبلیغِ اسلام کریں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ نے اسی مقام پر ان جنات کے اسماء گرامی بھی ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں۔ سامر، ماسر، منسی، ماسی، احقب، زوبعہ، سرق اور عمرو بن جابر۔

قرآن پاک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنات بہترین مبلغ ثابت ہوئے انہوں نے اپنی قوم میں جاکر مصطفوی انقلاب کی دھوم مچا دی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک زور پکڑ گئی اور جب یہ لوگ دوبارہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو تین سو کے قریب تھے اور اس کے بعد تو انکی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی۔ ان کے اسلوب تبلیغ کو قرآن پاک نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(الاحقاف ،٤٦ : ٣٠-٣٢)

جنات نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کی بھی مصدق ہے اور حق و صداقت اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے قوم! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور عذاب الیم سے بچائے گا۔ لیکن جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہو گا اس قماش کے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

جنات کو مصطفوی انقلاب کے لئے تبلیغ کی جو ذمہ داری سونپی گئی انہوں نے

اسے صرف اپنی قوم اور علاقے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے انسانی معاشرے تک وسیع کر دیا انسانی مبلغین جو فریضہ انجام نہیں دے سکتے تھے وہ انہوں نے اپنے ذمے لے لیا بطریقِ احسن انجام دیا۔ مصطفوی انقلاب کے لئے یہ ان کا وہ اقدام تھا جسے بارگاہِ نبوی میں بھی پذیرائی نصیب ہوئی۔ آپ نے ان کے طرزِ عمل اور طریقِ کار کو خوب سراہا اور پسند کیا اور صحابہ کرام کو بھی ان کے کارناموں سے آگاہ فرمایا۔

اہلِ مکہ ظلم و تشدد کے سہارے مصطفوی تحریک کو دبانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ ان کی یہی کوشش تھی کہ ان کے عقائد و اقتدار کو چیلنج کرنے والی یہ قوت دب جائے اور کوئی اس کا نام لینے والا باقی نہ رہے اور جو لوگ اس کے زیرِ اثر آگئے ہیں وہ تائب ہو جائیں اور از سرِ نو ان کے جاہلی معاشرے کا حصہ بن جائیں۔ ان کے فاسد نظریات اور ضلالت و گمراہی کو تحفظ دینے کے لئے سرکش شیطانی قوتیں بھی میدانِ عمل میں آگئیں۔ انہوں نے بھی ان کی علانیہ امداد شروع کر دی اور کچھ ایسے طریقے اپنائے جو اہلِ کفر و شرک کو گمراہی پر ثابت قدم رکھنے کے لئے بڑے مؤثر تھے اور انہیں نیا عزم و حوصلہ بخش سکتے تھے نیز مسلمانوں کے خلاف اپنی مکروہ اور غیر انسانی کاروائیاں تیز کرنے پر اُبھار سکتے تھے۔

کافر جنات اور شیطانوں نے بتوں میں گھس کر جگہ جگہ یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اے لوگو! تم اپنے آباؤ اجداد کے درست راستے پر ہو نئے دین نے بہت سے لوگوں کو پٹڑی سے اُتار دیا ہے۔ تم ان کے خلاف ڈٹ جاؤ۔ جس طرح ہو سکے طاقت استعمال کر کے انہیں پیس ڈالو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو تم جیسا بے حمیت کوئی نہیں ہو گا کمر ہمت باندھو اور نئے عزم کے ساتھ میدان میں آؤ اور مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دو۔ بعض جنات نے ذبح شدہ جانوروں کے اندر سے بولنا شروع کر دیا۔ کچھ سرکش جنات پہاڑوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے اسی قسم کا ہیجان انگیز اعلان کیا جسے انسانوں نے سنا۔ جب پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے تو کافروں کے اندر ایک جوش پیدا ہو گیا غیب سے آنے والی آوازوں میں طعنے سن کر ان کی رگِ حمیت و عصبیت پھڑک اٹھی اور

انہوں نے چار وناچار مسلمانوں کے خلاف بھرپور اقدام کافیصلہ کر لیا۔ بتوں اور ذبح شدہ جانوروں کے اندر سے آنے والی غیبی آوازوں سے پیدا شدہ صورت حال کا اسی انداز سے مقابلہ کرنا انسانوں کے بس کا کام نہ تھا یہ ایک ایسی مخلوق ہی انجام دے سکتی تھی جو انہی کی طرح ہو بلکہ قوت وطاقت میں ان پر فائق ہو۔ مصطفوی انقلاب کے اس نازک موڑ پر یہ فریضہ مسلمان جنات نے انجام دیا انہوں نے کافر جنات اور شیاطین کا ہر مقام پر پیچھا اور ہر محاذ پر بھرپور مقابلہ کیا اور ہر جگہ انہیں شکست فاش دی اور مسلمانوں کو ایسا تحفظ فراہم کیا جو انہی کا حصہ تھا۔ اس سلسلے کی چند دلچسپ اور حیرت انگیز مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

بینما نحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم في مکة في بدء الاسلام اذھتف ھاتف علی بعض جبال مکة فحرض علی المسلمین فاصبح ھذا الحدیث قد شاع بمکة واصبح المشرکون یتناشدونه بینھم وھموا بالمؤمنین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ھذا شیطان یکلم الناس في الاوثان، یقال له مسعر ..... ولم یعلن شیطان بتحریض علی نبی الا قتله اللہ فلما کان بعد ذالك، قال لنا النبی صلی اللہ علیه وسلم قد قتله اللہ بید رجل من عفاریت الجن یدعی "سمحجا" وقد سمیته عبد اللہ فلما امسینا سمعنا ھاتفا بذالك المکان، یقول

نحن قتلنا مسعرا لما طغی واستکبرا

وسفه الحق وسن المنکرا بشتمة نبینا المطھرا

(حجة اللہ علی العالمین ، امام نبھاني : ۱۹۱)

ایک دفعہ کا ذکر ہے ہم حضور ﷺ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک مکہ کے ایک پہاڑ سے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سنائی دی اس

نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف شعروں کی زبان میں خوب اُبھارا۔ صبح کو یہ بات مشہور ہو گئی اور رات کو سنے جانے والے جوشیلے اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے اور کفار نے غضب میں آکر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔ حضور ﷺ نے بتایا: اس شیطان کا نام "مسعر" ہے جو بتوں میں گھس کر لوگوں سے باتیں کرتا ہے قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جب بھی کوئی شیطان نبی کے خلاف کسی کو بھڑکاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر چند روز بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا ہے ایک عفریت جن نے اسے مار ڈالا ہے جس کا نام "سمج" تھا اور ہم نے اس کا نام "عبداللہ" رکھا ہے۔

جب رات ہوئی تو ہم نے وہاں ایک "ہاتف غیبی" کی آواز سنی کوئی شعر کی زبان میں کہہ رہا تھا۔

نحن قتلنا مسعرا لما طغیٰ واستکبرا
و سفہ الحق و سن المنکرا بشتمہ نبینا المطہرا

جب مسعر نے سرکشی اور تکبر کی راہ اختیار کی حق وصداقت کا مذاق اڑایا اور گمراہی اور برائی کا جھنڈا گاڑا اور ہمارے پاک نبی ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو ہم نے اسے ہلاک کر دیا۔

۲۔ قبیلہ خثعم کا ایک شخص راوی ہے:

نادان بت پرست آپس میں دنگا فساد کرتے اور جنگل کے وحشی جانوروں کی طرح لڑتے جھگڑتے رہتے تھے پھر صلح صفائی اور فیصلہ کرانے کے لئے بتوں کے چرنوں میں چلے جاتے اور ان سے فریاد کرتے کچھ اسی قسم کا معاملہ تھا ہم اپنا مقدمہ لے کر بت کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک غیبی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔

یا ایھا الناس ذو الجسام و مسند الحکم الی الاصنام
ما انتم وطائش الاحلام ھذا نبی سید الانام

اعدل فی الحکم من الحکام بصدع بالنور و بالاسلام
و ینزع الناس عن الاثام مستعلن فی البلد الحرام

اے عقل و شعور سے بے بہرہ صرف انسانی وجود رکھنے والے اور بتوں کے پاس اپنے فیصلے لے کر آنے والے لوگو! تم کتنے کم عقل اور ناداں ہو! ان بے جان پتھروں کے پاس آتے ہو حالانکہ ساری کائنات اور تمام مخلوقات سے افضل و برتر نبی تمہارے درمیان تشریف فرما ہیں جو تمام حکمرانوں سے بہتر اور عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کرتے ہیں وہ ایمان و نور کے مبلغ و قاسم ہیں اور لوگوں کو گناہوں سے روکتے ہیں اور مکہ میں ان کی علانیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

اس آواز نے ہمیں حیران و پریشان اور کسی حد تک خوفزدہ کر دیا ہم اس وقت تک اصلیت و حقیقت سے بالکل بے خبر تھے طبیعت میں تجسس پیدا ہوا کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر واقعہ کی اصل نوعیت معلوم کریں تاکہ پتہ چلے اس ہاتفِ غیبی کے اعلان میں کہاں تک صداقت ہے جب وہاں پہنچے تو ساری حقیقت منکشف ہوگئی اور پھر بعد میں ہم مسلمان بھی ہو گئے جنات کی رہنمائی اور خیر خواہی نے ہمیں ہدایت عطا کر دی۔

۳۔ جعد بن قیس عرب کے معمر اور نامور شاعر تھے وہ اپنا اسی نوعیت کا ایک حیرت انگیز تجربہ بیان کرتے ہیں جس نے ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا اور رشد و ہدایت کی طرف ان کا دھیان لگا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بالآخر دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ کی صحابیت اور آپ کی غلامی کا شرف حاصل کر لیا فرماتے ہیں۔ ہم چار دوست تھے حج کے ارادے سے گھر سے نکلے جب وادی یمن میں پہنچے تو رات کو وہاں قیام کیا اپنی سواریاں باندھ دیں اور سو گئے جب ہر شے پر خاموشی طاری ہو گئی تو اچانک ہم نے بڑی صاف آواز سنی جو وادی کے ایک کونے سے آ رہی تھی کوئی ہاتف غیبی ہمیں مخاطب کر رہا تھا۔

الا ایھا الرکب المعرس بلغوا اذا ما وقفتم بالحطیم وزمزما

محمدا المبعوث منا تحیۃ تشیعۃ من حیث سار و یمما
وقولوا لہ انا لدینک شیعۃ بذالک اوصانا المسیح بن مریما

اے رات کو قیام کرنے والے قافلے کے لوگو! جب تم حطیم شریف اور زمزم کے پاس پہنچو تو حضور محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہمارا سلام پہنچا دینا جو مبعوث ہو چکے ہیں جس جگہ بھی سرکار تشریف فرما ہوں یہ سلام نیاز وہاں پہنچنا چاہیے۔ اور یہ بھی عرض کرنا کہ ہم آپ کے دین کے مددگار ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں اسی بات کی وصیت کی ہوئی ہے۔

اسلوبِ کلام سے پتہ چلتا ہے یہ دوسرے جنات تھے اور وادی نصیبین کے جنات جنہوں نے وادیٔ نخلہ میں سرکار کی بیعت کی وہ اور تھے کیونکہ قرآن پاک میں ہے انہوں نے اپنے علاقے میں جا کر یہ کہا تھا۔

يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (الاحقاف ۴۶ : ۳۰)

اے قوم! ہم نے ایک ایسی کتاب کی تلاوت سنی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔

گویا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے جو مسلمان ہو گئے اور یہ جنات جو وادی یمن میں ان لوگوں سے ہمکلام ہوئے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اسی لئے انہوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا اور بتایا وہ ان کی وصیت پر عمل کر رہے ہیں۔ شواہد و واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ عیسائی جنات جو مسلمان ہو کر مصطفوی تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ہی سے انقلاب کا ہراول دستہ بن گئے تھے اور انہوں نے ذبیحہ جانوروں اور بتوں کے اندر بولنے والے کافر جنات کو ہلاک کر کے توحید و رسالت کی دعوت کا راستہ ہموار کرنا شروع کیا ہوا تھا اس کے علاوہ جنگلوں اور بیابانوں میں قیام پذیر لوگوں تک بھی یہ پیغام حق پہنچاتے تھے چنانچہ ان کی دعوت اور کوشش سے بہت سے لوگ راہِ راست پر آئے اور انہوں نے دین حق قبول کیا۔ چند مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ "بوانہ" ایک جگہ کا نام ہے حضرت جبیر بن مطعم اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں ایک روز ہم نے اونٹنی ذبح کی تو اچانک اس کے پیٹ سے آواز گونجی۔

اسمعوا العجب، ذهب استراق الوحی ورمی بالشهب، لنبی بمكة اسمه احمد، مهاجره الی يثرب

(الوفا باحوال المصطفی، ۱۵۷)

عجیب بات سنو! فرشتوں کی باتیں سننے اور چوری کرنے کے لئے پہلے جنات آسمان کے قریب چلے جاتے تھے اب یہ راستہ بند کر دیا گیا ہے اور اس پر شہاب ثاقب کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں یہ سب کچھ اس نبی کی آمد پر کیا گیا ہے جس کا اسم گرامی "احمد" ہے اور ان کی ہجرت گاہ کا موجودہ نام یثرب ہے۔

۲۔ یہی باتیں خویلد ضمری نے ایک بت کے اندر سے سنیں اور اسی سے ملتا جلتا پیغام عمرو ہذلی کو ایک ذبیحہ کے اندر بولنے والی آواز سے ملا اس کے الفاظ یہ تھے۔

العجب كل العجب خرج نبی من بنی عبد المطلب يحرم الزنا، ويحرم الذبح لاصنام، وحرست السماء

(الخصائص الکبری، ۱ : ۱۰۸)

بڑی ہی حیران کن خبر ہے عبد المطلب کی اولاد سے ایک نبی تشریف لائے ہیں جو بتاتے ہیں کہ بدکاری حرام ہے بتوں کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے ان کی آمد پر آسمانوں کو جنات و شیاطین سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اس خبر نے ہمارے اندر جذبہ تجسس پیدا کر دیا حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے فوراً مکہ مکرمہ پہنچے مگر کسی نے ہمیں حضور ﷺ کی قیام گاہ سے آگاہ نہ کیا آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ہم نے کہا:

خرج بمكة احد يدعوا الی الله تعالی يقال له احمد؟ قال وماذاك؟ فاخبرته الخبر، قال نعم، محمد بن عبد الله بن عبد المطلب، وهو رسول الله

اے ابوبکر! مکہ میں کوئی صاحب ظاہر ہوئے ہیں جو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کا نام احمد ہے؟ ابوبکر بولے: بات کیا ہے؟ ہم نے ساری روداد سنا دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا: ہاں وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا۔

قدمت حديثا من الشام، فلما كنا بين معان والزرقاء فنحن كالنيام، اذ منادٍ يناديها ايها النيام هبوا فان احمد قد خرج بمكة (حجة الله على العالمين ، ٢٠٥)

ہم ملک شام سے ابھی ابھی آئے ہیں جب ہم وہاں معان اور زرقاء کے درمیان قیام پذیر تھے اور نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ اچانک ایک آواز سنی جیسے کوئی ندا دینے والا کہہ رہا ہو۔ اے سونے والو جاگو! کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضور احمد مجتبیٰ ﷺ ظاہر ہو گئے ہیں۔

۴۔ اسی مقام پر سفیان هذلی کو یہی ندا سنائی دی اور ایک شہسوار بھی دکھائی دیا جو زمین و آسمان کے درمیان معلق تھا اس کے الفاظ یہ تھے۔

ايها النيام هبوا، فليس هذا بحين رقاد قد خرج احمد، وطردت الجن كل مطرد

(الوفا باحوال المصطفى ، ١٥١)

اے سونے والو جاگو! یہ سونے کا وقت نہیں ہے حضور احمد مجتبیٰ ﷺ ظاہر ہو گئے ہیں اور سرکش جنات و شیاطین بھگا دیئے گئے ہیں۔

الفاظ و تراکیب اور مفاہیم کی یکسانیت بتاتی ہے۔ مومن جنات سرگرمی کے ساتھ میدانِ عمل میں تھے اور جو بھی ادھر سے گذرتا اس کے کانوں تک یہ پیغام پہنچا دیتے تھے اس کے علاوہ جس طرح بھی ان سے بن پڑا انہوں نے یہ پیغام عام کیا اور جو

کام مسلمان انسان نہیں کر سکتے تھے وہ کام انہوں نے کیا اور روزِ اوّل ہی سے مصطفوی انقلاب کے لئے کوشاں رہے اور اسے سعادت سمجھ کر انجام دیتے رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے مسلمان جنات مصطفوی انقلاب کی تحریک میں انسانوں سے پیچھے نہیں تھے بلکہ اپنی بساط وطاقت کے مطابق بھرپور کردار ادا کر رہے تھے اور تبلیغ دین میں زبردست حصہ لے رہے تھے اپنی قوم جنات کو بھی راہ راست پہ لائے اور بہت سے انسانوں کے لئے بھی رشد وہدایت کا ذریعہ بنے۔

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخری ”حصہ ششم“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کتابیات

نام کتاب	مصنف / مولف	مطبوعہ
۱۔ القرآن الکریم		
۲۔ فیوض القرآن	ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی	فیروز سنز
۳۔ عرفان القرآن	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز
۴۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	دار المعرفۃ بیروت
۵۔ المفردات فی غریب القرآن	امام راغب الاصفہانی	نور محمد۔ اصح المطابع
۶۔ الاتقان فی علوم القرآن	امام جلال الدین السیوطی	سہیل اکیڈمی لاہور
۷۔ صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل البخاری	قدیمی کتب خانہ
صحیح البخاری (مرقم)	امام محمد بن اسماعیل البخاری	دار القلم۔ دمشق
۹۔ صحیح المسلم	امام مسلم بن الحجاج القشیری	قدیمی کتب خانہ
۱۰۔ صحیح المسلم (مرقم)	امام مسلم بن الحجاج القشیری	دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۱۔ جامع الترمذی (مرقم)	امام ابو عیسیٰ محمد الترمذی	دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۲۔ سنن ابن ماجہ (مرقم)	امام محمد بن یزید القزوینی	دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۳۔ سنن النسائی	امام احمد بن شعیب النسائی	قدیمی کتب خانہ
۱۴۔ سنن الدارمی	امام ابو محمد عبد اللہ الدارمی	نشر السنۃ ملتان

۱۵۔ المستدرک حافظ ابو عبداللہ محمد الحاکم دار الباز للنشر والتوزیع مکہ المکرمہ

۱۶۔ کنز العمال علاؤ الدین علی بن حسام الدین الھندی موسسہ الرسالۃ بیروت

۱۷۔ مسند امام احمد امام احمد بن حنبل دار الفکر

۱۸۔ دلائل النبوۃ امام ابوبکر احمد البیھقی دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۹۔ دلائل النبوۃ حافظ ابو نعیم الاصبھانی حیدر آباد دکن

۲۰۔ فتح الباری امام ابن حجر العسقلانی دار الفکر

۲۱۔ عمدۃ القاری امام بدر الدین العینی دار الفکر

۲۲۔ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ امام یوسف بن اسماعیل النبھانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

۲۳۔ الخصائص الکبریٰ امام جلال الدین سیوطیؒ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

۲۳۔ السیرۃ النبویہ ابو القاسم عبد الرحمن ابن ہشام مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر

۲۵۔ السیرۃ الحلبیہ شیخ علی بن برہان الدین الحلبی

وبھامشہ

السیرۃ النبویہ سید احمد بن زینی دحلان المکتبہ الاسلامیہ بیروت

۲۶۔ السیرۃ النبویہ امام اسماعیل بن کثیر دار المعرفہ بیروت

۲۷۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ قاضی عیاض بن موسیٰ المالکی

۲۸۔ المواہب اللدنیہ امام شہاب الدین احمد القسطلانی المطبعۃ الشرفیہ

۲۹۔ شرح المواہب اللدنیہ امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المطبعۃ الازہریہ المصریہ
۳۰۔ الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ امام یوسف بن اسماعیل النبہانی مصر
۳۱۔ زاد المعاد فی ھَدْیِ خیر العباد امام ابن قیم الجوزیہ مطبعۃ مصطفیٰ البابی مصر
۳۲۔ سبل الھدٰی والرشاد امام محمد بن یوسف الشامی دار احیاء التراث الاسلامی القاہرہ
۳۳۔ الروض الانف امام ابو القاسم السہیلی عبد التواب اکیڈمی (ملتان)
۳۴۔ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام ابن جوزی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد۔
۳۵۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد رضا مصری دار الکتب العلمیہ بیروت
۳۶۔ الطبقات الکبریٰ امام ابن سعد دار بیروت للطباعۃ والنشر
۳۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ امام ابن حجر العسقلانی دار احیاء التراث العربی بیروت
وبھامشہ
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علامہ ابن عبد البر القرطبی دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۸۔ البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر مکتبہ المعارف بیروت
۳۹۔ الکامل فی التاریخ امام ابن اثیر دار صادر بیروت
۴۰۔ تاریخ اسد الغابہ امام ابن اثیر
۴۱۔ تاریخ دمشق الکبیر امام ابن عساکر دار المسیرۃ بیروت

۴۲۔ سیرت النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانی	مکتبہ مدنیہ لاہور
۴۳۔ رحمتہ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری	شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۴۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	دار الاشاعت کراچی

○